انگریز کا ایجنٹ کون ؟

صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی

الہدیٰ فاؤنڈیشن لاہور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : انگریز کا ایجنٹ کون ؟

مصنف : صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی

اشاعت دوم : اپریل 2002ء

تعداد : 1100

ناشر : الھدیٰ فاؤنڈیشن لاہور

قیمت : روپے

ملنے کے پتے

۱۔ دار العلوم مظہریہ امدادیہ بندیال ضلع خوشاب

۲۔ مکتبہ جمال کرم 9 مرکز الاولیس دربار مارکیٹ لاہور

۳۔ مکتبہ رضویہ دربار مارکیٹ لاہور

۴۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

۵۔ مکتبہ مہریہ رضویہ ڈسکہ

۶۔ ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارادر کراچی

۷۔ احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک راولپنڈی

۸۔ مکتبہ دار اخلاص صدف پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

شرف انتساب

اس کی خدمت میں

..........جس کی

نگہ بلند، زبان ہوشمند اور دل درد مند ہے

..........جس نے

ایک ویران اور بے آب وگیاہ صحرا کو علم وحکمت کا لہلہاتا ہوا گلشن بنا دیا

..........جس کے فیض نے

جامعہ مظہریہ امدادیہ کی شکل میں فکر ونظر، فضل وکمال اور شعور وآگہی کا ایک شہرستان آباد کر دیا

..........جس نے

اپنے علاقہ کے یونینسٹ امراء اور ڈکٹیٹروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کمال جرأت سے تحریک پاکستان کے لیے مسلسل جہد فرمائی

..........جس کے خوشہ چین

شہباز طریقت، امیر شریعت تاج الفقہاء علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم کرتے ہیں

محمد مظہر الحق، بندیالوی

پیش لفظ

کافی عرصہ قبل بندیال میں ایک مولانا صاحب کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے جوش خطابت میں فرمایا "کہ پاکستان علماء دیوبند نے بنایا۔ تحریک پاکستان کی کامیابی کا سہرا مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کے سر ہے اور شاہ احمد رضا خان فاضل بریلی تو انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔"

حالانکہ ہم نے اس سے قبل تو یہی سنا اور پڑھا تھا کہ اکابرین دیوبند کی غالب اکثریت تحریک پاکستان کی مخالف تھی۔ اس لیے بندہ نے تحریک پاکستان میں علماء کے کردار کے متعلق مخالف وموافق ہر قسم کی کتب کا بھرپور مطالعہ کیا تو مولانا کے خطاب کو حقیقت کے برعکس پایا۔ پھر احباب کے مشورہ پر تحریک پاکستان، تحریک عدم تعاون، اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکابر علماء دیوبند اور علماء اہل سنت کے کردار کے تقابلی جائزہ کو ورطہ تحریر میں لایا۔

اور پھر تحریک بالاکوٹ کی اصل حقیقت کو بھی مستند حوالہ جات سے لکھا۔ تاکہ اس موضوع پر نام نہاد مؤرخین نے جو مصلحتوں کی گرد چڑھا دی ہے اس کو دور کر دیا جائے۔

محقق اہل سنت، شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے تقدیم لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی جس پر بندہ ان کا بصد مشکور ہے۔

اللہ رب العزت بطفیل نبی رحمت ﷺ حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خاکپائے علماء حق

محمد مظہر الحق

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ چودھویں صدی ہجری کے وہ متبحر عالم دین ہیں کہ علمی وسعت اور کثرت تصانیف میں دنیا بھر کا کوئی ہم عصر عالم ان کا مد مقابل دکھائی نہیں دیتا، پچاس سے زیادہ علوم میں کامل دسترس اور تقریباً ایک ہزار تصانیف ان کی یکتائی کا واضح ثبوت ہیں۔

تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے حضرت مولانا تقدس علیخان رحمۃ اللہ علیہ (پیر صاحب پگاڑا کے استاذ) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ نواب حیدر آباد دکن کی طرف سے امام احمد رضا خان بریلوی کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کو مکتوب موصول ہوا جس میں انہیں حیدر آباد دکن کے صدر الصدور کے منصب کی پیش کش کی گئی تھی، حجۃ الاسلام نے وہ مکتوب امام احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں پیش کیا، تو فرمایا: ہم بوریہ نشینوں کو صدر الصدور کے منصب سے کیا غرض؟ اور یہ مصرع ارشاد فرمایا۔

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

یہ بے معنی دفتر اس لائق ہے کہ اسے شراب میں ڈبو دیا جائے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام نے معذرت کر دی۔

یہ بھی حضرت مولانا تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ نظام حیدر آباد دکن نے امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ مدرسہ منظر اسلام، بریلی کے لیے دو سو روپے ماہانہ منظور کیے، اس وقت دو سو روپے بہت بڑی رقم تھی، لیکن امام احمد رضا

بریلوی نے تا زیست وہ رقم قبول نہیں کی، امام احمد رضا بریلوی نے سچ فرمایا اور ان کی پوری زندگی کا عمل اس پر شاہد ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

امام احمد رضا بریلوی نے اپنی تمام قوت دین متین، مسلک اہل سنت وجماعت اور مذہب حنفی کی تبلیغ واشاعت اور تائید وحمایت میں صرف کر دی، اللہ تعالیٰ، اس کے حبیب مکرم ﷺ، صحابہ کرام، اہل بیت اور اولیاء عظام کی بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں کی پوری قوت سے سرکوبی کی۔ مخالفین کی طرف سے اس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے، ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ (معاذ اللہ!) وہ انگریز کے ایجنٹ تھے، حیرت ہوتی ہے کہ وہ سراپا اخلاص وللّٰہیت شخصیت جس نے زندگی بھر کسی مسلمان حکمران کی مدح سرائی نہیں کی، کسی مسلم حاکم سے امداد قبول نہیں کی، اس پر کس منہ سے یہ الزام عائد کیا جا سکتا ہے کہ وہ غیر مسلم، غاصب اور ظالم انگریز کا نمائندہ اور ایجنٹ ہے، جبکہ ان کے مخالفین کسی نہ کسی انداز میں انگریز گورنمنٹ سے متعلق رہے ہیں اور مفاد حاصل کرتے رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ "گناہ بے گناہی" از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ دعوت فکر از مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری زید مجدہ اور راقم کا مقالہ "شیشے کے گھر" جو البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ" میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ایک عرصہ پہلے مشہور دیوبندی عالم مولوی شبیر احمد عثمانی کا یہ مقالہ پڑھا تھا:

"دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ اور پیشوا تھے ان کے متعلق بعض

لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔" (مکالمۃ الصدرین (طبع دیوبند ص ۹)

ایک مدت تک یہ عقیدہ نہ کھل سکا کہ آخر حکومت انہیں ماہانہ چھ سو روپے (جو اس وقت کے پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہوں گے) کیوں دیتی تھی؟ اسے تھانوی صاحب کی ذات سے کیا فائدہ تھا؟ سندھ کے ایک صحافی انجم لاشاری نے ستمبر ۱۹۸۷ء میں جمعیت العلماء اسلام صوبہ سندھ کے سربراہ مولوی محمد شاہ امروٹی (فرزند مولوی تاج محمود امروٹی) سے انٹرویو کیا جس میں مولوی محمد شاہ امروٹی نے دم مرگ راز سربستہ سے نقاب ہٹادیا اور بتایا کہ تحریک ریشمی رومال کی ناکامی اور انگریز کے اس تحریک پر قابو پانے میں تھانوی صاحب کا ہاتھ تھا۔ جناب انجم لاشاری کا بیان ملاحظہ ہو!

اپنے انٹرویو میں مولانا محمد شاہ امروٹی نے دل گرفتہ ہو کر بتایا کہ انگریزوں کو ریشمی رومال کے اس سفر کی اطلاعات لحہ بہ لحہ مل رہی تھیں اور یہ لنکا گھر کے ایک بھیدی نے ڈھائی تھی اور یہ تھے .... مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا امروٹی کے بقول مولانا تھانوی کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف کچھ نہ کیا جائے بلکہ ان کی سرپرستی میں رہ کر مسلمانوں کے لئے فوائد حاصل کیے جائیں۔ وہ چونکہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں سے تھے اس لئے انہیں تحریک خلافت اور جنود ربانیہ کے تمام پروگراموں

سے آگاہی رہتی تھی۔ انہوں نے ریشمی رومال کی حقیقت اور انقلابی کارروائیوں کے لئے طے کردہ تاریخ سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دیا اور ان کے بھائی (مظہر علی) نے جو انٹیلی جینس کے ایک اعلیٰ افسر تھے پورے قصے سے انتظامیہ کو خبردار کر دیا۔"

(انجم لاشاری ماہنامہ شوٹائم، کراچی: شمارہ اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۱)

اس وضاحت کے بعد یہ سوچنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انگریز حکومت تھانوی صاحب کو ماہانہ چھ سو روپے کیوں دیتی تھی؟ علماء دیوبند کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے تھانوی صاحب کی پردہ داری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، یہ الگ بات ہے کہ حقیقت کسی نہ کسی وقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں سابق فضلاء کی ایک تنظیم تھی۔ "الانصار" اس کے قواعد و مقاصد میں ایک شق یہ تھی۔

جمعیۃ (الانصار) گورنمنٹ انگلشیہ کی (جس کے ظل عاطفت میں ہم نہایت آزادی کے ساتھ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی ترقی کے لئے ہر قسم کی کوشش کر سکتے ہیں) پوری وفادار رہے گی اور انارکستانہ کوششوں کے قلع قمع میں اپنے اثر سے پورا کام لے گی۔ (ماہنامہ الہدیٰ لاہور۔ شمارہ رجب ۱۳۲، ص ۱۳۸)

چلتے چلتے ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو کسی نا معلوم شخص نے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر بم سے حملہ کیا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ اس حادثہ کا دیوبند کے ہر فرد کو صدمہ ہوا۔ باقاعدہ اساتذہ اور طلبہ کا اجلاس بلایا گیا اور بذریعہ تار اظہار ہمدردی کیا گیا، رپورٹ ملاحظہ ہو۔

دارالعلوم کے اہل شوریٰ، اساتذہ، موجود طلبہ، پرانے طلبہ

(جمیعۃ الانصار) اس صدمہ کا اثر محسوس کرتے ہیں۔ مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم نے دارالعلوم کے تمام دوستوں کی طرف سے اظہار ہمدردی اور غصہ کا تار دیا۔ جس کا جواب نہایت شکریہ آمیز الفاظ میں آیا۔

الحمدللہ کہ ہز ایکسیلینسی وائسرائے کی جان پر گزند نہیں آیا اور لیڈی ہارڈنگ محفوظ رہیں اور بفضل تعالے حضور وائسرائے کی صحت روز بروز کامیابی کے ساتھ روبترقی ہے۔

(ماہنامہ القاسم، دیوبند: شمارہ محرم ۱۳۳۱ھ، ص ۱)

یہ چند مثالیں ہیں تفصیل تو آپ پیش نظر مقالہ "انگریز کا ایجنٹ کون" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ مقالہ علوم جدیدہ وقدیمہ کے فاضل صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی زید مجدہ کے تحقیقی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جس میں انہوں نے تحریک بالاکوٹ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک پاکستان کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ اور تاریخی حوالوں سے بتایا ہے کہ علماء اہل سنت اور علماء دیوبند کا کردار کیا رہا؟ کس نے انگریز حکومت سے روابط استوار کئے اور کس نے مفادات حاصل کیئے؟ اور کون محض رضائے الٰہی کے لئے دین وملت کی پاسداری کرتا رہا۔

صاحبزادہ صاحب عظیم علمی اور دینی خانوادہ کے چشم وچراغ ہیں، ان کے جد امجد فقیہ العصر استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی اور والد گرامی فقیہ جلیل، محسن اہل سنت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ ہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے نوعمری کے باوجود مسلک اہل سنت وجماعت کی تائید وحمایت میں متعدد رسائل قلم بند کئے ہیں۔ اور بندیال ایسے دور افتادہ قصبے میں بیٹھ کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ پیش نظر مقالہ

کے مطالعہ کے بعد کسی بھی دیانت دار شخص کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا الزام لگانے والوں کے ہاں کتنی صداقت اور دیانت ہے؟ اور وہ کس منہ سے حرف الزام زبان پر لاتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مقالہ نگار کسی کردار کشی کے درپے نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف حقائق کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور وہ بھی ٹھوس حوالوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ صاحب کے علم وقلم میں برکتیں عطاء فرمائے اور انہیں احقاق حق کا فریضہ انجام دیتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

لاہور

باب اول

تحریک بالاکوٹ تاریخ وحقائق کے آئینے میں

۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل پر منفی اثرات مرتب کیے۔ میری مراد سید احمد بریلوی کی تحریک سے ہے، جنہیں ان کے معتقدین جہاد کا نام دیتے ہیں۔ بعض متعصب العقیدہ قسم کے مؤرخین سلطنت اسلامیہ کے قیام اور تحریک آزادی ہند کے شجرے میں مولوی سید احمد بریلوی کی اس تحریک کو بھی شامل کرتے ہیں، مگر وہ اس عقدے کو حل نہیں کرپاتے کہ تاریخ ہند کے اس نازک دور میں جبکہ سیاسی تقاضے کچھ اور تھے۔ سکھوں کے خلاف "لڑائی" کیوں کی گئی اور اس بے سود کوشش میں وہ مسلمانوں سے بھی دو بدو ہوئے۔ اس تحریک کے نتیجے میں پاک وہند میں انگریزوں کے قدم اور جم گئے۔ جس وقت معرکہ بالاکوٹ پیش آیا، اس وقت انگریز ہندوستان پر چھا چکے تھے۔ ضرورت تھی کہ انگریزوں کی سختی سے مزاحمت کی جاتی۔ ایسے نازک دور میں اپنی قوت کو اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اور سکھ جو کہ انگریز کی آنکھوں میں ہر وقت کھٹکتے تھے، ان کے خلاف لگا دینا دانشمندی کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور یہ صرف میرا ہی خیال نہیں، بلکہ بانی جماعت اسلامی کا بھی یہی نظریہ ہے۔

بانی جماعت اسلامی کی شہادت

بانی جماعت اسلامی جناب مودودی لکھتے ہیں:

"جس وقت یہ حضرات (سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی) جہاد کے لیے اٹھے ہیں۔ اس وقت یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی

نہیں، انگریزوں کی ہے اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالفت اگر ہو سکتی ہے تو انگریز کی ہو سکتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دور رس سے یہ پہلو ہی اوجھل رہ گیا۔ (تجدید واحیائے دین، اشاعت تیرھویں ص ۱۲۸)

جہاں تک سید صاحب اور ان کے رفقاء کی نام نہاد تحریک جہاد کا تعلق ہے، دراصل خالص وہابی سٹیٹ کی تخلیق وقیام کا بہانہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہوس ملک گیری اور امیر المومنین بننے کا ذوق تھا۔ اس تحریک کو عرب کی وہابی تحریک کا چربہ کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا ان حضرات نے سکھوں سے کم اور پٹھان مسلمانوں سے زیادہ جہاد فرمایا اور انگریزوں میں سے تو ان حضرات کی جنگ وجدل اور جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کرنے کے لیے کئی فتوے دیئے۔

سید احمد بریلوی کے انگریزوں سے تعلقات

"۱۲۳۱ء ہجری تک سید احمد بریلوی، امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک ناموری کا کام اس نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کروا دی۔ لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش ہوا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے بڑی مشکل سے امیر خاں کو شیشہ میں اتارا تھا۔"

(حیات طیبہ ص ۲۸۴ مصنفہ حیرت دہلوی)

قارئین کرام! خود فیصلہ فرمائیں کہ جو شخص انگریزوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان صلح کرانے کا کام سرانجام دے رہا ہو، وہ انگریزوں کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے اور اس کا انگریز کا دشمن ثابت کرنا تاریخ کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے۔

مجاہدین تحریک بالاکوٹ کی گزران انگریزی امداد پر

مولوی عبیداللہ سندھی دیوبندی کی یہ عینی شہادت بھی ملاحظہ فرمایئے:

ایک دفعہ میں سرحد پار بیز کے مقام پر گیا .... میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں کوئی کرن دکھائی دے، ادھر چل دیا، وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے۔ کسمپرسی کی حالت میں ہے اور اس کی گزران اور زندگی کس طرح صاحبزادہ خاں کی وساطت سے انگریزی حکومت کی مرہون منت ہے۔

(افادات وملفوظات عبیداللہ سندھی مصنفہ محمد سرور ص ۳۶۲)

سید احمد بریلوی کا انگریزوں سے جہاد کرنے سے روکنا

مشہور اہل حدیث عبدالرحیم صادق پوری الدرالمنشور ص ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:

"سید احمد صاحب کی برابر یہ روش رہی ہے کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادۂ جہاد کرتے تھے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے۔"

یہ عبارت بتاتی ہے کہ لوگ اس وقت انگریز سے آمادۂ جہاد تھے، لیکن سید صاحب اپنی محبوب اور امن پسند انگریزی حکومت سے لوگوں کا رخ موڑ کر سکھوں کی طرف کر رہے تھے تاکہ ان کو ہندوستان پر قبضے پر آسانی رہے، وہ لوگ جو سید صاحب کو انگریز دشمن ظاہر کرتے ہیں، وہ سید صاحب کے دشمن تو ہو سکتے ہیں، محب نہیں، کیونکہ سید صاحب انگریز دوست تھے اور یہ سید صاحب کو انگریز دشمن کی صورت دیتے ہیں۔ سید صاحب کے خلیفۂ دوم شاہ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

انگریزوں سے جہاد درست نہیں۔ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ

مولوی جعفر تھانیسری سوانح احمدی ص ۷۱ پر لکھتے ہیں:

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرمار ہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا صاحب سے فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریز سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا، اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں۔"

انگریزوں کے حملہ آور پر مسلمان کا لڑنا فرض ہے: اسماعیل دہلوی کا فتویٰ

مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ ص ۲۲۳ پر لکھتے ہیں:

"کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا۔ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح بھی واجب نہیں۔ ایک تو ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرہ بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ضرورت تھی اور لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کرے اسی لیے ایک دور بین آدمی نے یہ سوال اسماعیل دہلوی کو انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف توجہ دلانے کی غرض سے کیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے سائل کی اصلی غرض کو سمجھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ اگر کوئی انگریزی حکومت پر حملہ

کرے، تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے جنگ کریں۔

دیکھیے! انگریز سے کتنی محبت والفت ہے کہ تمام مسلمانوں پر انگریز کی اعانت و امداد فرض قرار دے رہے ہیں۔ ایسے انگریز دوست بزرگ پر جب چند لوگ انگریز دشمنی کا الزام عائد کرتے ہوں گے، تو ان کی روح کو بھی اذیت پہنچتی ہو گی۔

جناب شیخ محمد اکرام "موج کوثر" ص ۲۰ پر لکھتے ہیں:

"جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنے دور سکھوں سے جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو، انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں گھر گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو، یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے .... سید صاحب نے جواب دیا سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے، مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم وتعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔"

کتنا واضح سوال ہے اور کتنا واضح جواب ہے؟ اب بھی اگر سید صاحب کو کوئی انگریز دشمن کا طعنہ دے، تو اسے خلل دماغ ہی کہا جا سکتا ہے۔

سید احمد بریلوی کا انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا

مولوی منظور احمد نعمانی دیوبندی کی زیر ادارت لکھنؤ سے شائع ہونے والا "الفرقان" لکھتا ہے:

"مشہور یہی ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا، بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد کی۔"

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نعمانی صاحب زبان خلق کو نقارۂ خدا

سمجھنے میں تامل کر رہے ہیں؟ جبکہ مشہور بھی یہی ہے اور اصل واقعہ بھی یہی ہے۔

اگر اتنی واضح حقیقت کسی کی سمجھ میں نہ آئے، تو پھر ہم بارگاہ الٰہی میں اس کی صحت دماغ کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔

انگریزوں کے ساتھ جہاد مذہبی طور پر واجب نہیں

شاہ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ

سید احمد صاحب کے خلیفہ اسماعیل دہلوی کا بیان سنیے:

"مولوی اسماعیل صاحب نے یہ اعلان دے دیا تھا۔ سرکار انگریزی پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے، نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے، ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے ہیں"۔ (حیات طیبہ ص ۲۳۲، مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

سرکار انگریزی کا سکھوں کے زور کم کرنے کی خواہش

مولوی جعفر تھانیسری سید صاحب کی خدمات کا نقشہ کھینچتے ہوئے سوانح احمدی ص ۱۳۹ پر لکھتے ہیں:

"سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی، تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"

جعفر تھانیسری صاحب نے حقیقت بالکل آشکارا کر دی تھی کہ انگریز اس وقت سکھوں کا زور کم کرنا چاہتے تھے، اس لیے سید صاحب ان کے علاقہ میں سکھوں سے جہاد کے لیے رقم، اسلحہ اور آدمی آزادانہ طور پر جمع کرتے رہے۔ انگریز نے نہ روک نہ رکاوٹ ڈالی، بلکہ مالی امداد واعانت بھی کی اور جب یہ مجاہدین سکھوں سے جہاد کے لیے

سرحد گئے تو ان کی بیوی بچوں اور املاک کی پوری پوری حفاظت کی اور بعد میں ہندوستان سے جو مالی اور افرادی اعانت ہوتی رہی، اس میں بھی رخنہ اندازی نہیں کی۔ اگر سید صاحب سرحد میں جاکر انگریزی حکومت سے جہاد کا اعلان کرتے، تو انگریز مجاہدین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ ان کے رشتے داروں کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے اور جائیداد ضبط کر لیتے، لیکن ایسا نہ ادھر سے ہوا اور نہ ادھر سے کارروائی ہوئی۔

سید احمد بریلوی کو انگریزی حمایت کا حاصل ہونا

آخر میں مولانا محمد میاں دیوبندی کا نقطہ نظر بھی معلوم ہو، شاید قبول حق کی توفیق ہو:

"جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رنگروٹ بھرتی کیے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے، تو انگریزی حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا بلکہ انگریزوں نے اس کی حمایت کی"

(علماء ہند کا شاندار ماضی حصہ دوم ص ۲۴۱ مصنفہ مولانا محمد میاں)

انگریزوں کا سید احمد بریلوی کی جنگی ضروریات کو پورا کرنا

دیوبندی مکتبہ فکر کی اس سے بڑی شہادت ملاحظہ فرمایئے: جمعیت علماء ہند کے صدر اور دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کتاب "آب حیات" جلد دوم ص ۱۴ پر لکھتے ہیں۔

"جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔ کیا دیوبند کے شیخ الحدیث کا بیان جھوٹا ہے؟ کیا انہوں نے کتمان حق کیا ہے؟ یا حقیقت سے بے خبر تھے۔ حق چھپائے نہیں چھپتا۔ ایک روز ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ سید صاحب نے

عملداری کے تحت انگریزوں سے اپنے روابط اور تعلقات کو چھپانے کی کوشش کی، کا اظہار نہ ہو سکے۔ سید صاحب جہاں بھی گئے، انگریز دوستی کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔

انگریزوں کے جاسوس

محمد اسماعیل پانی پتی حاشیہ مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۲۵۱ پر لکھتے ہیں:

"جب حضرت سید شہید بہ عزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقہ میں داخل ہوئے جو اس وقت انگریزوں کی عملداری میں نہ تھے، تو ان کے متعلق عام طور پر شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بناء پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔

سید احمد بریلوی کے لیے انگریزی کھانا

"اتنے میں دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت سید احمد نے جواب دیا میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لیے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دیئے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت سید احمد قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا، تیار کرنے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا"۔

(سیرت سید احمد مصنفہ ابو الحسن ندوی حصہ اول ص ۱۹۰)

باب دوم

سید احمد بریلوی کی حکومت کے کارنامے

سید صاحب جب سرحد پہنچے، تو ابتداء میں سرحدی مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا اور کچھ علاقے پر ان کا قبضہ گیا اور سید صاحب کی حکومت قائم ہو گئی۔ اب سید صاحب کی حکومت کا نقشہ مؤرخین کی زبانی ملاحظہ فرمایئے

مرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ ص ۲۸۱ پر لکھتے ہیں:

"تمام ملک پشاور پر آفت چھارہی تھی۔ انتظام سلطنت ان مسجد کے ملاؤں کے ہاتھ میں تھا، جن کا جیش سوائے مسجد کے داد ورسن کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب ان کو حاکم امور سلطنت بنادیا گیا تھا"۔

جناب شیخ اکرام "موج کوثر" ص ۳۱ پر لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا، بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے۔

اب فاتحانہ تشدد کی مثال بھی ملاحظہ فرمائیں:

مولوی مظہر نے یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں، سب کے نکاح ہو جانے ضروری ہیں، ورنہ اگر کسی کے گھر میں بے نکاح رانڈ رہ گئی، تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی"۔

(حیات طیبہ ص ۲۸۲ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

یہ ہے فاتحانہ تشدد کا ادنیٰ مظاہرہ یہ معاملہ افہام تفہیم سے بھی ہو سکتا تھا۔ کیا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اگر ایک عورت نکاح ثانی نہیں کرنا چاہتی تو کیا آپ اس کے مکان کو آگ لگا دیں گے؟ کیا قرآن وحدیث میں ایسا کوئی حکم ہے؟ عیش ونشاط

کے دلدادہ اور عورتوں کے رسیا وہابی مجاہدین نے نکاح ثانی کی آڑ میں کیا کھیل کھیلے، اپنوں کی زبانی سنیئے:

سید احمد بریلوی کے نام نہاد غازیوں کا راہ چلتی دوشیزوں سے زبردستی نکاح

مرزا حیرت دہلوی "حیات طیبہ" ص ۲۸۰ پر لکھتے ہیں:

"سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر فائز فرمایا تھا کہ وہ شرح محمدی کے مطابق عمل درآمد کریں، مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جارہی ہیں۔ مجاہدین میں سے کسی شخص نے پکڑا اور مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھوالیا۔

تحریک بالاکوٹ کے نام نہاد مجاہدوں کا نوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح کرنا

یہی مرزا حیرت دہلوی "حیات طیبہ" ص ۲۸۱ پر رقمطراز ہیں:

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو، مگر مجاہد زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی حوالہ مجاہد کرتے اور ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔"

تحریک بالاکوٹ کے مجاہدین کی اکثریت کا برا ہونا

مجاہدین کیسے لوگ تھے؟ یہ سید صاحب کے جاں نثار کی زبانی سنیئے:

"مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے، برے بھی بھلے بھی، بلکہ ایک اندازہ کیا گیا ہے کہ برے زیادہ اور بھلے کم تھے"۔ (حیات طیبہ ص ۲۸۰ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

سید احمد بریلوی کا پہلا جہاد مسلمانوں سے کرنا

حکیم الامت علماء دیوبند کی شہادت

"سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔ سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا اور پیغام سنایا۔ اس نے جواب دیا سید صاحب سے کہہ دو کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے؟...... المختصر لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں نے ہزیمت پائی۔" (ارواح ثلاثہ ص ۱۷۳، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

علماء دیوبند کے گھر کی ایک اور شہادت

"مولوی عبدالحی دہلوی، مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے۔ یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا"۔

(تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۷۰ مصنفہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی)

وجہ قتل شہید لیلیٰ نجد

بعض لوگ احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کو شہید بالاکوٹ قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان لوگوں کا قتل کسی جہاد فی سبیل اللہ میں نہیں ہوا۔ "تاریخ ہزارہ" ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔

"جرگہ یوسف زئی کے پٹھان جو کہ سکھوں امقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے اور مولوی اسماعیل کے حامی ہو چکے تھے۔ ان کے خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ یہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی دیر سے کرتے تھے۔ مولوی اسماعیل نے خلیفہ سید احمد کو اس کی اطلاع دی، تو خلیفہ صاحب نے ان پٹھانوں پر شرعی حکومت کا زور دے کر بیس لڑکیاں اپنے پنجابی ہمراہیوں سے بیاہ لیں اور کچھ پٹھانوں کو راضی کر کے دو لڑکیوں سے خود نکاح کر لیا۔ اس معاملہ سے تمام یوسف زئی جرگہ میں مولوی اسماعیل اور سید احمد کے

متعلق نفرت پھیل گئی اور ان لوگوں نے سید احمد کی بیعت توڑ دی اور اپنی لڑکیاں واپس لینے کا مطالبہ کر دیا مولوی اسماعیل وغیرہ نے انکار کیا۔ پھر سید احمد اور مولوی اسماعیل نے ان پٹھانوں پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے ان سے جہاد کرنا فرض قرار دے دیا۔ ادھر پٹھانوں نے تنظیم قائم کر لی۔ ادھر مولوی اسماعیل پٹھانوں سے مقابلے کے لیے نکلا۔ ایک یوسف زئی پٹھان نے ایسی گولی چست کی کہ سب سے اول مولوی اسماعیل ہی کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد پنجابی بھاگ گئے اور پٹھان کامیاب ہو گئے"۔ (تاریخ ہزارہ)

سید احمد بریلوی کا انتظامیہ کے قتل کی وجہ جواں سال لڑکیوں سے زبردستی نکاح ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت" کی شہادت

مولانا عبید اللہ سندھی کے مطابق سید صاحب کی انتظامیہ کے کارکنوں کا مختلف دیہات میں ایک ہی رات میں موت کے گھاٹ اتارے جانے کا سبب اس علاقہ کی جواں سال بیوہ لڑکیوں کا مجاہدین سے زبردستی نکاح کرنا تھا۔ غلام رسول مہر نے جو سید صاحب کے بہت مداح ہیں، ان کی حکومت کی تنگ نظری اور تشدد کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ (روزنامہ "نوائے وقت" ملتان ۲۷/ نومبر ۱۹۷۸ء)

ازالۂ غلط فہمی

بعض متعصب لوگ تحریک بالاکوٹ کو برصغیر پاک وہند کی آزادی کی تحریکوں میں شامل کرتے ہیں اور اس تحریک کو جنگ آزادی کی بنیاد قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے بلکہ ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں پر تحریک بالاکوٹ کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس دور میں انگریز کے پیش نظر مسلمان اور سکھ دو بڑی طاقتیں تھیں، جن سے نبرد آزمائی جان جوکھم کا کھیل تھا۔ انگریز نے بڑی عیاری سے سید صاحب کے کام میں امداد کی تاکہ دونوں مقامی طاقتیں آپس میں ٹکرا کر ختم یا کمزور ہو

جائیں مسلمان سکھوں سے ٹکرانے کے بعد مذہبی اختلاف کی وجہ سے آپس میں الجھے اور ۱۸۳۱ء بالاکوٹ میں اپنا کام تمام کر لیا۔ اب انگریز کے سامنے صرف سکھ باقی رہ گئے تھے۔ ان سے سرحدی امن کا معاہدہ کیا اور بعد میں دوسرے معاہدے کے تحت پنجاب پر قبضہ کر لیا جو ڈیڑھ سو سال تک قائم رہا۔ سید صاحب کی تحریک سے انگریزوں کو فوری فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور سکھوں کی توجہ انگریز سے ہٹ کر ایک دوسرے پر لگ گئی اور انگریزوں کو پیر جمانے کا موقع مل گیا۔

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کی شہادت

"جناب خلیق احمد نظامی نے "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ" کے دیباچہ میں ص ۱۵ پر سر سید احمد خاں مرحوم کے یہ چند فقرے نقل کر کے اور ان کی تائید میں ہنٹر کے بے بنیاد الزامات کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف پیدا ہونے والی تحریکوں کے بانی دراصل حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید ہی تھے اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا، وہ ان دونوں حضرات کی تبلیغ کا نتیجہ تھا، مگر اس بیان کا حقیقت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل صاحب کی عملی زندگی سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے، چنانچہ ان حضرات کے انگریزوں سے جیسے تعلقات اچھے تھے، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔" (مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۳۱۸)

"سید صاحب اور شاہ صاحب نے جو کام نہیں کیا اور جس کے کرنے کا نہ کبھی اظہار کیا اس کو خواہ مخواہ ان کے ذمے لگانا تاریخ کے ساتھ ظلم کرنا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد ہر مذہبی جماعت اپنے اکابر کو انگریز دشمن ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ یہی جذبہ شاہ صاحب اور سید صاحب کو انگریز دشمن ثابت کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے۔" (مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۳۱۹)

اہم سوال

قارئین کرام! آپ اب سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہو چکے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرے۔ بے شک تاریخی حقائق سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ سید احمد بریلوی کی اس تحریک کا آزادی کی تحریکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور ان کی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان میں انگریزوں کے قدم پہلے سے زیادہ جم گئے، لیکن آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ سید احمد بریلوی کو مجاہد فی سبیل اللہ اور ان کی تحریک کو تحریک جہاد کیوں سمجھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب ہمارے ارباب قلم کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے؟

ہمارے ارباب قلم صرف اور صرف سید احمد بریلوی سے فکری اتحاد کی وجہ سے تحریک بالاکوٹ کو تحریک جہاد کا نام دیتے رہے۔ غلام رسول مہر مورخ ہونے کے ساتھ سید احمد بریلوی سے فرط عقیدت کے جذبات بھی رکھتے ہیں۔ اس عقیدت کو حال رکھنے کے لیے محض قیاس اور دروغ نویسی سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ غلام رسول مہر "افادات مہر" ص ۲۳۱ پر خود رقم طراز ہیں:

"میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ بعض سابقہ روایات اور توجیہات کے مطابق نہ ہوں۔"

مہر صاحب نے سب سے پہلے سید احمد بریلوی کا تاریخی پھر شرعی مجسمہ تیار کر کے نئی پود کے سامنے رکھا اور اس کا تصور دل و دماغ میں بسانے کے لیے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے کورس میں شامل کرا دیا جس کے نتیجہ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات سید احمد بریلوی، کو مجاہد فی سبیل اللہ کا خطاب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سید صاحب کے سارے سوانح نگاروں میں مہر صاحب ہی ایسے ہیں جنھوں نے یہ نکتہ اٹھایا کہ وہ انگریزوں سے لڑنا چاہتے تھے، سکھ تو ویسے ہی آ گئے۔

باب سوم

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء دیوبند کا کردار

اکابر علماء دیوبند نے جنگ آزادی میں بھی اپنی سابقہ روایات پر عمل کرتے ہوئے ملک وملت سے غداری اور انگریز دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اکابر علماء دیوبند نے جنگ آزادی میں کیسے ثبوت دیا، اس کا اندازہ آئندہ کے چند حوالوں سے بخوبی ہو جائے گا۔ ہوا یوں کہ کسی مخبر نے ذاتی دشمنی کی بناء پر مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کے باغی ہونے کی مخبری کر دی۔ اس سے آگے علماء دیوبند کے سرکردہ آدمی مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبانی سینئے:

مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی کا اپنی مہربان سرکار (انگریزی) کا دلی خیر خواہ ہونا

"یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے، مگر دشمن کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی اور مفسد و سرکاری خطاکار ٹھہرا رکھا تھا، اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی، مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی اور اس لیے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات (مولوی رشید احمد گنگوہی، محمد قاسم نانوتوی) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے" (تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۷۷ مصنفہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی)

اس سے آگے مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

"آپ کوہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں، تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا، تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"۔

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۸۰)

اکابرین دیوبند کا انگریز کے باغیوں سے لڑنا

حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار (انگلشیہ) کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے اور ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار انگلشیہ پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گیا .... چنانچہ آپ پر فائرنگ ہوئی اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید ہو گئے

(تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۷۴ مصنفہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی)

مذکورہ بالا حوالہ جات کے بعد عقل سلیم رکھنے والے شخص سے جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار چھپا ہوا نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ انگریز کے سچے اور پکے وفادار بلکہ جاں نثار تھے اور علماء دیوبند کے پیر و مرشد انگریز کا حق نمک ادا کرتے کرتے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

محمد میاں ناظم جمعیت علماء ہند کا کھلا اعتراف

دوسری تنظیم جو اس تحریک کے زمانے میں موجود تھی، وہ تنظیم ہے جس کو وہابی تحریک کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، جس کا مرکز صادق پور تھا۔ یہ تنظیم بحیثیت تنظیم تحریک سے الگ رہی، بلکہ اگر مولانا عبدالرحیم صاحب مصنف "الدرالمنشور" کا قول صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو یہ تنظیم ۱۸۵۷ء کی تحریک کے مخالف رہی۔"

(علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم، ص ۲۱۳)

قارئین کرام! وہابیوں دیوبندیوں کا اپنا آدمی واضح الفاظ میں اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ وہابی حضرات کی اکثریت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مخالف رہی۔

تحریک پاکستان اور علماء دیوبند

علماء دیوبند مجموعی طور پر تحریک پاکستان کے مخالف اور گاندھی کی سیاست کے پیروکار رہے ہیں۔ مولوی حسین احمد مدنی، مولوی محمود الحسن، ابوالکلام آزاد، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولوی کفایت اللہ، مولوی احمد سعید وغیرہ نے جس شدومد سے تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور کانگریسی نقطہ نظر کی حمایت کی، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مسلم لیگ کی طرف جب ان لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آپ بھی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ مل جل کر آزادی وطن کی کوشش کی جائے، تو علماء دیوبند نے اتنی زیادہ رقم کا مطالبہ کیا کہ جس کے ادا کرنے سے مسلم لیگ قاصر تھی۔

ادارہ دیوبند کا مسلم لیگ کی حمایت کے لیے پچاس ہزار روپے طلب کرنا

خواجہ رضی حیدر (کراچی) "قائداعظم کے ۷۲ سال" میں لکھتے ہیں:

"ان اجلاسوں (۱۹۳۶ء) سے مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات مسلم لیگ کے لیے پیش کر دے گا۔ بشرطیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لیے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی، جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لیے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لیے صرف قومی جذبے کے پیش نظر کام کیا جائے۔"

مرزا ابوالحسن اصفہانی کی شہادت

مرزا اصفہانی "قائداعظم میری نظر میں" لکھتے ہیں:

"ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلنے لگے اور کانگریس پارٹی کے لیے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔"

علماء دیوبند کی اکثریت کا مسلم لیگ و قائداعظم کو گالیاں دینا

وقار انبالوی کی شہادت

"نوائے وقت" کے کالم نگار اور شاعر وقار انبالوی لکھتے ہیں

"علماء دیوبند کی اکثریت بایں غالب اکثریت حضرت قائداعظمؒ سے سوء ظن تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے سوا سبھی مخالفت کا اظہار کرتے رہے...... سبھی مسلم لیگ اور قائداعظم کا نام لے کر ایسی جلی کٹی سناتے جو کسی غیر مسلم کے منہ میں بھی زیب نہ دیتی۔ مثال کے طور پر قائداعظم کو انہی بزرگوں نے کافر اعظم کہا۔"

(روزنامہ نوائے وقت ۱۹ر جنوری ۱۹۷۹ء)

تحریک پاکستان میں ابوالکلام آزاد کا کردار

"مولانا ابوالکلام نے تحریک پاکستان میں کانگریس کا ساتھ دیا اور انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ ۱۹۳۱ء میں جب مولانا آزاد کی تفسیر چھپ کر آئی، تو اس وقت تک وہ پکے قوم پرست بن چکے تھے۔ انہوں نے یہ تفسیر بھی گاندھی کی پالیسیوں اور کانگریسی نظریات کو قرآن کے مطابق ثابت کرنے کے لیے لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ متعصب ہندو (جسے قرآن کی تفسیر سے کوئی غرض نہیں ہو سکتی) گاندھی نے اس تفسیر کے بعض حصوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ اس حقیقت کو خود گاندھی کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۳۱ء میں ایک تقریر کے دوران کہا:

"مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایک ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و سعادت کو اپنے پیروں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے ہی اندر بتائے، لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے، تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے، لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام شائع کروایا ہے۔ (مسلم انڈیا از اکاش برنی مطبوعہ سٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ص ۱۳۵)

ابوالکلام آزاد ادیب و صحافی ہونے کے ساتھ مفسر قرآن بھی تھے، لیکن کانگریس پر اسے عاشق ہوئے کہ ان کی تفسیر بھی "گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ" ہو کر رہ گئی، بقول اکبر الہ آبادی مرحوم۔

یہ کانگریسی ملاں میں تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بھی غالباً اسی پس منظر میں کتنے درد سے فرمایا۔

"احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

تحریک پاکستان کے ایک مخلص کارکن مولانا ظفر علی خاں، ابوالکلام کے متعلق فرماتے ہیں

جہاں اسلام کا نام آئے، تو خاموش رہتا ہے
قسم ہے مجھ کو اے آزاد تیری بوالکلامی کی

تحریک پاکستان میں حسین احمد مدنی دیوبندی کا کردار

مولوی حسین احمد مدنی نے کہا "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یعنی ایک وطن میں رہنے والے خواہ وہ مسلمان یا ہندو اور سکھ، ایک ہی قوم ہیں۔ علامہ اقبال علیہ

الرحمہ نے اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا اور اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — حسین احمد ز دیوبند اینچہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

مولوی حسین احمد مدنی کے متعلق مولانا ظفر علی خاں چمنستان ص ۱۷۷ پر فرماتے ہیں۔

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر

قارئین کرام! مسلم لیگ کے متعلق مولانا حسین احمد مدنی کے ارشادات عالیہ سن لیں تاکہ ان کی کانگریس نوازی آپ پر بھی واضح ہو جائے۔

"لیگ ایک طرف زور و شور سے علماء کے اقتدار کو مٹانے کے لیے بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔ علی الاعلان مجامع میں آواز کس رہی ہے۔ مشرقی اور اس کی جماعت "مولوی کے ایمان" کے نام سے اہل دین سے انتہائی نفرت پھیلا رہی ہے۔ مودودی صاحب اور ان کے ہم نوا کس زور سے حملے کر رہے ہیں۔ قادیانی ایک طرف زہریلی گیس پھیلا رہے ہیں۔" (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۰۹ طبع دیوبند)

"ان کے نکل جانے کی وجہ سے لیگ میں جان باقی نہیں رہی تھی۔ موجودہ عناصر کا بڑا حصہ تقریباً امن سبھا کا ممبر اور گورنمنٹ کا کلمہ پڑھنے والا تھا۔ ہم نے اسی بناء پر کبھی لیگ کا رخ نہیں کیا۔" (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۱۳ طبع دیوبند)

مولوی حسین احمد مدنی کہتے ہیں

"انگریز کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اسی اصول پر عمل
برآمد کے ذریعے اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور آج تک کیے ہوئے ہے۔ اسی اصول کی
بنیاد پر اس نے کانگریس کے مقابلے میں ۱۹۰۶ء میں لیگ اور مہا سبھا کی بنیاد ڈالی۔"

(ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۷۶)

قارئین دیکھئے! مولوی حسین احمد مدنی کیسے عجیب و غریب انکشافات فرما
رہے ہیں اور ان کے نزدیک مسلم لیگ ساختہ انگلینڈ تھی۔ آگے لکھتے ہیں

"کیا لیگ کو ہائی کمان اور اعلیٰ عہدیداروں کو اسلام اور مذہب سے قریب کا تو
درکنار، دور کا بھی واسطہ رہا ہے یا اب موجود ہے۔ کیا لیگ کے زعماء میں کلیت یا اکثریت
مخلص غیور لوگوں کی ہے یا خود غرضوں اور جاہ پرستوں کی وزارت اور عہدوں کے
بھوکوں کی۔" (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۷۷ طبع دیوبند)

مولوی حسین احمد مدنی کے نزدیک مسلم لیگ بے دینوں اور بے غیرتوں کی
جماعت تھی، اس لیے تو انہوں نے مہاتماؤں اور پنڈتوں، دوسرے لفظوں میں بے طمع
، نیک، متقی لوگوں کی جماعت کانگریس میں شمولیت فرمائی تھی۔

علماء دیوبند کے پیشواؤں نے قائداعظم کے ناموس پر بڑے ظالمانہ انداز میں
یلغار کی ہے۔ اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے دل درد میں ڈوب جاتا ہے۔ قلم لہو اگلنے لگتا
ہے، مگر کیا کریں ان کی دریدہ دہنی نے ہم سے وہ بھی لکھوایا، جو ہم لکھنا نہیں چاہتے تھے:

"جو امور ڈاکٹر خان، عبدالغفار خاں، یونس خان کے جناب نے ذکر فرمائے
ہیں، یقیناً موجب صد ہزار افسوس ہیں، مگر ذرا ادھر بھی تو نظر دوڑایئے خود قائداعظم
نے سول میرج پر ۱۹۱۷ء میں یا اس کے قریب اپنا نکاح ایک پارسی لڑکی سے کیا۔ پھر ان
کی بیٹی نے ۱۹۳۷ء میں سول میرج پر ایک عیسائی کے ساتھ اپنا نکاح بمبئی میں ایک

گرجا میں کیا اور نکاح سے قبل پونہ میں چھ ماہ یا اس سے زائد بغیر نکاح کے ایک ہوٹل میں
دونوں مجتمع ہو کر کورٹ شپ کرتے رہے"۔ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۲۲)

قارئین کرام! مولوی حسین احمد مدنی بلبائے قوم حضرت قائداعظم پر ایک
بہتان باندھا ہے، کیونکہ قائداعظم نے رتن بائی کو پہلے مسلمان کیا اور اس کے بعد اس سے
نکاح کیا۔ چنانچہ یہ بات "سول اینڈ ملٹری گزٹ" مؤرخہ ۲۱/اپریل ۱۹۱۸ء میں موجود ہے۔

"صدر دیوبند مولوی حسین احمد مدنی کانگریسی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے
قائداعظم کو کافر اعظم قرار دیا اور مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا"۔
(مکالمۃ الصدرین مصدقہ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

تحریک پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کا کردار

جمعیت علماء ہند کا وفد مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس محض اس لیے آیا تھا کہ
آپ مسلم لیگ کی حمایت کیوں کر رہے ہیں، جبکہ باقی سب دیوبندی تو کانگریس کے
ساتھ ہیں، تو ان سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی نے شکوہ کے طور پر کہا:

"دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون
ہمارے متعلق چسپاں کیے، جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔
میرے قتل تک کے حلف اٹھائے گئے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازے
میں پھینکے گئے کہ اگر ہماری ماؤں بہنوں کی نظر پڑ جائے، تو ہماری آنکھیں شرم سے
جھک جائیں۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۳۳ مصنفہ مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی)

دارالعلوم دیوبند کی موجودہ انتظامیہ نے کانگریس کے ساتھ اپنے پرانے
مراسم کی یاد پھر تازہ کر دی ہے کہ جشن صد سالہ دیوبند کی صدارت اندرا گاندھی سے
کروائی اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہندوؤں نے بھی اپنے پرانے مراسم کا خوب بھرم

رکھا ہے کہ نجے گاندھی نے جشن دیوبند کے شرکاء کو تین روز تک کھانا دیا جو پلاسٹک کے لفافوں میں بند تھا۔ (کتنے شرم کی بات ہے کہ ہندو عورت کی صدارت کرائی جائے اور ان کا کھانا کھایا جائے) (روزنامہ امروز ۱۹ اپریل ۱۹۸۰ء)

مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی دیوبندی

"مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی میرٹھ میں ایک دفعہ اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیس کر کہنے لگے: "دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت اور ظفر (مولانا ظفر علی خاں) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں"۔

(چمنستان ص ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خاں)

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری

عطاء اللہ شاہ بخاری بھی کانگریسی تھے اور انہوں نے مکمل طور پر تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور وہ ہندو دوستی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ۔

"دیناج پور جیل میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنا نام پنڈت کرپارام برہمچاری رکھ لیا تھا۔" (کتاب عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۷۳)

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے، وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں۔" (چمنستان ص ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خاں)

"عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں کہا کہ پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے۔ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۸۸۳)

مولانا ظفر علی خاں نے امیر الاحرار عطاء اللہ شاہ بخاری کی یوں دھجیاں اڑائی ہیں۔

ہندوؤں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
پانچ ککوں کا ہے پابند شریعت کا امیر
اس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے ہے
آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
سب یہ ذلت اسی طبقہ غدار سے ہے

(چمنستان ص ۴)

احرار کا جنازہ

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار — اسلام اور ایمان، احسان سے بیزار
ناموس پیغمبر کے نگہبان سے بیزار — کافر سے حوالات، مسلمان سے بیزار
اسی پر ہے دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار — احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار
پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

جا کے کہے ان سے کوئی اللہ کا بندہ — جب دین کی حرمت کا گلے میں نہیں پھندا
اور شرع کی تذلیل ہے احرار کا دھندا — پھر کیوں ہیں مسلمانوں سے چندے کے طلبگار
پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

سوجھی ہے شہداء پر انہیں مردار کی پھبتی — سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی
توحید کے بیٹو! یہ ہے احرار کی پھبتی — گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار
پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

اللہ کے گھر کوئی ڈھادے تو یہ خوش ہیں — مسجد کے نشاں کوئی مٹادے تو یہ خوش ہیں
مسلم کا کوئی خون بہادے، تو یہ خوش ہیں — لاہور میں آثار قیامت ہیں نمودار
پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

ایک دفعہ مسلم لیگ اور کانگریس کے سٹیج قریب قریب لگے ہوئے تھے اور کانگریس کے سٹیج پر عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کر رہے تھے اور مسلم لیگ سٹیج پر حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی تقریر کر رہے تھے۔ لوگ عطاء اللہ شاہ بخاری کے سٹیج کو چھوڑ کر مسلم لیگ کے سٹیج کی طرف آنے لگے، تو اس موقع پر مسلم لیگ سٹیج پر مولانا ظفر علی خاں موجود تھے۔ آپ نے وہاں ایک رباعی کہی۔

ہوں آج سے مرید میں عبدالغفور کا — چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
ہند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ — سو اس سے کیا مقابلہ ہو اس بے شعور کا

تحریک پاکستان میں جمعیت علماء ہند کا کردار

جمعیت علماء ہند اگرچہ بڑے بڑے بالغ نظر لوگوں پر مشتمل تھی لیکن سیاسیات میں وہ آخر دم تک حتیٰ کہ انتقال اقتدار اور تقسیم اقتدار جیسے اہم اور نازک مسائل میں بھی اس کی آواز ہندو کے نعرۂ مستانہ کی صدائے بازگشت ثابت ہوئی۔

اس نے بھی ہندو کی دلداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ لاہور کی شاہی مسجد رام بھج دت چودھری اور دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند اس دلداری کی وجہ سے منبر امامت پر جا براجے تھے۔ اگرچہ اس مقام و منصب کے وہ نہ تو کسی طرح اہل تھے نہ حقدار"۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۷/ جولائی ۱۹۷۸ء)

علماء دیوبند کی مسلم لیگ کی مخالفت کے متعلق چودھری حبیب احمد کی شہادت

مولوی حبیب الرحمٰن اور عطاء اللہ شاہ بخاری نے قائد اعظم کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزیدیوں سے تشبیہ دی" (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء ص ۸۸۳)

مشہور مؤرخ جناب رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں "جمعیت العلماء اور خاکسار اور دیگر جماعتوں نے مسلم لیگ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا تھا۔ دیوبند کے طلباء کی جماعت مولانا حسین احمد مدنی کی سربراہی میں شہر شہر اور قریہ قریہ گشت کر رہی تھی، جہاں موقع ملتا مولانا آزاد بھی وہاں پرواز کر کے پہنچ جاتے۔ غرض تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ ان کا کوئی عظیم الشان جلسہ ایسا نہ ہوا جس میں مسلم لیگ اور قائد اعظم کو ایک ایک منہ سو سو گالیاں نہ دی گئی ہوں۔" (آزادی ہند ص ۱۶۷)

مفتی محمود اور ان کے لڑکے فضل الرحمٰن کا کھلا اعتراف

قارئین کرام! آجکل علماء دیوبند کی ذریت اس بات پر مصر ہے کہ تحریک پاکستان میں ان کے اکابرین نے بڑا کام کیا تھا اور پاکستان انہی کے اکابرین کی کوششوں کے نتیجے میں بنا۔ مفتی محمود اور ان کے لڑکے فضل الرحمٰن نے کھلے انداز میں تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے کا اعتراف کر کے علماء دیوبند پر تحریک پاکستان کی حمایت کا الزام لگانے والوں کا منہ بند کر دیا ہے روزنامہ نوائے وقت ۱۷ جولائی ۱۹۸۵ء لکھتا ہے۔

"جمعیت العلماء اسلام کے ایک گروپ کے لیڈر مولانا مفتی محمود کے فرزند دلبند مولانا فضل الرحمٰن اطال اللہ عمرہ نے ملتان میں قومی کونسل برائے شہری آزادی کے کونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تاریخ میں دو دفعہ اسلام کے نام پر دھوکہ کیا گیا ہے۔ پہلی بار تو تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر برطانوی ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا اور آج پھر اسلام کے نام پر دھوکہ دیا جارہا ہے اور پرانی روایت دہرائی جارہی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کے والد نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ الحمد للہ ہم پاکستان بنانے کی غلطی میں شامل نہیں تھے"۔ اس کے علاوہ ترجمان اسلام ۱۷ جون ۱۹۶۶ء کے اداریے میں مفتی محمود کا قول موجود ہے۔ "ہم تحریک پاکستان کے حق میں نہ تھے"۔

باب پنجم

علماء دیوبند اور انگریزوں کی مالی امداد

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا انگریزوں سے تنخواہ پانا

دیوبندی شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی جمعیت علماء ہند کے وفد کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"دیکھیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا"۔ (مکالمۃ الصدرین ص ۱۶ مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی و مصدقہ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

مولوی اشرف علی تھانوی کا اپنا بیان

"ایک شخص نے مجھ (اشرف علی تھانوی) سے دریافت کیا تھا کہ اگر تمہاری حکومت ہو جائے، تو انگریزوں سے کیا برتاؤ کرو گے، میں نے کہا محکوم بنا کر رکھیں گے، کیونکہ جب خدا نے حکومت دی ہے، تو محکوم بنا کر ہی رکھیں گے، مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا، اس کے لیے کہ انہوں نے ہمیں بہت آرام پہنچایا ہے"۔ (الافاضات الیومیہ حصہ چہارم ص ۶۹۷)

تبلیغی جماعت اور انگریزی وظیفہ

"مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداء حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۱۳، مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی)

مدرسہ دیوبند کا کردار

۳۱ / جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ (دیوبند) کو دیکھا، تو اس نے، نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا، اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں:

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپوں کے صرف سے ہوتا ہے۔ وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے، وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں، بلکہ موافق سرکار و معاون سرکار ہے۔" (کتاب مولانا احسن نانوتوی دیوبندی ص ۲۱۷)

علماء دیوبند کے گھر کی ایک اور شہادت

مدرسہ دیوبند کے کارکنوں اور مدرسین کی اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی، جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے، جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی"۔ (سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۴۷)

جمعیت علماء اسلام کو انگریزی امداد

جمعیت علماء ہند کا جو وفد مولوی شبیر احمد عثمانی کے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ انہیں بھی کانگریس میں شامل کیا جائے۔ اس کے رکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

سیوہاروی ناظم جمعیت علماء ہند کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔

"کلکتہ میں جمعیت العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی تھی۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیت علماء ہند کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ (برطانیہ) ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے، چنانچہ ایک بیش بہا رقم منظور کرلی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالے بھی کردی گئی اس انگریزی روپیہ سے کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کا کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب نے کہا کہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں، تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں"۔ (مکالمۃ الصدرین، مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی ومصدقہ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

اکابرین دیوبند کا کانگریس سے روپیہ لینا

ہفت روزہ چٹان جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۱۶، اپریل ۱۹۵۱ء زیر عنوان "بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل" قسط نمبر ۱۰ کے اقتباسات میں سے ایک ملاحظہ ہو۔ ان اقتباسات میں ایڈیٹر "چٹان" جناب شورش کاشمیری نے اس روپیہ کا ذکر کیا ہے جو احراری لیڈر، یونانسٹ حکومت اور کانگریس سے حاصل کرتے رہے۔

"جہاں تک کانگریس کے روپے کا تعلق ہے، وہ تو خود مولانا حبیب الرحمٰن کے علم میں ہے، بلکہ پچاس ہزار روپے قسط دلوانے کے حصہ دار آپ تھے۔ رہا یونینسٹ پارٹی کے روپے کا سوال تو میرا مخبر تمام کاغذات شاہ جی یا مولانا غلام غوث ہزاروی کو دکھانے کے لیے تیار ہے۔ ان کے سواوہ کسی کو بھی کاغذ دکھانے کے حق میں نہیں۔ وہ سب کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہے۔ وہ ایک سرکاری ملازم ہے، میں اس کا نام بتانے کو تیار نہیں، البتہ شاہ جی اور مولانا غلام غوث ہزاروی چاہیں تو وہ ان سے ملنے کو تیار ہے۔

باب ششم

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی پر الزام کی حقیقت

موجودہ دور کے دیوبندی حضرات اپنے اکابر کی انگریز دوستی اور انگریزوں سے امداد لینے پر پردہ ڈالنے کے لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے دارالسلام ہونے کا فتویٰ دیا، اس لیے وہ انگریز کے ایجنٹ ٹھہرے۔

قارئین کرام! یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے اور اکثر فقہاء اسی طرف گئے ہیں کہ ہندوستان دارالسلام ہے، چنانچہ اکابرین دیوبند بھی اسی طرف گئے ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی

"ہندوستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے...... اور نہ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر دارالحرب ہے۔" (تحذیر الاخوان ص ۸ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

"ترجیح ہندوستان کے دارالسلام ہونے کو دی جائے گی...... اس صورت میں بھی ہندوستان دارالسلام ہوگا"۔ (تحذیر الاخوان ص ۹)

(امام اعظم ابو حنیفہ) نے جو دارالحرب کی تعریف کی ہے، اس کا ہندوستان پر صادق آنا محل نظر ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے پاس دارالحرب ہونے کی یہ شرط ہے کہ کوئی حکم مسلمانوں کا باقی نہ رہے اور یہاں (ہندوستان) میں بہت سے احکام مسلمانوں کے جاری ہیں۔ (تحذیر الاخوان ص ۲۰، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

"ہندوستان کو بہت سے علماء نے دارالسلام کہا ہے"۔ (تحذیر الاخوان ص ۵۵)

مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ

سوال : "ہندوستان دار الحرب ہے یا دار السلام ہے، مدلل ارقام فرمائیں؟"

جواب "دار الحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علماء حال میں ہے اکثر دار السلام کہتے ہیں اور بعض دار الحرب کہتے ہیں، بندہ فیصلہ نہیں کرتا"۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۷ جلد اول مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

"ہمارے دار السلام کے اس ملک میں غیر اسلامی حکمرانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔" (سوانح قاسمی جلد اول ص ۱۴۲ مصنفہ مولوی مناظر احسن گیلانی دیوبندی)

(نوٹ) سوانح قاسمی، مولوی محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات ہے جو مولوی مناظر احسن گیلانی مؤلفہ ہے۔ صدر مدرسہ دیوبند مولوی حسین احمد مدنی کی مصدقہ ہے اور قاری محمد طیب کے ایماء پر چھپی ہے۔

مولوی عبد الحی لکھنوی دیوبندی کا فتویٰ

مخفی نماند کہ بلاد ہند کہ در قبضہ نصاری اند دار السلام ہستند چہ اگر چہ دراں ہا احکام کفر جاری اند مع ہذا احکام اسلام ہم خصوصاً اصول وارکان اسلام جاری اند"۔

(مجموعہ فتاوی عبد الحی جلد اول)

مولوی محمود الحسن دیوبندی کا فتویٰ

مولوی حسین احمد مدنی کانگریسی صدر مدرسہ دیوبند "سفر نامہ شیخ الہند" میں لکھتے ہیں:

"ایک شخص نے مولوی محمود الحسن دیوبندی سے پوچھا کہ ہندوستان

دار الحرب ہے یا دار السلام؟" مولانا محمود الحسن نے فرمایا: "علماء نے آپس میں اس میں اختلاف کیا ہے، اس نے کہا: آپ کی رائے کیا ہے؟" مولانا نے کہا: "میرے نزدیک دونوں ٹھیک ہیں"۔ (سفر نامہ شیخ الہند ص ۱۶۶)

قارئین کرام! مقام غور ہے کہ اگر مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی حسین احمد مدنی یہ سب کے سب ہندوستان کو دار السلام کہہ دیں تو دیوبندی حضرات ان پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ اگر یہی بات امام احمد رضا بریلوی کہہ دیں، تو وہ انگریز کے ایجنٹ ہو جائیں، کتنی الٹی سمجھ ہے؟

اعلیٰ حضرت بریلوی کے فتویٰ کا سیاسی پہلو

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کا ہندوستان کو دار السلام قرار دینا علمی و تحقیقی لحاظ سے صحیح و صواب ہونے کے علاوہ سیاسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی بہتری کا ضامن تھا اور ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے والے بعض دیوبندی علماء کا نظریہ مسلمانوں کی تباہی وانگریز کی تقویت کا باعث تھا۔

ماہنامہ فاران، کراچی، مئی ۱۹۶۵ء مدیر ماہر القادری دیوبندی، رقمطراز ہے:

"انگریز کے دور میں ہندوستان کے بعض علماء جن میں علماء دیوبند کے نام سر فہرست ہیں، ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا کہ یہاں کے مسلمان ہجرت کر کے کسی دار السلام میں چلے جائیں۔ اس فتویٰ کے جو پریشان کن نتائج بر آمد ہوئے، اس کا حال جناب ظفر حسن ایم۔ اے سے سنیے: جو اپنی دیانتداری فکر، عمل اور انگریزوں کے خلاف عملاً باغیانہ جدوجہد میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

ظفر حسن ایم اے لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور وہ ہندوستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر ہوئے۔ اگر کسی نے فائدہ اٹھایا تو وہ انگریز تھے۔'' (ماہنامہ فاران، کراچی، مئی ۱۹۶۵ء)

قارئین کرام! ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے علماء نے عوام کو تو ہندوستان سے ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا اور ان کی باتوں میں آکر سادہ لوح عوام میں سے بعض نے ہجرت بھی کی، لیکن فتویٰ دینے والے علماء سے کسی ایک نے بھی ہجرت نہ کی۔

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں علماء اہل سنت اور علماء دیوبند کا کردار

تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم واستبداد کے خلاف تحریک خلافت شروع ہوئی اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف ایک شورش برپا ہو گئی۔ ممکن ہے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اور مسلمانوں کے فطری جذبائیت اور تحریک خلافت کی کامیابی کے آثار دیکھ کر مسٹر گاندھی نے کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کیا ہو۔

چنانچہ اس متحدہ مشترکہ مقصد کی وجہ سے یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں، بلکہ ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں اور ایک دوسری صورت پیدا ہو گئی، یعنی انگریزوں کے خلاف ''ہندو مسلم اتحاد'' اس اتحاد نے مسئلے کو شرعی حیثیت سے زیادہ نازک بنادیا، کیونکہ ایک طرف انگریزوں سے معاملت کو بھی ناجائز و حرام قرار دے دیا گیا اور دوسری جانب سے کفار و مشرکین سے معاملت تو معاملت، موالات اور دوستی قائم کر لی گئی۔

لیڈر حضرات جو اس اتحاد پر زور دیتے تھے، ان کی آواز پر تو مسلمانوں نے زیادہ کان نہ دھرے، بلکہ اس سازش کی جڑیں اس وقت زیادہ مضبوط ہو گئیں۔ جب بہت سے علماء اس نظریہ کے قائل بلکہ مبلغ بن کر گاندھی کو اپنا امام بنا بیٹھے۔ گاندھی کو مسجدوں میں لے جایا گیا، حتیٰ کہ اس کو منبر رسول پر بٹھا کر منبر رسول کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ کانگرسی مولوی اسے اپنے دینی مدارس میں لے گئے اور ''گاندھی جی کی جے'' کے نعرے بھی لگاتے رہے۔ کانگریسی مولویوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ختم نبوت نہ ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ کوئی کہتا ''زبانی جے'' پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر لو گے تو خدا راضی ہو گا۔ کسی نے یوں اظہار عقیدت کیا کہ ان (گاندھی) کو اپنا راہنما بنا لیا ہے، جو وہ کہتے ہیں۔ وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت
رفتی دنثار بت پرستے کر دی

کسی نے مستانہ وار نعرہ یہ لگایا میں اپنے لیے بعد رسول اللہ ﷺ گاندھی جی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں۔

خان عبدالوحید خاں مسلمانوں کا ایثار جنگ آزادی'' ص ۱۴۲ پر لکھتے ہیں:

''جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند کی تقریریں کرائی گئیں۔ ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا۔ گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاویٰ اونٹوں کی پشت پر تقسیم کیے گئے۔ اسی دوران ہندوؤں نے بعض کانگریسی علماء سے یہ فتویٰ حاصل کر لیا کہ

ہندوؤں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے گائے کی قربانی نہ کی جائے۔"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے "انفس الفکر فی قربان البقر" لکھ کر ہندوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے فرمایا: گائے کی قربانی شعار اسلام ہے اور یہ ہمارا حق ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ شعار اسلام پر پابندی لگائے۔

"الافاضات یومیہ" جلد ششم ص ۲۵۵ میں مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"جس وقت مولانا محمود الحسن کا موٹر چلا، تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا، اس کے بعد گاندھی جی کی "جے" کے نعرے بلند ہوئے۔ چنانچہ ایسے نازک حالات میں بعض علماء کرام نے تحریک خلافت اور تحریک موالات کے اس اتحاد کے خلاف فتوے دیئے اور بروقت انتباہ فرمایا جس کو بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات نے انگریز دوستی پر محمول کیا، مگر جو سیاسیات ہند اور علوم شرعیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ مخالفت دین اسلام اور خود مسلمانوں کی حفاظت وعظمت کے لیے ناگزیر تھی۔

ترک موالات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمان محکوموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی، مگر ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا، حث اس سے تھی اور اسی بناء پر اس کی شدید مخالفث کی گئی۔ جن علماء نے مخالفت کی، ان میں سر فہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نامی آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک کسی سیاسی جماعت کی حمایت جزو ایمان نہیں، بلکہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے، اس لیے تردید و مخالفت میں آپ نے اپنے بیگانے کسی کی رعایت نہیں کی۔

اس دور سے پہلے بھی ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ہوئیں: اسلام کو ہندومت میں مدغم کرنے کی تحریک کا منحوس سہرا مغل بادشاہ اکبر کے سر ہے۔ اکبر کا دین الٰہی

اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس سے پہلے کبیر اور گرو نانک وغیرہ نے بھی اسی قسم کی کوششیں کی تھیں جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئیں۔ بہر کیف اکبر کے اس انداز فکر نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک زبردست المیہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اکبر بادشاہ کے اس قومی نظریہ کی سختی سے مخالفت فرمائی، چنانچہ آپ کی زبردست کوشش سے دور اکبری کا یہ عظیم فتنہ خاک میں مل گیا۔ اسی لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان!
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ہندوستان کی سرزمین میں جب اکبری دور کی فتنہ سامانیوں کی تجدید ہونے لگی، تو شیخ احمد سرہندی کی طرح جس مرد حق آگاہ نے اس ناپاک منصوبے کے خلاف علم جہاد بلند کیا، وہ امام احمد رضا بریلوی تھے۔ مرکز دائرۂ علوم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے بھی مسیحائے قوم اور ناخدائے ملت ثابت ہوئے۔ انہوں نے دو قومی نظریہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں عام وخاص کے سامنے پیش کرتے ہوئے "ہندو مسلم اتحاد" کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا۔

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی دو حیثیات تھیں: ایک حیثیت کا تعین ملک سے وابستگی سے ہوتا تھا اور دوسری حیثیت کا تعین دین سے وابستگی سے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دوسری حیثیت پہلی پر مقدم تھی۔ یعنی "مسلمانیت" کو "ہندوستانیت" پر فوقیت حاصل تھی۔ اس طرح اسلام اور کانگریس کے نقاط نظر میں زمین و آسمان کا فرق تھا، کیونکہ کانگریس کے نزدیک مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔ اختلاف کا نقطہ آغاز یہی اساسی فرق تھا۔ اس لیے ہندوستانیت کو مسلمانیت پر فوقیت دینے والے کانگریسی

عالم مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی پر تنقید کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبرز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

وطن اور قومیت کی اگر اسلام میں گنجائش ہوتی، تو سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عرب کے بر سر پیکار قبائل کو اسلام کے نام پر متحد کرنے کی بجائے عربیت یا قریشیت کے نام پر متحد فرماتے۔ قوم پرستی اور وطن پرستی کے خلاف آپ نے حق پسندی اور حق پرستی کو اپنا شعار بنایا اور اسی بنیاد پر کائنات کے تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سعی فرمائی اور اس راہ میں بے شمار تکالیف کو برداشت کیا اور دنیا والوں کو یہ بتا دیا کہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے، وطن کی حفاظت نہیں۔ وطن کی حفاظت ہے تو صرف اس لیے کہ وہ دین کا محافظ ہو۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

فاضل بریلوی نے ترک موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو وطنیت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا، سخت مخالفت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا، مگر فاضل بریلوی نے اظہار حق کے لیے ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کی اور فقیہانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے بالآخر جو کچھ فرمایا سچ ثابت ہوا۔ جب طوفان جنوں ختم ہوا اور آنکھیں کھلیں، تو وہی سچا نظر آیا، جس کو کل تک جھوٹا کہا گیا

تھا۔ قائداعظم اور علامہ اقبال جیسے مفکرین اور راہنما ابتداء میں ایک قومی نظریہ کے حامی تھے، مگر بعد میں اچانک اپنا رخ موڑتے ہیں اور ایک قومی نظریہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر دو قومی نظریہ کی حمایت کرتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہندو مسلم عدم اتحاد اور عدم موالات پر تھی۔ یہ وہی نظریہ ہے جس کی حفاظت کے لیے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت بریلوی نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

کانگریس کا مقصد یہ تھا کہ ملی امتیازات کو خیر باد کہہ کر ہندوستانیت میں گم ہو جاؤ۔ اس طرح مذہب کی بنیاد خود بخود گر جاتی۔ اسی زمانے میں جب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرما کر ملت اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت فرما رہے تھے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک قومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے تصور وطنیت پر سخت تنقید فرمائی۔ اور وہ شاعر جس نے کبھی ''نیا شوالہ'' اور ''ترانہ ہندی'' لکھی تھیں، اب یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
ہو قید مقامی، تو نتیجہ ہے تباہی — ہو بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوب الہٰی — دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اعلیٰ حضرت بریلوی ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ ان کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ رہی تھیں کہ دوسری آنکھوں نے وہ نہ دیکھا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حمایتی مولوی محمد علی اور مولوی شوکت علی جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت

دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا: "مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔ مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔"

جو نام نہاد علماء ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور "گاندھی کی جے" کے نعرے لگاتے تھے، وہ قرآن کریم کی ان آیات کو (جن میں غیر مسلموں کو اپنا رازدار بنانے کی ممانعت تھی) پیش کرتے تھے اور ان آیات میں سراسر تحریف کر کے یہ کہتے تھے کہ "انگریزوں سے فقط معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے"، لیکن دوسری جانب وہ ہندوؤں کو اپنا رازدار بناتے پھرتے تھے اور ہندوؤں کو مستثنیٰ قرار دیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اس تحریف قرآن کے خلاف فتویٰ دیا اور فرمایا کہ "قرآن کریم نے غیر مسلموں سے موالات (رازداری اور دوستی) کو منع کیا ہے نہ کہ معاملت کو۔ دنیوی معاملت جس میں دین پر ضرر نہ ہو، سوائے مرتدین کے کسی سے ممنوع نہیں۔ کانگریسی ملاؤں نے ترک موالات کو ترک معاملت بنا کر قرآن کی آیتوں سے غلط استدلال کیا اور آیتیں جن میں حکم عام ہے، ان میں تحریف کے ذریعے گاندھی اور دوسرے لیڈروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ لیڈر حضرات نے مسئلہ موالات پر سب سے بڑی اودھم مچائی۔

ترک موالات کی تحریک میں انگریزی مال خریدنا جائز نہ تھا، البتہ اس کی چیزوں سے تمتع جائز تھا، مثلاً ڈاک و تار، ریل وغیرہ سے تمتع کو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ اس عجب طرز عمل پر اعلیٰ حضرت اظہار حیرانی فرماتے ہیں:

"عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہوا، لینا حرام۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک میں اور ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا امداد تعلیم کا روپیہ انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی تو یہیں کا ہے تو حاصل وہی

ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع ٹھہرا اور خود نفع لینا ممنوع، اس الٹی عقل کا کیا علاج؟"

ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کو لائل پور سے یکے دیگرے دو استفتاء ارسال کیے گئے، جس کا آپ نے مفصل اور مبسوط جواب مرحمت فرمایا۔ بعد میں حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب نے ایک رسالے کی شکل میں شائع کرادیا۔

لمحہ فکریہ

اعلیٰ حضرت بریلوی نے محض مذہب کی بنیاد پر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس میں کوئی اور امر ہرگز کارفرما نہ تھا اور اگر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دینے سے وہ مخالفین کے نزدیک انگریز کے دوست قرار پاتے ہیں، تو پھر انہیں مولوی اشرف علی تھانوی پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا فتویٰ لگا دینا چاہیے تھا! کیونکہ ترک موالات کے خلاف تو علماء دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی یہی فتویٰ دیا تھا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ" کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے"۔

اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت کے متعلق مفکرین کی آرا

نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے سرگرم رکن جناب شفیع (م۔ش) نے دو قومی نظریہ کی حمایت میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی خدمات کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس یکسوئی اور استقلال سے دور غلامی میں دین کی مدافعت کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، اس کا اعتراف امت کے تمام طبقوں کو ہوتا جائے گا.......... جس وقت ہمارے اسلاف کی بداعمالیوں

سے سلطنت ہمارے ہاتھ سے چھن گئی تھی اور جس دور میں سب سے اہم کام اس کے
سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ ملت کے اجماع کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے۔ ان کے عقائد
کو مسخ ہونے سے محفوظ رکھا جائے اور ہر اس سازش کو کچل کر رکھ دیا جائے، جس کا
مقصد مسلمانوں کے دلوں میں محمد مصطفیٰ ﷺ سے غیر فانی محبت کا رشتہ مٹا کر غیر
اسلامی عقائد کی تخم ریزی تھی۔ یہ کارنامہ اعلیٰ حضرت نے نامساعد حالات میں انجام
دیا۔ اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت ملت اسلامیہ کے عظیم محسن تھے۔"

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۷ / جون ۱۹۶۸ء)

اعتراف حقیقت کے ان بیانات میں مشہور مؤرخ اور کالم نگار روزنامہ
"نوائے وقت" جناب میاں عبدالرشید صاحب کا بیان خصوصی توجہ کا مستحق ہے، وہ لکھتے ہیں:

When pakistan resolution was passed in 1940 the efforts of Hazrat Bralvi bore fruit and all his adherents and followers including ulma and spiritual leaders rose as one man to support the Pakistan mevement. Thus the contribution of Hazrat Bralvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-e-Azam.(Islam In Indo- Pak- Subcontinent Page)

ترجمہ: "۱۹۴۰ء میں جب قرار داد پاکستان منظور ہوئی، تو اعلیٰ حضرت بریلوی کی
کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور علماء کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور
متوسلین جسد واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح قیام
پاکستان میں اعلیٰ حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور حضرت قائد اعظم سے کم نہیں۔"

دو قومی نظریہ کے داعی کی حیثیت سے امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ

کے افکار و نظریات سے اکابر متاثر ہوئے۔ اثر اندازی کی اس حقیقت کو پروفیسر ڈاکٹر محمد
مسعود احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے یوں بیان کیا ہے:

"پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے جو پہلے ایک قومی نظریہ
کے موید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مکتوبات حضرت مجدد الف
ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا، اس لیے ظن غالب
ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں
اہم کردار ادا کیا ہے۔" (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۹)

پاکستان کے مرکزی وزیر تعلیم خان محمد علی خاں نے یوں اعتراف حقیقت کیا ہے:

"فاضل بریلوی جنہوں نے مسلمانوں کی فکری آبیاری کے لیے ایک ہزار کے
لگ بھگ کتب ہر موضوع پر تحریر فرمائی ہیں، مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ کفر
کی سب قسموں سے الگ رہنا چاہیے۔ اگر انگریز سے ترک موالات ضروری ہے، تو ہندو
سے بھی ترک موالات ضروری ہے۔ نہ ہندو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غم
خوار۔" (تقریر یوم رضا، منعقدہ راولپنڈی بحوالہ افق ۶/ فروری ۱۹۸۰ء)

"تھانوی اور بریلوی مکاتب فکر کو کسی طرح بھی برطانیہ کے دلدادہ نہ تھے، مگر
وہ ہندوؤں کے عزائم کے بارے میں بہت ہی متشکک تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے
کہ مسلم قیادت مہاتما گاندھی اور انڈین نیشنل کانگریس کے زیر نگیں ہو جائے۔ وہ اس
حقیقت سے اور بھی حیران و پریشان تھے کہ مہاتما گاندھی کے منشور اور انڈین نیشنل
کانگریس کی تجاویز کی حمایت و تائید کے لیے مفتیان اسلام، قرآنی آیات اور احادیث نبوی
کی تلاش میں سرگرم عمل تھے۔" (علماء ان پالیٹکس مصنفہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی)

باب ہفتم

آزادی کی تحریکوں میں علماء اہل سنت کے کردار کا مختصر جائزہ، جنگ آزادی میں علماء و مشائخ کا کردار

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں اسی فیصد اہل سنت و جماعت ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی اسلام کے خلاف کوئی سازش کی گئی یا ملک و ملت پر کوئی مشکل وقت آیا، تو سنی علماء و مشائخ نے اس کا مقابلہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھا۔ سن ستاون کی جنگ آزادی میں علماء و مشائخ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس جنگ میں علماء اہل سنت کے فتویٰ جہاد نے وہ کام کیا جو بڑی بڑی عسکری قوتوں سے ناممکن تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی شہید مراد آبادی، مولانا احمد اللہ شہید مدراسی، مولانا فیض احمد، مولانا وہاج الدین مراد آبادی، مولانا رسول بخش کاکوروی، مفتی صدر الدین دہلوی، علامہ فضل رسول بدایونی اور ان کے احباب و تلامذہ اور دوسرے اکابر سنی علماء فرنگی سامراج سے ٹکرائے۔ ان ہی بزرگوں کی للکار سے ایوان فرنگ میں تہلکہ مچ گیا۔ ظالم انگریز نے اس کی پاداش میں کچھ علماء اہل سنت کو تختہ دار پر کھینچا اور علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کو جزیرۂ انڈیمان میں قید کر دیا۔ مولانا کفایت اللہ کافی مراد آبادی اور مولانا علامہ فضل رسول بدایونی کو سرِ عام تختہ دار پر کھینچ دیا گیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء اہل سنت کے کردار کا غیروں کا اعتراف کرنا

نواب صدیق حسن خاں (اہل حدیث) کا اعتراف

"زمانہ غدر میں سواروں اور تلنگوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے

مسئلہ پر مہر کرائی۔ فتویٰ لکھوایا جس نے انکار کر دیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا، سو وہ مہر کرنے والے اور فتویٰ لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت و اہل حدیث کو زبردستی وہابی نام رکھتے ہیں"۔ (ترجمان وہابیہ از نواب حسن خاں ص ۵۵)

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کا اعتراف

"ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام تھے، جو عقیدۃً حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے دور میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔"

(حاشیہ مقالات سرسید حصہ شانزدہم ص ۳۵۲ از مولوی محمد اسماعیل پانی پتی)

فتویٰ جہاد سب سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی نے تیار کیا تھا۔ جمعہ کے موقع پر دہلی میں جہاد کے موضوع پر خطبہ دیا اور فتویٰ کی دوسرے علماء سے تائید کروائی۔ اگرچہ بعض لوگوں نے محض تعصب اور عقیدہ کی مخالفت کی وجہ سے حضرت علامہ کی مساعیٔ جمیلہ سے جان بوجھ کر چشم پوشی کی، لیکن سید احمد بریلوی کے مداحِ خاص اور انتہائی متعصب مؤرخ غلام رسول مہر کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا۔

غلام رسول مہر کا اعتراف

"مولانا کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے، تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب کیا جس پر علماء دہلی کے دستخط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علماء کے نام تجویز کیے تھے جن کے دستخط لیے گئے۔" (۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ از غلام رسول مہر)

رئیس احمد جعفری کا اعتراف

"مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈیمان بھیج دیا گیا۔"

(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مصنفہ رئیس احمد جعفری ص ۳۱۵)

ترجمان دیوبندیت "خدام الدین" کا اعتراف

"مولانا فضل حق خیر آبادی "افضل الجہاد کلمہ حق عند سلطان جابر" کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عمر عزیز انڈیمان میں حبس دوام کی نذر کر دی۔"

"علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتاویٰ دے کر مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا۔"

"مولانا فضل حق خیر آبادی بھی باغی قرار دیئے گئے سلطنت مغلیہ کی وفاداری، فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ کر کے سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔" (ہفت روزہ خدام الدین، لاہور، ۲۳/ نومبر ۱۹۶۲ء)

مولوی حسین احمد دیوبندی کا اعتراف

"مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لیے تھے، ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی، اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی، اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا، وہ فتویٰ صحیح ہے میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔ جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور حضرت علامہ کی بارعب اور پروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے

سے گریز کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ "یہ وہ فضل حق نہیں، وہ دوسرے تھے۔" گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا، مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے۔ وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔"

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

(نقش حیات از حسین احمد مدنی ص ۴۶۲)

مفتی انتظام اللہ شہابی کا فرمان

مفتی صدر الدین آزردہ کے بیان کے مطابق مفتی انتظام اللہ شہابی فتویٰ جہاد کی تیاری کی ساری ذمہ داری مولانا فضل حق پر ڈالتے ہیں۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا مولانا فضل حق الور سے دلی آئے۔ جنرل بخت خان نے نقشہ اقتدار جمار کھا تھا استفتاء مولانا نے لکھا مفتی صاحب اور دیگر علماء نے فتویٰ دیا............ مولانا فضل حق کو اقرار جرم پر انڈیمان جانا پڑا۔" (غدر کے چند علماء از انتظام اللہ شہابی ص ۴۷)

شاہد احمد خان شروانی دیوبندی کا اعتراف

شاہد احمد خاں شروانی دیوبندی "باغی ہندوستان" ص ۱۵۶ پر لکھتے ہیں:

"علامہ (فضل حق خیر آبادی) سے جنرل بخت خان ملنے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی، استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فضل احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام

شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی۔" (بحوالہ تاریخ ذکاء اللہ)

اس وقت علماء اہل سنت ہی تھے، جنہوں نے فرضیت جہاد کے فتوے صادر کیے، ان علماء اہل سنت میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی اور مولانا احمد شاہ مدراسی وغیرہ پیش پیش تھے اور اپنی تقریروں سے عوام و خواص میں روح جہاد پھونک دی۔ انہی کی تحریک اور قیادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کفن بر دوش میدان جہاد میں کود پڑے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ وسائل کی کمی کے باعث تحریک جہاد کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور انگریز نے اپنا اقتدار بحال کر کے تحریک آزادی سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور مجاہدین پر وہ مظالم ڈھائے کہ الاماں والحفیظ۔ بعض مجاہدین کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ مسجد فتح پوری دہلی سے قلعہ کے دروازے تک مسلمانوں کی لاشیں درختوں سے لٹکا دی گئیں۔ مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ احمد شاہ مدراسی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ، ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی، مولانا فیض احمد بدایونی، مفتی مظہر کریم دریا آبادی وغیرہ یہ تمام علماء اہل سنت ہی تھے، جن کی قیادت اور شمولیت نے تحریک کو شعلہ بداماں بنا دیا۔ ان میں بعض کو کالے پانی کی سزا دی گئی، مثلاً حضرت فضل حق خیر آبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کو جزائر انڈیمان میں قید کر کے بھیجا گیا۔ مولانا کاکوروی کو مراد آباد جیل کے متصل بر سر عام پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراس میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعض کو انگریز کے ایجنٹوں نے شہید کر دیا۔ بعض کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

باب ہشتم

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے اور سادات شیراز کی اولاد سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔

آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک خلافت میں آپ نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے خلافت فنڈ میں لاکھوں روپے چندہ دیا۔

ایک بار مولانا شوکت علی نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے ہر مسلمان سے فی کس ایک روپیہ خلافت فنڈ کے لیے وصول کیا جائے، تو آپ نے نیلا گوھی سے اپنا اور اپنے متعلقین کا چندہ بمبئی بھیج دیا اور ساتھ ہی اعلان فرمادیا کہ فقیر کے سب متعلقین ایک ایک روپیہ فی کس اپنا اور اپنے متعلقین کا خلافت فنڈ میں داخل کرائیں۔

مولانا نے اس اعلان کو قد آدم اشتہارات کے ذریعے تمام ہندوستان میں مشتہر کیا، جس کے نتیجے میں ملک کے گوشے گوشے سے زرکثیر وصول کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کے اکثر معتقدین نے اپنے اپنے محور پر ہزاروں روپے خلافت فنڈ میں دیئے، مثلاً نورانی سیٹھ بمبئی، نے آپ کے ارشاد مبارک پر ۲۵ ہزار روپے اور اہل کوہاٹ نے ۲۷ ہزار کی گرانقدر رقم خلافت فنڈ میں داخل کیں، لیکن آپ نے ہرگز یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے ارشاد عالیہ پر عامۃ المسلمین تو عمل کریں اور خود اس کار خیر میں شامل نہ ہوں۔

"چنانچہ آپ نے علی پور سیداں میں منعقدہ "انجمن خدام الصوفیہ ہند" کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک مرتبہ تیرہ صد روپے اور دوسری مرتبہ ۱۸ صد روپے اپنی جیب خاص سے عنایت فرمائے"۔ (حضرت امیر ملت کے "قومی کارنامے" مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۵ء ص ۹۔۱۰)

ایک دفعہ حیدر آباد دکن میں آپ نے جلسہ خلافت کی صدارت فرمائی اور صدارتی تقریر اس مؤثر انداز سے کی کہ آپ کی تحریک پر ۳۰ ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ اس جلسہ کے بعد حکومت کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے لکھا:

"حکومت کو اس قدر گاندھی جی سے خطرہ نہیں، جتنا پیر جماعت علی شاہ سے ہے۔" (انوار الصوفیہ جنوری ۱۹۶۱ء امیر ملت کے قومی کارنامے ص ۱۱)

"۱۹۱۹ء میں آپ نے تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے اور وہ ہواؤں میں اڑ جاتی ہے۔ اگر مسلمان مرے تو دو گز زمین اس کی جاگیر ہوتی ہے۔ مسلمانو! ہجرت نہ کرو، یہ آپ کا جدی ورثہ ہے، اسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔" (انوار الصوفیہ، قصور، ۱۹۶۱ء)

"۱۹۳۵ء میں تحریک شہید گنج چلی، تو حضرت امیر ملت بھی مردانہ وار میدان میں نکل آئے۔ مسجد شہید ہو گئی تو واگزاری کے لیے راولپنڈی میں کانفرنس ہوئی جس میں آپ کو امیر ملت منتخب کیا گیا۔" (صوفیاء نقشبند ص ۲۵۵) (ماہنامہ انوار الصوفیہ سیالکوٹ، اپریل ۱۹۵۸ء)

۱۹۴۳ء میں آپ سری نگر تشریف فرما تھے۔ آپ نے قائداعظم کی پر تکلف دعوت کی۔ دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے قائداعظم کی کامیابی کی پیشن گوئی کی اور دو جھنڈے عطا فرمائے ان میں سے ایک سبز جھنڈا تھا۔ فرمایا سبز جھنڈا مسلم

لیگ کا ہے اور دوسرا کفر کا۔ پھر قد آدم اشتہارات کے ذریعے اعلان فرمایا:

"مسلمانو! مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ میرا جو مرید مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرے گا، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس وقت دو جھنڈے ہیں ایک ہلالی پرچم مسلم لیگ کا اور دوسرا کفر کا۔ اب فیصلہ کرو کہ تم کس کے ساتھ ہو۔"

(صوفیاء نقشبند ص ۳۵۵، ماہنامہ انوار صوفیہ مئی ۱۹۶۰ء)

۱۹۴۶ء میں بنارس آل انڈیا سنی کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی، اس میں پانچ ہزار سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ آپ نے خطبہ صدارت میں پاکستان کی حمایت کا اعلان فرمایا۔ پھر تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے۔ آپ ہر جگہ دوران تقریر فرماتے۔

"مسلمانو! یہاں دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا، ایک کفر کا۔ بتاؤ کس جھنڈے کے نیچے جانا چاہتے ہو"؟ لوگ کہتے اسلام کے جھنڈے کے نیچے۔ چنانچہ لاکھوں مسلمانوں نے محض آپ کی ہدایت پر پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ (صوفیاء نقشبند ص ۳۵۶)

سید العرفا سند الاتقیاء پیر سید غلام محی الدین گولڑوی

فخر الاتقیاء پیر سید غلام محی الدین گولڑوی ۱۸۹۱ء کو قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاں پیدا ہوئے۔ حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۶ر جون ۱۹۷۴ء ۱۳ر مارچ ۱۹۷۵ء ضیائے حرم جولائی ۱۹۷۴ء)

ملک کے نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے مجاہد جناب میاں محمد شفیع (م۔ ش) تحریک پاکستان کے بارے میں آپ کی خدمات کے متعلق رقمطراز ہیں:

"یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برصغیر

میں معرکہ حق وباطل بپا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام [illegible]
سربلندی کے لیے حق خودارادیت کا علم بلند کیا، تو پنجاب کے جن سجادوں نے تن من
دھن سے قائداعظم کا ساتھ دیا، ان میں تونسہ شریف (خواجہ سدید الدین) نے سیال
شریف (خواجہ قمر الدین صاحب) جلال پور شریف (پیر فضل شاہ صاحب) اور گولڑہ
شریف (پیر سید غلام محی الدین شاہ صاحب) پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لاکھوں
مریدوں کو عام انتخابات کے موقع پر یونینسٹ پارٹی کے مقابلہ پر مسلم لیگ کے
امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔ ان لوگوں کے عظیم کردار کا اندازہ اس
سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یونینسٹ پارٹی کے اس وقت کے لیڈر ملک خضر حیات
ٹوانہ اور ان کے دست راست نواب اللہ بخش گولڑہ شریف اور سیال شریف سے
ارادت رکھتے تھے۔ لیکن عظیم تر ملی مقصد کے پیش نظر خواجہ محمد قمر الدین سیالوی
مد ظلہ اور خواجہ سید پیر غلام محی الدین شاہ صاحب نے پوری ہمت سے مسلم لیگ
کے لیے کام کیا۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ / جون ۱۹۷۴ء)

حضرت خواجہ سید غلام محی الدین ایک انسان کامل تھے۔ آپ مسلم لیگ کے
ساتھ پوری طرح حصول پاکستان کی تحریک میں شامل تھے۔

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی ۱۳۲۴ھ کو سیال شریف
ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمد ضیاء الدین تھا۔

خواجہ صاحب نے مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ سیاسی
راہنمائی بھی فرمائی۔ آپ نے علماء حق کے ساتھ مل کر آزادی وطن کے لیے تن من کی
بازی لگادی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کی۔ حصول

آزادی کی منزل کو قریب تر لانے میں مصروف ہو گئے۔ انگریز نے آپ کو طرح طرح
کے لالچ دے کر کلمہ حق سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر خواجہ صاحب ان کے دامن
[illegible] میں نہ آسکے۔ حکومت پنجاب کی سفارش پر ملک معظم نے خواجہ صاحب کو نوابی
کا اعلیٰ خطاب پیش کیا، مگر آپ نے اس چٹھی کو نذر آتش کر دیا جس میں یہ پیشکش کی
گئی تھی۔ (ماہنامہ آئینہ لاہور، نومبر ۱۹۷۰ء دار العلوم ضیاء شمس الاسلام کی سوا سو
سالہ خدمات۔ از ڈاکٹر تسخیر احمد)

جب انگریز حکومت لالچ دے کر خواجہ صاحب کا ایمان نہ خرید سکی، تو [illegible]
آپ کو گرفتار کر کے گوبر اور گندے پانی سے بھری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا، جس [illegible]
بیٹھا جا سکتا تھا اور نہ ہی نماز پڑھی جا سکتی تھی۔ پھر آپ کی ساڑھے گیارہ مربعہ اراضی
ضبط کر لی گئی، جب اس پر بھی مرد حق نے سر نہ جھکایا، تو طرح طرح سے اذیتیں دی
گئیں تاکہ آپ تحریک پاکستان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں، لیکن آپ نے انگریز
کی ساری کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا: "عزت صرف اللہ کے اختیار میں
ہے۔ اگر میں نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے، تو
میں مشرک ہو جاؤں گا"۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء)

سرگودھا کے ٹوانوں کے ساتھ آپ کے بہت اچھے مراسم تھے، مگر ۱۹۴۶ء
کے الیکشن میں آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ دے کر انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا،
چنانچہ حکیم آفتاب احمد قرشی رقمطراز ہیں:

"مشائخ میں سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد قمر الدین
سیالوی نے تحریک پاکستان کی بڑی سرگرم حمایت کی۔ سیال شریف سرگودھا کی مشہور
گدی ہے جس کے عقیدت مند تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس خاندان کا سرگودھا

میں بڑا اثر تھا۔ ٹوانے تو کئی پشتوں سے اس خاندان کے مرید چلے آ رہے ہیں اور ان کے خواجہ صاحب سے بڑے گہرے روابط ہیں۔ تحریک پاکستان کا دور آیا، تو ٹوانے مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ یونینسٹ پارٹی میں شامل تھے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ٹوانے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ٹوانوں سے ذاتی مراسم تھے، مگر خواجہ صاحب نے ان ذاتی مراسم کی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں۔ خواجہ صاحب کا یہ ایثار محض قومی جذبہ اور اسلام پرستی کا مرہون منت تھا"۔ (روزنامہ امروز ۲۳ مارچ ۱۹۷۴ء)

پاکستان بنا تو حضرت خواجہ صاحب نے قائداعظم کو پاکستان میں فی الفور اسلامی قوانین نافذ کرانے کے متعلق حکم فرمایا۔ اس پر قائداعظم نے جواب میں تحریر فرمایا: "پاکستان کی تحریک میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابل قدر ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی نظام ہی نافذ ہو گا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم دسمبر ۱۹۷۴ء)

ماہنامہ ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۵۱ پر حضرت کی خدمات تحریک پاکستان کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہے:

"خضر وزارت کے دور میں آپ کو کئی مربعے اراضی اور لاکھوں روپے کی پیشکش محض اس لیے کی گئی کہ آپ تحریک پاکستان سے الگ تھلگ رہیں۔ آپ نے جواباً فرما بھیجا تحریک پاکستان دو قومی نظریہ پر ایمان کا نتیجہ ہے کہ جس میں نہ صرف میری بلکہ حکومت کی بھی شمولیت ضروری ہے۔ اگر حکومت تحریک میں شامل نہیں ہوتی، تو مجھے مسلمانوں سمیت روک نہیں سکتی۔ یہ چند مربعے اور لاکھوں روپے تو کجا پوری کائنات کو بھی اٹھا کر میرے قدموں میں رکھ دیا جائے، تو پھر بھی میرے ایمان کو خریدا

نہیں جا سکتا۔ خضر نے جب دیکھا کہ میری کوشش ناکام ہو گئی، تو اس نے آپ کو دھمکی بھی دی اور سرگودھا شہر اور ملحقہ علاقوں میں آپ کی تقریر پر پابندی عائد کر دی گئی۔ آپ نے پابندی تقریر کی خبر سنتے ہی اعلان کر دیا کہ کل کمپنی باغ سرگودھا میں جلسہ ہو گا۔ دوسرے دن جلسہ گاہ میں آپ کے مریدین اور معتقدین جمع ہو گئے اور تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ غیرت و جرات کے شہنشاہ نے پوری شان اور جلال و عظمت سے اسٹیج پر کھڑے ہو کر زبردست تقریر کی اور خضر کو مخاطب ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں۔ ان میں جب خضر کا نام نہیں، تو دھمکی کس منہ سے دیتا ہے؟ پاکستان اللہ اور رسول کے نام پر حاصل ہو رہا ہے اور انشاء اللہ پاکستان بن کر رہے گا۔"

خضر حیات ٹوانہ وزیراعلیٰ پنجاب نے اعلان کیا کہ مسلم لیگ سرگودھا میں جلسہ نہیں کر سکتی، تو آپ نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے سرگودھا میں مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد فرمایا۔

پنجاب کے اس وقت کے وزیراعلیٰ خضر حیات ٹوانہ مسلم لیگ کے خلاف علم بغاوت بلند کر چلے تھے۔ انہوں نے ذاتی اثر و رسوخ کے ذریعے ہندو، سکھ اور بعض مسلمان افسروں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں، چنانچہ وہ پوری تندہی سے مسلم لیگ کو شکست دینے کے لیے میدان میں اترے تھے۔ انہوں نے سرگودھا کے ایک انتخابی حلقے سے بھی کاغذات نامزدگی داخل کیے تھے۔ مسلم لیگ نے ٹوانہ خاندان کے ایک فرد نواب ممتاز محمد ٹوانہ کو ٹکٹ دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی وزیراعلیٰ پنجاب کے ایک عزیز اللہ بخش ٹوانہ کے پیر طریقت تھے اس لیے ان تمام عناصر نے جو مسلم لیگ کو شکست دینے پر تلے ہوئے تھے، حضرت پیر صاحب کی امداد حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن خواجہ صاحب نے ایک لمحہ کے توقف کے

بغیر مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کا اعلان کر دیا اور سرگودھا میں نواب محمد حیات قریشی کی کوٹھی کو اپنی مساعی کا مرکز بنا کر انتخابی حلقے میں دورے کا پروگرام بنایا۔ ان انتخابات میں خواجہ صاحب نے تھل کے لق ودق صحرا میں گاؤں گاؤں جا کر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ جب ان کی جیپ رک جاتی تھی، تو پا پیادہ چل پڑتے تھے۔

پیر محمد قمر الدین سیالوی کو تحریک پاکستان کے دوران گرفتار بھی کیا گیا۔ ان کی شان میں گستاخی بھی کی گئی، مگر وہ اس عظیم مقصد سے پیچھے نہ ہٹے۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دوران بھی پیر صاحب آف سیال شریف کا کردار بڑا روشن رہا۔ انہوں نے خواجہ غلام سدید الدین صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف سے مل کر صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب زکوڑی شریف کی ہمنوائی میں ریفرنڈم کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔" (ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۳۱)

"آپ نے تحریک پاکستان کے زمانے میں جب سرگودھا مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی، تو آشیانہ اقدس سے وابستہ کئی سیاست دانوں نے بڑی تواضع سے عرض کیا کہ حضور غیر جانبدار رہیں، لیکن اس حوصلہ فرسا اور ہوش ربا دور میں آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، بلکہ جرات مومنانہ سے تعلق داروں کی فرمائش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ تمہاری شکست دیکھ سکتا ہوں، مگر پاکستان کا جھنڈا سرنگوں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کی انہی خدمات کی وجہ سے حضرت قائداعظم اور شہید ملت لیاقت علی خاں آپ کا بہت احترام کرتے تھے؟ (ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۵۰)

شیخ الاسلام اور ان کے والد گرامی کی انگریز سے نفرت

حضرت شیخ الاسلام کے والد ماجد حضرت ثالث رحمتہ اللہ علیہ رات دن کے جملہ لمحات دین و ملت کی خدمت میں گزارتے۔ شہسواری، نشانہ بازی، تیغ زنی کی مشق،

کا ... کئی کئی دن شکار گاہ میں رہ کر تھکنا اور بھوک و پیاس کی شدت کو برداشت کرنا محض اس لیے آپ کا معمول رہا تا کہ موقع پر فرنگی سامراج سے جنگ کا مرحلہ آسانی سے طے ہو۔ انگریز سے نفرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انگریز حکومت کا ملازم اگر شریف کے برتن سے کھا لیتا یا اس کو ہاتھ لگا لیتا، تو آپ حکماً اس برتن کو تڑوا دیتے۔ ایک فوجی ملازم نے آپ کی پسندیدہ گھوڑی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، آپ کو معلوم ہو گیا، تو فرمایا، اب یہ میرے قابل نہیں رہی، کیونکہ فرنگی ملازم کا ہاتھ اس کو لگ گیا ہے۔

ایک بار آپ نے رائفل کے لائسنس کے لیے حکومت کو خط لکھا۔ حکومت نے رائفل کی ضرورت دریافت کی۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ تلوار سے جنگ کا زمانہ نہیں، دل کی آرزو ہے کہ موقع ملے، تو کسی انگریز کے سینے میں گولی پار کر دوں۔ شیخ الاسلام کے لیے اپنے بلند اقبال اور غیرت مند باپ کی زندگی مشعل راہ تھی، اس لیے موصوف میں بھی انگریز دشمنی ایمان کا حصہ تھی۔ تحریک پاکستان میں شمولیت، خضر وزارت سے ٹکر، اسی غیرت ایمانی اور انگریز دشمنی کا ثمرہ ہے۔ شیخ الاسلام نے خود یہ واقعہ سنائے کہ حکومت کو میں نے رائفل کے لائسنس کے لیے لکھا۔ جواباً مجھ سے پوچھا گیا کہ سرکار کی خدمات کی فہرست بتائیں۔ جواب میں فقیر نے کہا تم کو میرے والد کی خدمات کا علم ہو گا، تم نے جو ان سے وصول کیں، انہیں خدمات کی توقع مجھ سے بھی رکھو۔ انگریز حکومت نے مجھے ہز ہائی نس کا خطاب بھیجا۔ میں نے غصہ میں اس کاغذ کو پارہ پارہ کر کے آگ میں جلا دیا۔ ایک دفعہ کٹھوائی منزل شیخ الاسلام تشریف لائے۔ راستے کے حالات کے بارے میں فرمایا کہ آتے ہوئے ایک فرنگی نے راستہ روکا، میں نے رائفل سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ پھر ہنس کر فرمایا "سور کو مارا ہے" (ماہنامہ ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۵۲، ۵۳ لاہور ۱۹۸۱ء)

مجاہد ملت علامہ پیر سید امین الحسنات (مانکی شریف)

مجاہد ملت حضرت علامہ پیر سید امین الحسنات ۱۹۲۳ء میں مانکی شریف تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام حضرت پیر سید عبدالرؤف تھا۔ حضرت پیر سید امین الحسنات بڑے دلیر اور روشن دماغ لیڈر تھے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اسلامی حکومت قائم ہو۔ آپ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ اس دور میں صوبہ سرحد میں میدان سیاست میں عبدالغفار اور اس کے بھائی ڈاکٹر کا طوطی بولتا تھا اور صوبہ سرحد کو کانگریس کا زبردست گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو مقبول عام بنانے میں آپ کا زبردست دخل تھا۔ مانکی شریف صوبہ سرحد میں نہایت بااثر گدی تھی اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں کے ہزاروں لوگ آپ کے مرید تھے۔ آپ نے سرحد کے غیور پٹھانوں کو پوری کوشش سے نظریہ پاکستان کی تائید کے لیے تیار کیا۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی (آف کراچی) نے ایک انٹرویو میں آپ کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

"صوبہ سرحد میں صورت حال بڑی نازک تھی۔ اس کی طرف قائداعظم نے واضح اشارہ فرمایا تھا وہاں سرخ پوشوں نے قیامت اٹھا رکھی تھی۔ وہ تحریک عوام میں بے پناہ مقبول اور بے حد منظم تھی۔ عبدالغفار خان جو سرحدی گاندھی کے لقب سے مشہور تھا، اس کا عوام پر زبردست اثر تھا۔ مسلم لیگ اس علاقے میں انتہائی غیر مؤثر اور بے وزن تھی، اسے جلسہ عام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ساتھ ساتھ علماء کا ایک گروہ جو دیوبند سے اس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا۔ جب وہاں کانگریسی سیاست غالب آچکی تھی، سرخ پوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر خان کی وزارت کے نقوش بہت گہرے تھے۔ ایسے میں پاکستان کے لیے کام

کرنا بڑا کٹھن تھا علماء کے ساتھ سابق پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے بڑی تندہی سے کام کیا اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی تائید و حمایت سے صوبہ سرحد کی سیاسی فضا میں وہ تغیر رونما ہوا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔"

(انٹرویو مفتی محمد شفیع دیوبندی اردو ڈائجسٹ لاہور جولائی ۱۹۶۸ء)

۱۹؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں اور روحانی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا۔ اس جلسہ میں ایک اہم تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفادار اور مسٹر جناح کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ پیر صاحب مانکی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لیے زبردست جدوجہد کرنی چاہیے، جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے۔ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو، کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی آزادی اور سربلندی کے لیے کوشاں ہے۔"

("قائداعظم اور ان کا عہد" از رئیس احمد جعفری)

آپ نے مولانا گل محمد کی قیادت میں ایک وفد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں بھیجا جس نے نظریہ پاکستان پر گفتگو کی۔ پھر ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کر کے اڑھائی گھنٹے تک تقریر فرمائی۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا:

"میں نے قائداعظم سے وعدہ لیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی، تو آج جس طرح ہم آپ کو

دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں، کل اسی طرح اس کے برعکس ہوگا۔ (سواد اعظم، لاہور۔ ۱۵ جنوری ۱۹۶۰ء)

حضرت پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر قائداعظم نے پہلے پہل سرحد کا دورہ کیا اور دورہ سرحد کے دوران کئی روز تک آپ کے ہاں قیام کیا، اس طرح آپ ہی کے ایماء پر قائداعظم نے مجاہد آزادی مولانا عبدالحامد بدایونی کو صوبہ سرحد بھیجا، جنہوں نے طوفانی دورے کر کے نظریہ پاکستان کو اجاگر کیا۔

پیر صاحب مانکی شریف نے بنارس میں آل انڈیا کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں نظریہ پاکستان کی توثیق و تائید میں نہایت سرگرمی سے قرارداد پاس کرائی اور پھر تمام ملک میں اس کی حمایت میں دورے کیے اور عوام کو آمادہ کیا کہ وہ تحریک پاکستان کو ہر صورت میں کامیاب بنائیں۔

پیر عبدالرحیم صاحب (بھرچونڈی شریف)

حضرت پیر عبدالرحیم صاحب ۱۹۱۰ء میں بھرچونڈی شریف میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان میں پیر عبدالرحیم اور ان کے والد بزرگوار پیر عبدالرحمٰن کی گرانقدر خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے مسلم لیگ کی بھرپور اعانت کی اور قائداعظم کا عملی طور پر ساتھ دیا۔ آپ کے والد گرامی نے سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم کے لیے "جماعت احیاء الاسلام" کی بنیاد رکھی۔ پھر سندھ کے مشائخ کو اکٹھا کر کے "جمعیت المشائخ" کے نام سے ایک اور تنظیم قائم کی۔ آپ ان دونوں جماعتوں کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے لیے فضا ہموار کرتے رہے۔ "الجماعۃ" کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔ جب دونوں جماعتیں عوام میں مقبول ہو گئیں، تو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں قائداعظم کی موجودگی میں پانچ ممبران جو جماعت احیاء الاسلام کے

ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے، نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

۱۹۴۶ء میں بنارس کی عظیم الشان سنی کانفرنس ہوئی، جس میں پیر صاحب اور ان کے والد ماجد نے لوگوں کو نظریہ پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا بعد میں جب انگریز نے قائداعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں کسی اسمبلی میں اپنی اکثریت کا ثبوت دیں۔ اس نازک مرحلے پر آپ کے والد گرامی حضرت پیر عبدالرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف کے روحانی و ایمانی جذبہ اور جاہ و جلال نے وہ کام کیا جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن رہے گا۔

پیر صاحب نے سندھ اسمبلی کے تمام مسلم ممبران سے ملاقات کی، ان میں کئی آپ کے مرید تھے، لیکن ان کی اکثریت کانگریس کے ساتھ تھی۔ پیر صاحب نے بڑی مجاہدانہ شان سے ایک ایک ممبر سے فرمایا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں تحریک پاکستان کی تائید میں ووٹ دے، چنانچہ انہوں نے بسر و چشم آپ کا فرمان قبول کیا۔ اسمبلی ہال میں تحریک پاکستان کو مطلوبہ تائید مل گئی۔ انگریز اور ہندو کے ہوش اڑ گئے، کیونکہ انہیں ایسی توقع نہ تھی۔ (روزنامہ جاوداں، لاہور، ۱۶ر نومبر ۱۹۷۱ء)

آخر میں روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مؤرخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۱ء کا اداریہ نقل کرتے ہیں، جس میں پیر صاحب کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا۔

"پیر عبدالرحیم شہید سندھ کے دینی اور سیاسی حلقوں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران انہوں نے سندھ مسلم لیگ کو ایک مقبول جماعت بنانے کے لیے دن رات کام کیا، اس ضمن میں ان کو سندھ کے ہنود اور کانگریسی مسلمانوں کی ستم رانیوں کا نشانہ بھی بننا پڑا، لیکن وہ مسلمانوں کی خاطر ہر وار سہتے اور ہر غم سمیٹتے رہے۔"

مولانا عبدالحامد بدایونی

آپ ۱۸۹۸ء میں یو۔پی (بھارت) کے ایک قصبہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا حکیم عبدالقیوم قادری تھا۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک چلائی اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کی شرمناک سازش کی تو مولانا نے اپنی شعلہ بیانی کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا اور اس سازش کا پوری طرح سدباب کیا۔ آپ تحریک پاکستان کے شروع ہونے سے قبل دو قومی نظریہ کے حامی اور پرجوش مبلغ تھے۔ تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب قرار داد پاکستان پاس کی گئی، تو آپ قائداعظم کے خاص رفقاء میں سے تھے۔ اس موقعہ پر قرار دادوں کے علاوہ مسئلہ فلسطین پر پیش کردہ قرار داد کے حق میں آپ نے ولولہ انگیز تقریر کی۔ آپ نے تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کرنے کے لیے ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا۔

آپ ۱۹۳۷ء سے تقسیم ہند تک مسلم لیگ کے رکن رہے۔ ۱۹۴۰ء میں اقبال پارک لاہور میں قرار داد پاکستان کے سلسلے میں جو اجلاس ہوا، اس میں آپ بھی شریک تھے۔ قائداعظم کی زیر صدارت قرار داد پاکستان کی حمایت میں تاریخی اجتماع سے خطاب فرمایا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ قیام پاکستان کی تحریک کو تیز کرنے کے لیے ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس جو بنارس میں منعقد ہوئی، اس میں شریک ہوئے اور ملک میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے اکابر علماء اہل سنت کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی، مولانا بدایونی اس کے بھی رکن تھے۔

۱۹۴۶ء کے تاریخی انتخابات میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ سرحد، پنجاب، بلوچستان اور یو۔پی (بھارت) میں مولانا کی تقاریر ملت اسلامیہ کو جہاد کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے وفد میں دیگر

حضرات کے علاوہ مولانا بدایونی بھی شامل تھے حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظم سے خاص طور پر مولانا بدایونی کو سرحد بھیجنے کے لیے کہا تھا۔

آپ نے اپنے زور خطابت سے سرحد کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر گرفتار کر لیا۔ اس جرم میں انہیں حکومت نے ناپسندیدہ عناصر کی فہرست میں شامل کر لیا لیکن انہوں نے کسی خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ قائداعظم نے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو فاتح سرحد کا خطاب دیا۔ اس طرح آپ نے قائداعظم کے ساتھ دورہ فرما کر سیالکوٹ میں احراریوں کا زور توڑا اور احراریوں کی لچھے دار تقریریں، شعلہ نوائی کے آگے بے کار ثابت ہوئیں۔ (روزنامہ جنگ، کراچی۔ ۷/جون ۱۹۷۰ء)

۱۹۴۶ء میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے فرمان پر مولانا بدایونی حیدر آباد دکن گئے تاکہ وہ کسی طرح نظام دکن اور قائداعظم کی ملاقات کے لیے راہ ہموار کریں کیونکہ دونوں میں اختلافات شدید ہو گئے تھے۔ نظام دکن سے مولانا کی کافی بحث ہوئی آخر وہ رضامند ہو گیا۔

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی طرف سے علماء کا ایک وفد حج کے موقعہ پر سعودی عرب گیا تاکہ اسلامی ملکوں کے راہنماؤں اور مسلمانان عالم کو تحریک پاکستان کے تحریکات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ وفد مشرق وسطیٰ اور عرب ملکوں کے دورے پر گیا اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس وفد کے قائد حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی اور سیکرٹری مولانا بدایونی تھے۔

کراچی کے اخبار روزنامہ "جنگ" نے ۲۴/جولائی ۱۹۷۰ء کو آپ کے وصال پر اپنے اداریے میں آپ کی خدمات کا یوں تذکرہ کیا:

"مولانا عبدالحامد بدایونی کی رحلت اس برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک انتہائی غم انگیز سانحہ اور ملک و ملت کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے جسے پاکستان کے عوام، علماء، سیاسی راہنما، طلباء اور مرحوم کے ارادت مندوں نے بڑی شدت کے

ساتھ محسوس کیا۔ اسلام اور پاکستان اور ملت مسلم کے لیے انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں۔ مولانا کا شمار ان گنی چنی شخصیات میں ہوتا ہے جو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ساتھ تحریک خلافت میں شریک تھے۔ پھر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آزادی کی جدوجہد اور تحریک پاکستان کا وہ ایک روشن باب ہے، جو ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ قرارداد پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے مولانا کی خطابت نے جو جوہر دکھائے تھے، آپ کے طویل دوروں اور مسلسل جدوجہد نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی لگن اور ایک علیحدہ وطن کے حصول کے لیے جو تڑپ پیدا کر دی تھی، اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ پھر صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا نازک مرحلہ پیش آیا، تو مرحوم نے اپنا سارا وقت، صلاحیتیں اور زور بیان اس کے لیے وقف کر دیا۔ تحریک پاکستان سے مسلمانان عالم کو متعارف کرانے کے لیے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا۔ مولانا بدایونی ایک جید عالم، جادو بیان خطیب، ہمدرد و مشفق مذہبی راہنما، ممتاز سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے ایک پرجوش و سرفروش سپاہی بھی تھے۔

حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی

آپ کا نام سید محمد تھا، والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد اشرف تھا، آپ کی ولادت ۱۳۱۱ھ کو موضع جائس ضلع رائے بریلی میں ہوئی۔ مذہبی، تبلیغی اور سماجی کاموں کے علاوہ آپ نے سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے دیگر مشائخ اہل سنت کے شانہ بشانہ مگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا۔ تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے اور عوام کو مسلم لیگ کے پروگرام سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس اور اجمیر سنی کانفرنس میں آپ کے خطبہ صدارت سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرضداشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی نئی جگہ پاکستان کا لفظ آ چکا ہے۔ ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ در و دیوار پاکستان زندہ باد تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے نعروں کی گونج میں پاکستان لے کے رہیں گے۔ مسجدوں میں خانقاہوں میں بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان ابھر رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر مسلم لیگی لیڈر بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی محاورہ ہو گیا ہے اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو، اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتا دے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہو گا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھوں میں ہو گی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے، وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے، لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے۔ ان کو، ان کے معاملات کو، ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا رستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے، جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو۔" (خطبہ صدارت بنارس سنی کانفرنس مطبوعہ لاہور، ص ۲۳)

۵۔۶/ رجب ۱۳۶۵ھ کو سنی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ کے خطبہ صدارت سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو

"اے سنی بھائیو! اے مصطفیٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی، اب منت کی لعنت چھوڑ دو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کے دم لو کہ یہ کام اے سنیو سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔" (خطبہ اجمیر سنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور ص ۳۸)

تحریک پاکستان کے گمنام سپاہی فقیہ العصر علامہ یار محمد بندیالوی

انوار ہی انوار کا عالم نظر آیا
چلمن جو ذرا میں نے اٹھائی تیرے در کی

آفتاب ولایت، نیر علم و حکمت، شیخ طریقت حضرت فقیہ العصر علامہ مولانا یار محمد صاحب بندیالوی چشتی صابری قدس سرہ العزیز متلاشیان حق کے ملجا، وارفتگان شوق کے کعبہ، صوفیوں کے پیشوا، عابدوں کے رہنما، اقلیم فقر کے شہنشاہ، سلیمان اور ابوذر کا پرتو، سہیل اور بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا آئینہ، غزالی اور رازی کے علوم کے جامع، آلوسی اور طحاوی کی شان، شریعت کے سنگم، معرفت اور حقیقت کے منبع البحرین تھے۔ آپ کے سینے میں اویس قرنی کا پرتو، آنکھوں میں جامی کی التجاؤں کا انداز، دل میں تڑپ صدیق کی جھلک، ماتھے کی وسعت پر رازی کا گماں ہوتا تھا، چہرے کی سادگی سے رومی کا جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔ آپ کی شخصیت کیا تھی؟ گویا گزرے ہوئے عشاق کی پریشان ادائیں ایک جگہ مجتمع ہو گئی ہیں۔

آپ کے قلب مبارک میں محبت الٰہی اور عشق مصطفوی کی قندیل فروزاں تھی۔ ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کرتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

ہجر آقا میں بہیں اشک، مگر حد میں رہیں
کچھ نہ کچھ ضبط بھی اے دیدہ تر پیدا کر

آپ کی پیدائش ضلع خوشاب کے ایک دور افتادہ گاؤں بندیال شریف میں علاقہ کے مشہور و معروف بزرگ صاحب علم حضرت خواجہ میاں شاہ نواز کے خاندان میں میاں محمد سلطان نامی ایک صوفی منش درویش خدامست شخصیت کے ہاں ہوئی۔ آپ کا خاندان شروع ہی سے روحانیت کا مرکز تھا۔

مرحبا صد مرحبا اے سر زمین بندیال
تیری مٹی سے ہوا ہے مرد کامل کا ظہور

یہ تقریباً ۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے کہ بندیال شریف کی سرزمین پر وہ روح ارجمند جلوہ گر ہوئی جو پیکر حسن و جمال بھی تھی، منبع فضل و کمال بھی، جو مصدر جود و نوال بھی تھی، مرکز عشق و محبت بھی، خوش خلقی و سادگی کا مرقع بھی تھی، عجز و انکساری کی تصویر بھی۔ ہمدردی و مروت کا مظہر اتم بھی تھی اتباع رسول کا عملی نمونہ بھی، سوز و گداز کا پیکر بھی۔ قرون اولیٰ کا نقش حسین بھی تھی یادگار سلف بھی تھی اور افتخار خلف بھی۔ آپ کا شاہراہ حیات پر ہر قدم سالکان راہ محبت کے لیے خضر راہ ہے۔

ہزاروں رحمتیں اے مطرب رنگیں نوا تم ہو!
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

آپ کے شاگرد رشید استاذ العرب والعجم امام المناطقہ والفلاسفہ حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی مدظلہ نے اپنے استاد کے حضور منظوم نذرانہ عقیدت یوں پیش کیا، جو آپ کی لوح زار پر بھی رقم ہے۔

دانش روشن زانوار الٰہی بیانش گنج اسرار الٰہی
ہمہ عمرش بزہد و اتقا رفت عطاء گوید بعشق مصطفیٰ رفت

آپ کے تجر علمی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ
کو ایک قابل مدرس کی ضرورت تھی، اس وقت آپ مولانا ہدایت اللہ خان کے پاس
زانوئے تلمذ تہہ فرما رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا ہدایت اللہ خاں کی طرف تحریر
فرمایا تو آپ کی نظر نے حضرت علامہ یار محمد بندیالوی کا انتخاب کیا، لیکن آپ کے دل میں
چوکھٹ استاد کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ مسند تدریس کو پسند نہ فرمایا۔ آپ مولانا ہدایت
اللہ خان صاحب (تلمیذ اعلیٰ حضرت) کے تمام شاگردوں میں قابل تھے۔ مولانا محمد امجد
علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) آپ کے ہمدرس تھے۔

آپ نے ہندوستان کی مختلف درس گاہوں میں بائیس سال کا طویل عرصہ گزارا
حکیم محمد اجمل خاں سے صرف ریاضی پڑھنے کی خاطر مکمل علم ب بھی پڑھا۔ مرشد العرب
والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز حضرت خواجہ صوفی محمد
حسین الہ آبادی کے پاس ۳ سال رہ کر علامہ بندیالوی نے تصوف کی اکثر کتابیں سبقاً پڑھیں۔
مشہور ہے کہ خواجہ اجمیری کے عرس مبارک کے دوران خواجہ عبدالقدوس گنگوہی کی غزل

تفت قدوس فقیر درفنا و دربقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

قوال محفل سماع میں پیش کر رہے تھے کہ حضرت خواجہ محمد حسین الہ آبادی کا
اسی مصرع پر وصال ہو گیا اور وقت وصال اپنے خلیفہ مجاز علامہ یار محمد بندیالوی کے آغوش
میں سر اقدس تھا۔

ہندوستان سے بندیال شریف واپس آکر تقریباً ۱۹۱۱ء میں آپ نے ملک کی ممتاز
دینی قدیم درس گاہ جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال کی بنیاد رکھی جس سے ہزاروں تشنگان علوم
ظاہری و باطنی کو آپ نے سیراب فرمایا اور ابھی تک یہ سلسلہ شوق جاری و ساری ہے۔

آ چشم آرزو کی گہرباریاں تو دیکھ
لٹتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

آپ کے تلامذہ میں امام المدرسین حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی، حضرت
شیخ القرآن ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزاروی اور پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی علامہ سید
سلیمان اشرف، پیر سید محمد وارث شاہ صاحب عیسیٰ خیل (بھور شریف) جیسی مایہ ناز اور
نابغہ عصر شخصیات شامل ہیں۔

تحریک پاکستان کا آغاز ہوا، تو آپ نے بھی دیگر مشائخ کرام علماء عظام کے شانہ
بشانہ کام کر کے ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کا حق ادا کر دیا۔ بندیال اور گرد و نواح کے اکثر امراء یونینسٹ پارٹی کے ہم نوا ہونے کی
وجہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے زبردست مخالف تھے۔ موضع بندیال میں
بندیال (ملک) فیملی ہے، جنہوں نے سرداری نظام قائم کر رکھا ہے اور وہ خود کو سیاہ و
سفید کا مالک سمجھتے ہیں اور اس دور میں عوام پر ان کا سخت کنٹرول تھا، اگرچہ اب وہ بات
نہیں رہی۔ اس وقت تو کسی آدمی کو ملک صاحب کے خلاف بات کر دینے سے اپنی جان
سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔ ان حالات میں ان ڈکٹیٹر اور آمر مزاج امراء و رؤسا کے
سامنے کلمہ حق بلند کرنا اور ان کی مخالفت کرنا خود کو زبردست خطرے میں ڈالنے سے کم
نہ تھا، لیکن اس مرد حق نے کسی بھی خطرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے حق
میں تقاریر کیں اور ہزاروں کی تعداد میں مریدین، متعلقین کو مسلم لیگ کی حمایت کے
لیے تیار کیا اور آپ نے اپنے خطبات میں واضح طور پر فرما دیا۔

"مسلم لیگ کو ووٹ دینا مسجد کو ووٹ دینا ہے اور کانگریس کو ووٹ دینا مندر کو
ووٹ دینا ہے"۔ اور "ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، جبکہ دوسری طرف کفر کا۔ چونکہ
مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے، اس لیے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے۔"

(بحوالہ کتاب "حیات استاذ العلماء ص ۴۰)

فقیہہ العصر حضرت علامہ یار محمد بندیالوی نے اس دور میں مسلم لیگ کی بھرپور

امداد فرمائی۔ جب بندیال اور اس کے گرد و نواح کے تمام وہابی نجدی مولوی بوجہ کانگر
ہونے اور ملک خضر حیات ٹوانہ کے زر خرید ہونے کے پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف
دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح کو گالیاں دیتے تھے ا
بندیال کے مقامی وہابی نجدی مولوی تحریک پاکستان کو پگڑیوں کا جھگڑا قرار دے رہے تھے
حضرت فقیہ العصر کی زبردست تقاریر اور فتاوٰی کے ذریعے ہزارہا لوگ مسلم لیگ میں
شامل ہوئے چنانچہ جب یونینسٹ امراء نے خضر حیات ٹوانہ کی پوزیشن کمزور ہوتی دیکھی،
تو بندیال کے امراء کا ایک بہت بڑا وفد جس میں علاقہ بھر کے امراء بالعموم اور بندیال کے
روسا بالخصوص شامل تھے، حضرت فقیہ العصر کے پاس آیا کہ آپ مسلم لیگ کی حمایت
ترک کردیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "یہ مذہبی معاملہ ہے فقیر اپنا جھونپڑا کہیں
اور جگہ بنالے گا، مگر مسلم کی حمایت ترک نہیں کرے گا"۔ آپ نے مزید فرمایا: "میں
اعلان کرتا ہوں کہ میں تم سے دور ہوں اور تم مجھ سے دور ہو جاؤ، مجھے اللہ تعالٰی اور حضور
اکرم ﷺ کے مقابلے میں تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر

وہ تمام امراء آپ کا یہ جواب سن کر دم بخود رہ گئے اور خاموشی سے واپس چلے
گئے۔ آپ جیسے بزرگان دین کی کوششوں سے پاکستان بن گیا۔ آخر یہ آفتاب ولایت ۲۱/
محرم، ۶/دسمبر ۱۹۴۷ء کو اللہ تعالٰی کے حضور حاضر ہو گیا۔ ہر سال ۲۱، ۲۲/ محرم
الحرام کو آپ کا سالانہ عرس نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے جس میں ملک بھر
سے مقتدر علماء کرام اور مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں اور جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال
کے سینکڑوں فضلاء، مریدین اور متعلقین ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔

خلد میں شاداں رہے وہ کملی والے کے طفیل
اس کے مرقد پہ ہو اجمل رحمت رب غفور

استاذ العلماء علامہ محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی

پیر طریقت، استاذ العلماء تاج الفقہاء حضرت علامہ الحاج صاحبزادہ محمد
عبدالحق بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ بندیال شریف و مہتمم
مرکزی دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف، فقیہ العصر علامہ یار محمد بندیالوی
کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ پھر علامہ مولانا محمد سعید
آف ٹمن ملتان علامہ عبدالعزیز حفیظ بانڈی والے، مولانا محمد دین صاحب بدھو والے اور
ملک المدرسین حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ سے درس نظامی کی
تکمیل کی جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) سے حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد
سردار احمد قدس سرہ سے دستار بندی اور سند حدیث حاصل کی اور علامہ عبدالغفور
ہزاروی کے پاس دورۂ تفسیر بھی کیا۔ سید الاصفیاء حضرت خواجہ غلام محی الدین
المعروف باوجی سرکار آستانہ عالیہ گولڑہ شریف سے بیعت و خلافت کا خرقہ عطا ہوا۔ ایک
طرف تو آپ نے والد گرامی کی قائم کردہ عظیم درس گاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی
شروع فرمادیا اور انتھک محنت اور سخت کاوش سے یہ دار العلوم اب اہل سنت کے مدارس
کے صف اول میں شامل ہے۔ دوسری طرف طالبانِ سلوک کی جھولیوں کو گوہر مراد
سے پر فرما رہے ہیں اور آپ نے مولوی محمد امیر بندیالوی، مولوی غلام حسین، حافظ احمد
ہوا اور کئی دوسرے دیوبندی وہابی مولویوں کو کئی بار مناظروں میں شکست فاش دی۔
جب تحریک پاکستان چلی، تو آپ نے اپنے والد گرامی کے شانہ بشانہ کام کیا۔
جب دور دراز کے لوگ فقیہ العصر حضرت علامہ یار محمد بندیالوی کے پاس مسلم لیگ کی
حمایت کے لیے فتوٰی لینے آتے، تو فقیہ العصر کے حکم سے فتوٰی آپ ہی تحریر فرماتے
تھے۔ اسی دور میں موضع گولیوالی کا ایک با اثر شخص ملک کے پاس کسی کام کے سلسلے میں
آیا، ملک نے اس سے پوچھا ووٹ کس کو دو گے؟ اس نے کہا "علامہ یار محمد بندیالوی جس کو

کہیں گے"۔ ملک صاحب نے کہاہاں ان سے پوچھ لو۔ اس وقت بندیال کے قریباً تمام
ملک صاحبان اور وہابی دیوبندی مولوی یونینسٹ کے حامی تھے۔ وہ شخص جب فقیہہ العصر
علامہ یار محمد بندیالوی کے پاس حاضر خدمت ہوا، آپ نے صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب
کو فرمایا کہ اسے لکھ دو کہ ملک خضر حیات ٹوانہ نے مسلمانوں کو چھوڑ کر انگریزوں کے
ساتھ رابطہ پیدا کیا ہوا ہے اور ان کے اشارے پر کام کر رہا ہے، لہذا اس کو ووٹ دینا ناجائز و
ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یا یھاالذین امنوالاتتخذوا الیھود
والنصٰری اولیاء "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ"۔ چونکہ ملک
خضر حیات ٹوانہ نے نصاریٰ کو دوست بنایا ہوا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ تعاون ناجائز ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم
اولیا "اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ" انگریز اللہ
تعالیٰ کا دشمن ہے، ملک خضر حیات نے ان کو دوست بنایا ہوا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب
کرنا ضروری ہے اور اس کو ووٹ دینا ناجائز اور ممنوع ہے۔

جب ملک کو اس فتویٰ کا پتہ چلا، تو اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے صاحبزادہ محمد
عبدالحق صاحب کو بلا بھیجا۔ ملک کا زبردست رعب و دبدبہ تھا۔ بڑے بڑے بیباک اور
نڈر لوگ اس کے سامنے جانے سے گھبرا یا کرتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب اس کے پاس
گئے، اس نے کہا "کیا واقعی آپ نے ہمارے خلاف (یونینسٹ) کے خلاف فتویٰ لکھا
ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں لکھا ہے"۔ اس نے کہا آپ خضر حیات ٹوانہ کی مخالفت کر
رہے ہیں، حالانکہ اس نے آپ کے بھائی کو میو ہسپتال لاہور میں داخل کروایا تھا۔ آپ
نے فرمایا: "دنیاوی بات ہوتی، تو ہم خضر حیات ٹوانہ کی امداد کرتے۔ یہ مذہبی بات ہے
مسلم لیگ اسلام کے پرچم کو بلند کر رہی ہے اور کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے جو
ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس نے کہا دیوبندی ملک صاحبان

خضر حیات ٹوانہ کے ساتھ ہیں اور ان کے دیوبند مولوی ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور
آپ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "میں ملک صاحبان کو اپنی ناک کے بال کے
برابر بھی نہیں سمجھتا" اللہ والوں کی نظر عنایت تھی کہ ملک کچھ نہ کہہ سکا اور صرف
ملک سر فراز جنجوعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کیوں ملک سر فراز، میں نے مولوی
صاحب کو کچھ کہا تو نہیں، اس نے کہا نہیں۔ پھر صاحبزادہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔
اسی دور میں بندیال کے مقامی دیوبندی وہابی مولوی بھی حسین احمد مدنی، عطاء اللہ شاہ
بخاری، مولوی آزاد وغیرہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تحریک پاکستان کو پگڑیوں کا
جھگڑا قرار دے رہے تھے، بلکہ آدھی کوٹ، نور پور اور تھل کے دوسرے دیہاتوں میں
خضر حیات ٹوانہ سے پیسے لے کر تقریریں کر رہے تھے۔

پھر جب پاکستان بن گیا اور فوج میں بھرتی کے لیے نوجوانوں کو بھرتی کرنے
کا وقت آیا، تو دیوبندی ملک صاحبان میں سے کیپٹن ملک محمد افضل بندیال آئے، تو
انہوں نے علامہ محمد عبدالحق صاحب کی منت سماجت کی کہ آپ براہ کرام جہاد کے
موضوع پر تقریر فرمائیں، کیونکہ ہمارے مولویوں نے چونکہ تحریک پاکستان کی
مخالفت کی تھی، اس لیے اب وہ بیچارے پاکستان کے لیے فوج کی بھرتی کی ضرورت پر
زور کیسے دے سکتے ہیں؟ چنانچہ کیپٹن ملک محمد افضل بندیال حضرت صاحبزادہ صاحب
کو موضع بندیال کے علاوہ موضع جھجھ وغیرہ پر لے گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب
نے جہاد اور فوج میں بھرتی کی ضرورت واہمیت پر تقاریر فرمائیں۔

کیپٹن ملک محمد افضل مرحوم کا اس اہم موقع پر صاحبزادہ صاحب کو اس
طرح لے جانا اور صاف کہنا کہ ہمارے مولوی صاحبان کس منہ سے تقاریر کریں،
کیونکہ کل تک انہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی، اس بات پر مہر تصدیق کا

کام دیتی ہے کہ موضع بندیال کے دیوبندی وہابی مولویوں نے کیسی شدومد سے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

صاحبزادہ صاحب نے تحریک پاکستان کے علاوہ ملک وقوم، مذہب وملت کی بہتری کی خاطر چلنے والی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مثلاً تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ اور ہر مشکل مرحلہ پر اپنے علاقہ میں قوم مسلم کی ڈگمگاتی ناؤ کو اپنے عزم صمیم اور جہد مسلسل سے منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ آپ بیک وقت عظیم مفکر، بلند پایہ مدرس، مایہ ناز مفتی اور بے مثال خطیب بھی ہیں آپ علم کا وہ بحر ذخار ہیں جس کی ہر موج خود قلزم بآغوش ہے۔ آپ وہ نابغۂ عصر شخصیت ہیں، جن کی رگوں میں محبت رسول لہو بن کر موجزن ہے جن کے دل کی ہر دھڑکن سینہ پر عشق مصطفیٰ ﷺ کی ضرب لگاتی ہے۔ آپ کی پوری زندگی خدمت دین سے عبارت ہے۔ اسباق پڑھانا، شرعی فیصلے کرنا، باہر سے آنے والے علماء کی الجھنیں دور کرنا، متلاشیان عرفان دامنوں میں حب الٰہی اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے انمول موتی نچھاور کرنا۔ تبلیغی اصلاحی خطبات، یہ وہ مصروفیات ہیں، جن سے آپ کو فرصت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں کو پہنچ چکی ہے، چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد سعید رضوی کشمیری خطیب بریڈفورڈ لندن۔ صاحبزادہ جمال الدین شاہ کاظمی، کراچی آف خواجہ آباد شریف۔ مولانا محمد اقبال ڈیروی، کراچی۔ مولانا غلام محمد الحسنی بندیال۔ مولانا فیروز دین کراچی، مولانا اکرم سیالوی کراچی۔ مفتی محمد حسین کراچی۔ مولانا سرفراز قادری، ڈیرہ اسماعیل خان۔ مولانا محمد رفیق چشتی مرحوم۔ مولانا حافظ محمد ناظر، کراچی۔ علامہ علی احمد سندیلوی (جامعہ نعیمیہ) لاہور۔ مولانا محمد رشید نقشبندی، لاہور۔ مولانا محمد اشرف، لاہور۔ مولانا صاحبزادہ رضاء المصطفیٰ، ڈنگہ (گجرات)۔ مولانا شاہ نواز سیالوی، مدینہ کالونی، لاہور۔ مولانا محمد حنیف

سیالوی، قائد آباد۔ صاحبزادہ میاں علی اکبر (بالا شریف)۔ مولانا غلام محمد شرقپوری (جامعہ نعیمیہ) لاہور۔ صاحبزادہ علامہ سردار احمد کھرپڑ شریف۔ صاحبزادہ محمد اسماعیل الحسنی شاہوالہ۔ صاحبزادہ عبدالرحمٰن حسنی، شاہوالہ۔ صاحبزادہ سید معظم الدین شاہ کاظمی، خواجہ آباد شریف۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی

صدر الافاضل حضرت مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا محمد معین الدین نزہت تھا۔ ۱۹۲۰ء میں جب سلطنت ترکی کے تحفظ اور حمایت میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی، تو مشترکہ ہندو مسلم جدوجہد کا آغاز ہوا تاکہ ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہندو مسلم تعلقات اس حد تک پہنچ گئے کہ ہندو مقتدا اور مسلمان لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر شعائر اسلام کا بھی پاس نہ کیا گیا۔ ایسے موقع پر صدر الافاضل خاموش نہ رہ سکے اور مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے فرمایا:

"سلطنت اسلامیہ کی تباہی وبربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی وبربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر درد ہو کم ہے سلطنت اسلامیہ کی امانت وحمایت خادم الحرمین کی نصرت اور مدد مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے اور دین وایمان کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کے ساتھ متفق ہو کر جا ہے، درست ہے، پکارتے مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا، لیکن واقع یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر

عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے"۔

(حیات صدر الافاضل صفحہ ۹۹، مطبوعہ لاہور)

۱۹۲۳ء میں جب شدھی تحریک چلی جس کا مقصد مسلمانوں کا مرتد کرنا یا قتل کرنا تھا بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی جس کے تحت آپ نے دیگر علماء اہل سنت کے ساتھ فتنہ ارتداد کا بھرپور مقابلہ کیا۔

۱۹۲۴ء میں آپ نے مرد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا۔ اس پرچے میں دو قومی نظریہ کی بھرپور حمایت کی اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلعی کھولی۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبہ آباد میں ان افکار کا اظہد کیا جو ہمدی قومی تاریخ میں ایک نئے موڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ تاہم اس دور میں جب علامہ اقبال ان خیالات کا اظہار کر رہے تھے، ان کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں خوالہ آباد کا اظہار کر رہے تھے، ان کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں خوالہ آباد مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی بے رخی اور لاتعلقی کی کیفیت پائی جاتی تھی۔

علماء اہل سنت چونکہ شروع ہی سے ایسے افکار کے داعی تھے اور مسلمانوں کے الگ وجود کے تحفظ کی ضمانت چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اقبال کی واضح طور پر تائید کی۔ اس وقت صدر الافاضل نے "السواد الاعظم" جنوری ۱۹۳۱ء کے شمارے میں اقبال کے افکار کی تائید کرتے ہوئے لکھا۔

"ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار ہو، دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا، یہ ہندو اخبارات دیکھنے سے ظاہر ہو گا کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی۔ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے نفع

ملتا...... اس کو کون جانتا ہے کہ پردہ غیب سے کیا ہو گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا، لیکن ہندو اس وقت خالی بات بھی نوک زبان پر لانے کو تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو، اس حالت میں بھی کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس۔ کاش یہ حضرات اس وقت خاموش ہو جائیں اور کام کر لینے دیں"۔

(ترجمان اہل سنت، کراچی، اگست ۱۹۷۱ء)

جب اقبال پارک لاہور میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی، تو جن علماء اہل سنت نے اس کی پر زور تائید و حمایت کی، ان میں سے ایک صدر الافاضل بھی تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب بنارس کانفرنس منعقد ہوئی، تو آپ اس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا اجتماع اور ڈیڑھ دو لاکھ سامعین کرام کا جمگھٹا تھا، اس میں آپ کی بھرپور کوششوں سے یہ قرار داد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی "آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"۔ (حیات صدر الافاضل ص ۱۹۰)

اس کانفرنس کے بعد اس کی غرض و غائیت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اور نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کرنے کے آپ نے صوبہ جات مدراس، گجرات کاٹھیاواڑ، جوناگڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی پنجاب، بہار، کلکتہ، ہگلی، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی، چٹاگانگ، سلہٹ وغیرہ کے دورے کیے اور قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ تحریک پاکستان سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ چنانچہ مولانا ابو الحسنات قادری کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔"

(حیات صدر الافاضل ص ۱۸۶)

شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی ضلع ہزارہ کے ایک گاؤں موضع چمبہ میں ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ پھر لاہور اور دہلی کے مختلف دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بندیال میں حضرت استاذ الاساتذہ فقیہ العصر علامہ یار محمد صاحب بندیالوی سے اکتساب علم کرتے رہے۔

۱۹۳۶ء میں آپ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور پھر قیام پاکستان تک ہر طرح سے اس کی معاونت فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں تحریک ختم نبوت، تحریک خلافت، تحریک نیلی پوش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے لیے پشاور سے کلکتہ تک پیغام حق سنایا۔ جن دنوں آپ نے اپنے شب و روز مسلم لیگ کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ ان دنوں وزیر آباد احرار پارٹی کا بہت زور تھا۔ اس کے سدباب کے لیے آپ نے حضرت قائداعظم کو وزیر آباد میں مدعو کیا، چنانچہ قائداعظم تشریف لائے اور آپ کی جامع مسجد سے ملحقہ وسیع و عریض گراؤنڈ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس جلسہ کے بعد احراریوں کا زور ٹوٹ گیا۔ ایک مرتبہ سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں احرار کا معرکۃ الآرا جلسہ ہو رہا تھا، جس میں احراری مقررین اپنی لچھے دار تقریروں سے عوام کو نظریہ پاکستان سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ دوسری طرف علماء اہل سنت نے اپنا سٹیج لگا رکھا تھا۔ جب احراریوں کے اجتماع میں عوام کو کچھ زیادہ ہی کشش نظر آئی تو حضرت شیخ القرآن خود مائیک پر آئے اور ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا کہ لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پاس آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مخالف حضرات

کے پنڈال میں الو بولنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں وفور جذبات سے دیوانے ہو گئے اور فی البدیہہ ایک نظم پڑھی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا
چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
بند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ
کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تو اس وقت برصغیر کے ممتاز لیگی لیڈر تشریف فرما تھے۔ اہل سنت کی نمائندگی مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت شیخ القرآن کر رہے تھے۔ اول الذکر نے اس عظیم تاریخی اجتماع سے خطاب بھی کیا۔ حضرت شیخ القرآن، مولانا ظفر علی خاں سے پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں جب مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے انہیں باغی قرار دے دیا، تو مسلم لیگیوں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سب سے پہلے سعادت حضرت شیخ القرآن کے حصہ میں آئی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی دوسرے مقررین کے علاوہ آپ نے بھی اس تاریخی اجتماع سے خطاب فرمایا۔ آپ نے دوران تقریر محدث کچھوچھوی کے ان الفاظ کی پرزور تائید و حمایت فرمائی: کہ "پاکستان ایسا ملک ہو گا جس میں کسی خاندان یا کسی خاص شخصیت کی حکومت نہ ہو گی، بلکہ اسلام کی حکومت ہو گی، جس میں کسی کا استحصال نہ ہو گا"۔ (حضرت شیخ القرآن ص ۴۷)

تحریک پاکستان کے دوران آپ پر ایک مرتبہ مخالفین پاکستان نے قاتلانہ حملہ بھی کروایا، مگر بفضل خدا آپ بال بال بچ گئے۔

ضیغم اسلام مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو پنیالہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی ذوالفقار خاں تھا۔ ۱۹۳۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپنے چند درد مند ساتھیوں مثلاً میاں محمد شفیع (م۔ش) جسٹس انوار الحق، حمید نظامی اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے تعاون سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے پہلے صدر حمید نظامی منتخب ہوئے، دوسرے صدر محمد شفیع اور ۱۹۳۸ء میں مولانا نیازی تیسرے صدر چنے گئے۔ آپ نے فیڈریشن کا نیا دستور مرتب کرایا۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا نیازی نے دہلی میں قائداعظم سے ملاقات کے دوران انہیں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے خلافت پاکستان کی سکیم پیش کی۔ قائداعظم اس سکیم کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

YOUR SCHEME IS VERY HOT (یہ بہت گرم سکیم ہے)

مولانا نیازی نے جواب دیا:

BECAUSE IT HAS COME OUT FROM A BOILING HEART.

(یہ اس لیے گرم ہے، کیونکہ یہ ابلتے ہوئے دل سے نکلی ہے)

قائداعظم اس پر بہت خوش ہوئے اور اس کو مسلم لیگ کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کرنے کا وعدہ فرمایا۔

مارچ ۱۹۴۱ میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم کی زیر صدارت پاکستان کانفرنس منعقد کی، تو اس اجلاس کی مرکزی قرارداد پیش کرنے والے مولانا نیازی ہی تھے۔ اس اجلاس میں دیہی علاقوں میں تحریک پاکستان کو منظم کرنے کے لیے "پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی مقرر ہوئی، تو مولانا نیازی سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس

حیثیت سے مولانا نیازی کو قائداعظم کے ساتھ براہ راست خط وکتابت کا موقع ملا اور یہیں سے تعلقات کا آغاز ہوا۔

۱۹۴۲ء میں آپ ضلع میانوالی میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس حیثیت سے ساتھ ہی ساتھ انہیں صوبائی کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن بھی چن لیا گیا۔ ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کی صوبائی کونسل نے یہ قرارداد منظور کی۔ پاکستان کا آئین شریعت پر مبنی ہوگا۔ صوبائی کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی یہ تجویز منظور کرلی۔

۱۹۴۵ء میں مولانا نیازی نے میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا، کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس پر زندگی کے ہر مسئلہ پر نظریہ خلافت کے نقطہ نظر سے روشنی ڈالی گئی۔ جب قیام پاکستان کی منزل قریب آرہی تھی، تو مسلم لیگ میں ابن الوقت قسم کے اور کمیونسٹ ذہن رکھنے والے سیاست دان بھی شامل ہونے لگے۔ چنانچہ نیازی صاحب نے اپنے احباب کے تعاون سے پنجاب کونسل کے اجلاس میں کمیونسٹوں کو لیگ سے نکالنے کی قرارداد پیش کی گئی جو منظور کرلی گئی اور مسلم لیگ سے دانیال لطیفی، ڈاکٹر ذاکر مشہدی، شیر محمد بھٹی اور دیگر کمیونسٹوں کو نکال دیا گیا۔

۱۹۴۶ء میں آپ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر میانوالی سے ایم۔ ایل۔ اے منتخب ہوئے، لیکن لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود فرنگی گورنر نے سر خضر حیات ٹوانہ سے ساز باز کرلی اور اسے وزارت بنانے کی دعوت دی۔ مولانا نے صوبہ سرحد اور پنجاب کا طوفانی دورہ کرکے مسلمانوں کو منظم کیا۔ خضر حیات ٹوانہ جہاں جاتا، آپ اس کا تعاقب کرتے۔ میاں چنوں ضلع ملتان میں تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ خضر حیات نے تنگ آکر لالچ دینا چاہا، منہ مانگی مراد پانے کی پیشکش کی، تو مولانا نے فرمایا:

"میرے لئے دولت ایمان ہی کافی ہے"

زمین دینا چاہی تو فرمایا: "تم چند ایکڑ کی بات کرتے ہو، ہم چھ صوبوں کا

پاکستان مانگتے ہیں۔ شریک اقتدار ہونے کا لالچ دیا تو آپ نے فرمایا: اسلام کی دی ہوئی عزت کافی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب قائد اعظم نے کانگریس کی زیادتوں سے تنگ آکر ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا، تو نیازی صاحب کالج کی مصروفیات چھوڑ کر تحریک پاکستان کے لیے ہمہ تن وقف ہو گئے اور بالآخر پاکستان بنا کر دم لیا۔ آپ کی بے مثال خدمات کے اعتراف کے طور پر قائداعظم آپ کو اپنا معتمد خاص سمجھتے تھے۔ قائداعظم نے مولانا کی طرف بیسیوں خطوط لکھے۔

تحریک پاکستان اور دیگر علمائے اہل سنت

اختصار کے پیش نظر ہم صرف چند علماء و مشائخ کے تحریک پاکستان میں کردار کے تذکرہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ورنہ مذکورہ بالا علماء کے علاوہ مولانا آزاد سبحانی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا ابوالحسنات قادری، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی، مولانا ظہور الحسن صدیقی، سید زین العابدین گیلانی، مولانا حسرت موہانی، مولانا خلیل الدین، آزاد صدانی، حافظ کرم علی ملیح آبادی، مولانا غلام محمد ترنم، مفتی غلام معین الدین نعیمی، مولانا غلام قادر اشرف، میاں غلام اللہ شرقپوری، مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، پیر محمد فضل شاہ جلالپوری، پیر محمد شاہ بھیروی، مفتی مظہر اللہ دہلوی، پیر محمد حسن جان سرہندی، پیرزادہ محمد حسین عارف صدیقی، سید محمود شاہ گجراتی، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، پیر غلام مجدد سرہندی، مولانا عبدالماجد بدایونی، سید مغفور القادری جیسی ہستیوں نے بھی تحریک پاکستان میں بے مثال کردار ادا کیا۔ دوسرے علماء و مشائخ کے تحریک پاکستان میں کردار کے تفصیلی مطالعہ کے لیے "اکابر تحریک پاکستان" از محمد صادق قصوری اور "اکابر اہل سنت" از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کا مطالعہ زیادہ موزوں رہے گا۔

الہدیٰ فاونڈیشن کی چند دیگر قابل مطالعہ کتب

پیر طریقت علامہ عبدالحق بندیالوی

- جشن عید میلاد النبی پر اعتراضات کا علمی محاکمہ
- محققانہ خطاب

صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی

- تبلیغی جماعت سے اختلاف کیوں
- وہابی مذہب کی حقیقت
- جماعت اسلامی سے اختلاف کیوں
- شیعہ مذہب کی حقیقت

صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیالوی

- وسیلہ قرآن و سنت کی روشنی میں
- درود شریف کا ثبوت
- نذر و نیاز ما اہل بہ لغیر اللہ کا تحقیقی بیان
- فاتحہ کا ثبوت
- توحید و شرک کی حقیقت
- یا رسول اللہ پکارنے کا ثبوت

ایسٹ انڈیا کمپنی

اور

باغی علماء

مصنفہ

مفتی انتظام اللہ شہابی

مقدمہ

رائے محمد کمال

ایسٹ انڈیا کمپنی
اور
باغی علماء

مصنفہ
مفتی انتظام اللہ شہابی

مقدمہ
رائے محمد کمال

ملنے کا ایک پتہ:
مکتبہ رضوان ○ حضرت داتا گنج بخش رح روڈ، لاہور

○ کتاب ——— ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء
○ مولفہ ——— مفتی انتظام اللہ شہابی
○ مقدمہ ——— رائے محمد کمال
○ قیمت ——— =/۵۰ روپے
○ ناشر ——— زاویہ پبلشرز۔ لاہور

تاریخی شعور اور جغرافیائی حقیقت

یہ حقیقت ہے کہ جو قوم تاریخ کو بھلا دیتی ہے، جغرافیہ بھی اس قوم کو فراموش کر دیتا ہے مگر اس سے ایک بڑی اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے جغرافیہ کے تحفظ و بقا کا بیڑا نہیں اٹھاتے اور محض تاریخی مقبروں کے مجاور بن کر بیٹھ رہتے ہیں، تاریخ اپنے خوبصورت اوراق میں انہیں کبھی بھی جگہ نہیں دیتی۔

صلوا علیہ وآلہ

"زاویہ"

"میں نے اپنا یہ تاثر بارہا بیان کیا ہے کہ دور صحابہ کرامؓ کے بعد ایک خالص اسلامی تحریک ہونے کے اعتبار سے تحریک شہیدین کے ہم پلہ مجھے کوئی دوسری تحریک نظر نہیں آتی۔ اس تحریک کے قائد تھے بطل جلیل' پیکر تقویٰ' صحابہ کرامؓ کی سیرت کا نمونہ اور اخلاص و للہیت کا خورشید تاباں' جناب سید احمد شہید بریلوی اور ان کے دست راست تھے' حضرت مولوی شاہ اسماعیل شہید۔ مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے' جو تقویٰ اور تدین کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے آسمان علم' دین کے مہر درخشاں' بے مثال عالم' محدث' فقیہہ اور منقولات و معقولات کا حسین پیکر تھے۔ علاوہ ازیں اس تحریک میں سید شہید کی قیادت میں جو مجاہدین ہندوستان سے خالصتاً" سکھوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد اعلیٰ کے لئے ہجرت کر کے ایک نہایت طویل' کٹھن اور جانگسل دشواریاں عبور کر کے سرحد پہنچے تھے' ان میں ہر ایک صبرو تقویٰ کے آسمان کا روشن ستارہ تھا۔"" (۱)۔

مرقومہ بالا اقتباس' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (امیر تنظیم اسلامی) کے ایک خطاب کا ماحصل ہے--- سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کے حضور ہدیہء سپاس گزارنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے مگر ان کے افکار و کردار کے مخالفین کی تعداد بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ ہے---- "تصویر کا پہلا رخ" شاید اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ان کی خدمات کو سراہنے اور خراج تحسین پیش کرنے والوں نے خوب حق عقیدت ادا کر دکھایا اور دکھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے کارناموں کو تاریخ کے ایک زریں باب کے طور سے نصابی کتب کی زینت بھی بنا دیا گیا مگر اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی آواز کسی حد تک دبی ہوئی ہے اور جب

تک ان کے دلائل و براہین ضبط تحریر میں نہ لائے جائیں گے، حقائق واقعی کا سراغ کسی طور بھی نہیں مل سکتا۔۔۔۔ تاریخ کا چہرہ یکطرفہ عقیدتمندیوں کے گرد و غبار میں اٹ جائے تو امر واقعہ تک پہنچنا خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔ بناء بریں میں سمجھتا ہوں کہ اگر خالی الذہن ہو کر غیر جانب داری کے ساتھ مخالفانہ حوالہ جات پر غور و تدبر کریں تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ ان کا استدلال اور واقعات و تحقیقات کا معروضی مطالعہ بھی انتہائی ٹھوس اور دلچسپ ہے۔

سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد سے متعلق قدیم ترین و مستند ماخذ "تاریخ تناولیاں" ہے۔ اسے سید مراد علی (ملیگڑھی) منشی سرحد چوکی دربند، ضلع ہزارہ نے ۱۸۷۵ء میں تالیف کیا تھا۔ وہ "نویں داستان جنگ خلیفہ سید احمد بریلوی ملقب بہ سید بادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"۱۸۰۳ء میں خلیفہ سید احمد نے یار محمد خان حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خان والی کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کر کے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا۔ فتح خان رئیس پنجتار و دیگر سرداران و رئیسان ملک اور سربلند خان قوم پلال جوق در جوق پیر و بیعت خلیفہ ہو کر مقام پنجتار میں فراہم تھے۔ الا سردار پائندہ خان نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔ آخر بہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل بمقام موضع عشراہ پائندہ خان سے ملاقی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب زبانی و شیریں بیانی سے قصہ بیعت کا چھیڑا مگر سردار موصوف نے سوائے لیت و لعل جواب صاف نہ دیا۔ ناچار خلیفہ مع مولوی محمد اسماعیل واپس پنجتار میں آیا۔ اس اثناء میں سردار مدد خان بہادر خورد سردار پائندہ خان نے بصد سوز و گداز و ہزاراں درد و داغ حاضر خدمت ہو کر بیعت کا دم بھرا۔۔۔۔ القصہ پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خان فتویٰ کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان

برہمونی سربلند خاں و مدد خاں عزم جنگ پائندہ خان پر مستعد ہوا۔ ان روزوں قصبہ انب محاذی کرپلیاں آنزوی دریائے اباسندہ آباد تھا، خلیفہ نے مع لشکر پنجتار سے کوچ کر کے بعد طے منازل موضع کنیرڑی میں مقام کیا۔ ادھر سے پائندہ خاں مع رحمداد و مہندا خان جمعداران و افواج قلمی و ملکی سوار و پیادہ متصل موضع مذکور آ موجود ہوا اور لشکر طرفین میں آتش قتال شعلہ زن ہوئی۔ اس روز کی گیر و دار اور کشت و خون کا کیا بیان کیا جائے کہ سینہ خامہ چاک اور دفتر آلودہ بخاک ہے۔ فوج پائندہ خان سے مسمیان عظیم قوم حجام و خانباز و ہاشم علی و کمال و سعد اللہ کام آئے اور سید محمد و نور محمد و مہندا خان جمعدار زخمی ہوئے۔ خلیفہ صاحب کے بھی بہت سے ہمراہی کسوت حیات سے عریان و بے جان ہوئے۔ نفس الامر میں خلیفہ سید احمد کی سپاہ نے نہایت داد مردانگی دی۔۔۔۔ پائندہ خان گردش زمانہ ناہنجار سے تنگ آ کر شکست فاش کھا کر اس روز مقام انب سے مع عیال و اطفال و اسباب دریائے اباسندہ اتر کر براہ موضع بانڈی کے موضع شمدہرہ علاقہ اگرور میں وارد ہوا۔ دوسرے دن خلیفہ انب میں تشریف لایا، دام چرب زبانی بچھا کر درس وعظ کا دانہ بکھیرا اور آہستہ آہستہ ملک تنول کا منگوا لیا۔ تمام رعایائے تنول مطیع خلیفہ ہو گئی، تب خلیفہ نے اپنے ہمشیرہ زادہ مولوی احمد علی کا پانچسو نفر پیادہ کی جمعیت دے کر باتالیقی سربلند خان و سردار مدد خان برادر پائندہ خان و محمد عباس بمراد انتظام ملک جانب موضع بھلاڑہ روانہ کیا۔ الاحسب وعدہ پرگنہ بھلاڑہ سردار مدد خان برادر پائندہ خان کو عطا نہ فرمایا۔ الحق حکومت کی چاٹ بلا ہے، نہ کچھ عہد ہے نہ وفا ہے۔ الغرض ملک تنول پر حکومت خلیفہ کی ایک چھ ماہی مع الخیر گزری اور معاملہ یعنی محصولہ ایک فصل کا خلیفہ نے وصول کیا۔ بہرحال دیکھ کر پائندہ خان کا دم ناک میں آیا سخت گھبرایا۔ ہر طرح دہن لڑایا، کچھ بن نہ آیا۔ آخر ایک عجز آمیز خط بہ طلب کمک سردار ہری سنگھ کے نام جو اس وقت بہ خوف فساد خلیفہ سید احمد مع لشکر قلعہ مانسہرہ میں مقیم تھا، ارسال کیا...... جب یہ خط سردار کی نظر سے گزرا بلکہ گرگ باراں دیدہ تھا اول جمیع پہلو اس نے بہ تامل تمام

سوچے یہاں تک کہ رائے متین نے یوں مشورہ دیا کہ خلیفہ سید احمد اور پائندہ خان اپنے دونوں دشمن ہیں اور خلیفہ ملک تنول کو فتح کر چکا ہے۔ آئندہ ملک پھطلی میں ہاتھ ڈالے گا۔ ملک ستانی کا حوصلہ نکالے گا۔ پائندہ خان کو کمک دے کر خلیفہ سے لڑوانا عین مصلحت اور محض صلاح وقت ہے بہر حال ایک نہ ایک دشمن نابود ہو گا۔ ہر طرح اپنا سود ہو گا۔"(2)۔

تاریخ تناولیاں کے مطابق سید احمد شہید بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید کی سرحد میں آمد سے قبل خوانین کی سکھوں سے کئی جنگیں ہو چکی تھیں اور اس واقعہ کے بعد بھی جھڑپیں ہوتی رہیں مگر جونہی سید بادشاہ کا قافلہ اترا تو ان کے جہاد کی ابتداء پٹھانوں کے قتل و غارت سے ہوئی---- لہٰذا مقامی مسلمان عسکری اعتبار سے کمزور اور سکھ مضبوط ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ قبل ازیں سردار پائندہ خان نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو پے در پے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ مورخین کے ایک طبقہ نے تاریخی حقائق کے اظہار و بیان میں بھی عقیدت کیشی اور مصلحت کوشی سے کام لیا اور من چاہے نتائج اخذ کئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ زیب داستان کے لئے بات کو کچھ بڑھا بھی دیا گیا۔

میری معلومات کے مطابق تاریخی صداقتوں میں یہ تنازع اس وقت پیدا ہوا جب مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں تحریک مجاہدین بالا کوٹ کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کیا۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ جوش آزادی سے قبل سید بادشاہ کی تحریک کو محض سکھوں کے خلاف بیان کیا جاتا رہا۔ اور جب برطانوی راج کی گرفت ڈھیلی پڑی تو یہ انگریزوں کے دشمن بھی قرار پا گئے۔ سر سید احمد خاں "رسالہء اسباب بغاوت ہند" میں یہی موقف اختیار کرتے اور دیگر زعماء ان کی تائید فرماتے ہیں۔ تب اس تحریک کو انگریز حکومت کا خیر خواہ کہا گیا اور زمانے نے دوسری کروٹ بدلی تو یہ ان کے اصل حریف ٹھہرے۔ مولانا غلام رسول مہر ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ یہ تاریخ دانی کا اپنا ایک خاص نظریہ رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں:

"میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو۔"(3)۔

مہر صاحب کی یہ عقیدت مندی جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ مجاہدین بالا کوٹ کا تذکرہ لکھنے بیٹھے تو ان قائدین کے بیانات کو بھی نظر انداز کر دیا، جو اس تحریک میں شامل یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے۔ اسی طرح انہوں نے محل وقوع اور واقعات پر مشتمل سو برس پہلے لکھی گئی تواریخ کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیر محمد نبی صاحب نے مہر صاحب سے تاریخ تناولیاں اور تاریخ ہزارہ کے متعلق استفسار کیا تو جواب میں اول الذکر کے متعلق کہا، امید نہیں کہ ہاتھ آئے اور "تاریخ ہزارہ" کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان دونوں کتب کے علاوہ "تاریخ پشاور" بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لاہور کی لائبریریوں میں بھی موجود تھی۔(4)۔

ان تاریخ ماخذوں میں سے دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

"وہ خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے مشورے سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے ----- یہ خلیفہ سید احمد لاہور وغیرہ (سکھوں) کی طرف نہیں جاتا۔ یہ صرف اس کی باتیں ہیں، اصل غرض اس کی ہمارے ملک کو پامال کرنا ہے۔"(5)۔

بناء بریں یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غلام رسول مہر صاحب سے قبل ایک ایک حوالہ ان کے اس وضعی موقف کی تردید و تکذیب کے لئے کافی ہے:

"ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے، جو عقیدۂ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔"(6)۔

اس باب میں سید بادشاہ (احمد شہید بریلوی) کے ایک ثقہ عقیدت مند کی یہ

تاریخی تحقیق بھی ازحد اہم اور ان کی منصفانہ رائے بالخصوص قابل توجہ ہے۔

"اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ دراصل سید احمد شہید کا مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا' سکھ تو ویسے ہی درمیان میں آ گئے۔۔۔۔ اگر سکھ آزادیء وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔۔۔۔ سکھوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا' مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور صاف اور سچی بات یہی ہے کہ ہرگز ہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سرسید (جو حضرت شہید کے سب سے قریب العہد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔"(7)۔

مرقومہ پارہ عبارت "مقالات سرسید" کے مرتب کے زاویہء تحقیق کا جزو ہے۔ وہ اپنی رائے حاشیے میں بیان کرتے ہیں:

"سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سرسید کے اس بیان کی تائید متعدد مورخین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (اہلحدیث) نے "ترجمان وہابیہ" مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۸ پر نیز "سوانح احمدی" مولفہ محمد جعفر تھانیسری (مجاہدین مذکور کے سوانح نگار و پیروکار) بیس مقامات پر' اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موسوم بہ "حیات طیبہ" کے صفحات ۱۵۹' ۲۹۲' ۲۹۴ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔"(8)۔

سر سید احمد خان' جو کہ اس تحریک کے زمانے میں موجود تھے' فرماتے ہیں:

"اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے' وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی

اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں' اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔"(9)۔

مزید برآں یہ کہ سرسید مرحوم نے ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے اور اس کی دستاویز "OUR INDIAN MUSLIMANS" (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کو جھٹلاتے ہوئے کمشنر اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر حکومت برطانیہ کے فیصلہ کو بھی سپرد قلم کیا:

"ان سے تعرض نہ کیا جائے' کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔"(10)۔

اثنائے وعظ میں استغنا کا تذکرہ سرسید احمد خاں کے علاوہ مولوی محمد جعفر تھانیسری صاحب نے بھی بیان فرمایا' ان کے الفاظ یہ ہیں:

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"(11)۔

ایک نامور تذکرہ نگار و اسلامی تحاریک کے مورخ شیخ محمد اکرام صاحب' مزید وضاحت قلمبند فرما گئے ہیں:

"مولوی محمد جعفر تھانیسری جنہیں وہابیوں کے مقدمہء سازش میں حبس دوام ،عبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی' اپنی کتاب "سوانح احمدی" میں لکھتے ہیں' جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے' کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں' وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کرکے ملک

ہندوستان لے لو' یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا...... سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے..... سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔" (12)۔

مولوی محمد جعفر تھانیسری کوئی عام شخصیت نہ تھے بلکہ مسعود عالم ندوی صاحب نے ان کی کتاب کو اردو زبان میں سید شہید کی سب سے پہلی مرتب سیرت قرار دیا---- غلام رسول مہر کے بقول "اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے"---- شیخ دیوبند مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا "حضرت سید صاحب کے مستند سوانح نگار ہیں"---- اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے بدیں الفاظ مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ "سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے خاص رکن اور بڑے رازدار تھے۔" (13)۔

اب "حیات طیبہ" کے حوالے سے مزاج فتوئی پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں الفرقان شہید نمبر صفحہ ۵۱ میں مندرج ہے کہ "دوسری کتاب مرزا حسرت مرحوم کی حیات طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ شہید صاحب نے دوران وعظ انگریزوں سے متعلق یوں ارشاد فرمایا تھا:

"ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔" (14)۔

سرسید احمد خاں نے مزید تحریر فرمایا:

"وہ (مجاہدین) اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ

کرنا نہایت ممنوع ہے۔" (15)۔

اس بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی کی رائے بھی اپنے اندر حقائق کا بحر بیکراں رکھتی ہے:

"ایک دفعہ میں سرحد پار بنیر کے مقام پر گیا...... میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے' ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا' وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو "مجاہدین" کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے' کس بری حالت میں ہے اور اس کی گزرن اور اس کی زندگی کس طرح صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہین منت ہے۔" (16)۔

سید بادشاہ کے معتبر سوانح نگار نے برطانوی انتظامیہ کی طرف سے ان کی دعوت طعام کا واقعہ بھی قلمبند کیا ہے:

"ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا' بہنگیوں میں رکھوائے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب (شاہ صاحب) کہاں ہیں؟...... بعد سلام و مزاج پرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوریء حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے۔ سو آج انہوں نے مجھ کو خبر کردی۔ یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہوں۔ براہ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً" وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو۔" (17)۔

سید احمد شہید بریلوی کے سگے بھانجے سید محمد علی صاحب بھی شریک طعام تھے۔ انہوں نے ابتداء سے آغاز جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام "مخزن احمدی" رکھا۔ انہوں نے آنکھوں دیکھا یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ بناء بریں ابوالحسن ندوی صاحب بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ نیز ندوی صاحب ایک اور واقعہ بھی ضبط تحریر میں لاتے ہیں:

"موضع اسرولی سے چار میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر وہ فرنگی آیا تو آپ نے فرمایا' "تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے"۔ سو آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ اس دن اس کی دعوت کھائی"---- موصوف نے حاشیے میں تصریح فرمائی ہے "اس انگریز کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لئے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی' یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا۔"(18)۔

محمد اسماعیل پانی پتی حاشیہ مقالات سرسید' حصہ شانز دہم صفحہ ۲۵۱ پر رقمطراز ہیں کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے--- باوجود اس کے مولانا غلام رسول مہر' بغیر کسی تاریخی سند کے فقط جوش عقیدت یا شاید کشف و الہام کے ذریعہ سپٹا کر ایک نیا راگ چھیڑ دیتے اور فرماتے ہیں:

"آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے؟ جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا جا رہا ہے۔"(19)۔

"چند تاریخی غلطیاں" کے عنوان سے ابوالمعالی صاحب کا نقطہء نظر بجائے خود ایک دلچسپ کہانی ہے:

"تحریک کے شیدائیوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کر دیا' وہ عین حالات کا تقاضا تھا۔ تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرتے۔"(20)۔

محمد میاں نے "اسلامی حریت کا علمبردار" نامی اپنے مضمون میں بڑی انوکھی دلیل دی ہے:

"انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے لئے سکھوں پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت ایک لاکھ سے متجاوز ہونے لگی تو آپ کی جمعیت میں عقائد کے متعلق اختلاف پیدا

ہوا یا کروا دیا گیا۔"(21)۔

مکتوبات کی کہانی (دو ناقابل تردید حوالہ جات)

"سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ظالم سکھوں سے تھا' جنہوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ سرکار انگریزی سے۔"(22)۔

"سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخاصمت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے' کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔"(23)۔

اس موقع پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگریز حکام سید صاحب کے کاروان اور تبلیغ جہاد کو کس زاویے سے دیکھتے تھے؟ اس کا جواب ایک واقعہ سے ملتا ہے' جسے ابوالحسن علی ندوی صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رقم کیا:

"عظیم آباد پٹنے کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جا کر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں' ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے۔ حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کی جائے۔"(24)۔

عام طور پر مجاہدین تحریک بالاکوٹ کے کارناموں کو اجاگر کرنے لئے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے حوالے دیئے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسے سند کے طور پر لایا جاتا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی مختصراً' رسالہ مذکور کی وجہ ء تالیف اور اس کے مفرات و مضمرات کو زیر بحث لانا ممکن ہے' تاہم ابتداء سے ہی ہنٹر صاحب کے غلط اندازوں کا شدومد سے رد کیا گیا۔

"اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا تھا۔ جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہئے۔ دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی، جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی۔" (25)۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سید بادشاہ نے انگریزوں سے مصلحتاً پنجہ آزمائی نہیں کی تو یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ ان کے خیر خواہ و حاشیہ بردار بھی تھے۔ میں ذاتی طور سے اس پہلو پر کوئی رائے نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں اس دشت میں الجھنا چاہتا ہوں لیکن مجاہدین کے چاہنے والے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت تک سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت تک دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔" (26)۔

ایک اور قابل اعتماد شخص حقیقت حال کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں:

"منافقین نابنجار اور کفار بدکردار نے حسد اور خوف سے حکومت برطانیہ کے عمال کو برانگیختہ کر دیا، تاہم بنصرت اللہ العزیز وہ خائب و خاسر رہے۔ سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادۂ جہاد کرتے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے۔" (27)۔

بعض اوقات انگریزوں کی طرف سے سید بادشاہ کے اعزاز و اکرام میں باقاعدہ دعوتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ مہر صاحب ایک واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"سپاہیوں نے دعوت طعام پر اصرار کیا تو فرمایا۔ اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہوں، پکایا جائے۔ انہوں نے مان لیا۔" (28)۔

کانپور سے ایک انگریز کی داشتہ کی عقیدت مندی اور دوسرے موقع پر نماز عشاء کے بعد میزبان گورے کی ملاقات و مدارات مسلمہ ہے۔ منذود صاحب ایک فرنگی کی میم اور انگریزی کمپنی کے وکیل کے ہاں قیام پذیر ہونا بھی تاریخ کا حصہ ٹھہر چکا۔

ایک اور چونکا دینے والا تاریخی انکشاف!

"۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب، امیر خاں (نواب ٹونک) کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرا دی اور آپ ہی کے ذریعے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹینگ، سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ جس میں امیر خان، لارڈ ہیسٹینگ اور سید احمد شامل تھے۔

سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں تو تمہاری اولاد کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ انگریزوں کی قوت دن بدن ترقی پذیر ہے اور تمام قوتیں پے در پے تنزلی کا شکار رہیں۔ تمہارے بعد فوج کو کون سنبھالے گا اور ان کو عظیم الشان لشکر انگلشیہ کے مقابل میں کون میدان جنگ میں لائے جائے گا۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آ گئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گزارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں آرام سے بیٹھوں۔ امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورہ کے بعد سید احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصے دے کر امیر خان سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوایا اور بھوپال سے سرونج۔ اس طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل و قال

کے بعد انگریزوں سے دلوا کے بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔"(29)۔

موج کوثر میں شیخ محمد اکرام صاحب کی یہ محققانہ رائے کہ انگریزوں نے سید صاحب کے اعلانیہ جہاد اور اس کی تیاری میں کوئی رکاوٹ نہ کی تھی۔ نیز مولانا فضل حسن بہاری (اہلحدیث عالم دین) کا یہ توثیقی بیان۔ "آپ (شاہ اسماعیل دہلوی صاحب) اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کرکے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے پنجاب پہنچے۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔"(30)۔ دشمنی کا ایک عجیب فلسفہ ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے' اسی لئے انگریزوں نے مجاہدین کے بارے میں نرم رویہ رکھا اور ان کا حوصلہ برابر بڑھاتے رہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب (موصوف سید بادشاہ کے مکتبہء فکر سے تعلق رکھتے تھے) کے جریدے میں تجزیہ کیا گیا:

"مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔"(31)۔

آپ کے ہی پیروکاروں میں سے ایک اور بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

"سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"(32)۔

شیخ جامعہء دیوبند نے بھی بقلم خود حقیقت حال درج فرمائی ہے:

"جب سید احمد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔"(33)۔

جن دنوں سید صاحب مع مجاہدین سرحد میں قیام فرما تھے' مولوی خیر الدین صاحب نے آپ کے سفیر کی حیثیت سے جنرل انٹورا سے ملاقات کی۔ باہم گفت و شنید میں ایک مسئلہ سکھوں سے جہاد سے متعلق تھا۔ بڑا دلچسپ مکالمہ ہوا' ملاحظہ کیجئے!

جنرل انٹورا :- آپ کے نزدیک جیسے کہ سکھ قوم کافر ٹھہری' ویسے ہی ہم نصرانی بھی ہیں یا کچھ فرق ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب :- کفر میں دونوں برابر ہیں۔

جنرل انٹورا :- ملک ہندوستان میں خلیفہ صاحب کے لاکھوں جانثار مرید' بڑے بڑے زمیندار اور نواب ہیں اور اس وقت تمام ہندوستان نصرانیوں کے قبضہ میں ہے۔ پھر جب نصرانی اور سکھ دونوں کفر میں برابر ہیں تو خلیفہ صاحب نے اپنے لاکھوں مریدوں کو جمع کرکے گھر بیٹھے بٹھائے انگریزی سرکاری سے جہاد کیوں نہیں کیا؟ ناحق دور دراز سفر کی محنت و مشقت اٹھا کر سکھوں سے لڑنے کو آئے۔

مولوی خیر الدین صاحب :- ہم کو سرکاری انگریزی کسی فرائض منصبی کے ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ ہر مذہبی امر میں ہم کو پوری آزادی دے رکھی ہے۔ برخلاف سکھوں کے کہ انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو ذلیل کرکے بلند آواز سے اذان تک کہنا منع کر رکھا ہے۔ اگر کوئی مسلمان بقر عید پر بھی قربانی کرے تو خالصہ سرکار ان کو جان سے مار ڈالے۔ یہی سبب ہے کہ خلیفہ صاحب انگریزوں کو چھوڑ کر سکھوں سے جہاد کرنے کو آئے۔"(34)۔

کہا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور آپ کے رفقاء و خلفاء کے جہاد کا دائرہ فقط سکھوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ گوروں کو بھی بلاد ہند سے نکالنا ان کے مقاصد میں شامل تھا۔ بلکہ بعض تو ڈاکٹر ہنٹر کی رپورٹ موسوم بہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کی

رعایت سے بڑی شدومد کے ساتھ دعویٰ کرتے اور بہتے ہوئے پانی پر بنیاد مکان رکھتے ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی نے انگریزوں کے بھی اوسان خطا کئے رکھے۔ ہوا کو مٹھیوں میں بند کرنے کا یہ بے سروپا کھیل مولانا غلام رسول مہر کی تحقیقات و تالیفات سے شروع ہوتا ہے۔ موصوف نے سید احمد شہید' سرگزشت مجاہدین اور جماعت مجاہدین وغیرہ کے نام سے اس بارے میں ایک طویل دفتر لکھ مارا۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں انہیں کئی سنگلاخ راستوں سے گزرنا پڑا اور بہت سے سفر کئے۔ لہٰذا اس کی تفصیل و کیفیت انہوں نے ماہنامہ "ماہ نو" کراچی کے ایک شمارے میں بعنوان "سید احمد شہید۔ ایک کتاب کی سرگزشت" میں تحریر فرمائی۔ بقول ان کے' انہیں کتابوں کی سب سے زیادہ معلومات سید عبدالجبار شاہ ستھانوی سے ملیں۔ ستھانوی صاحب' سید احمد شہید بریلوی کے جہاد کو صرف سکھوں تک محدود سمجھتے اور بیان کرتے تھے۔ یہ روداد مولانا مہر کے قلم معجز رقم سے یوں شائع ہوئی:

"۱۹۳۳ء میں میری ملاقات سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی مرحوم سے ہوئی وہ دور حاضر کے ایک جلیل القدر فرد تھے۔ جن کے امتیازی اوصاف و محاسن کا تفصیلی ذکر یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا۔ تاہم اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ وہ شیر خوار تھے' جب ان کے خاندان کے تمام افراد شہید کر دیئے گئے۔ وطن سے باہر انہوں نے تعلیم و تربیت پائی' پھر اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ریاست امب کے مشیر و وزیر بنے۔ دو سال سوات کے بادشاہ بھی رہے۔ سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ دائرۃ المعارف ہیں۔ انہوں نے متعدد ضخیم جلدیں مرتب کر دیں جو علاقہ سرحد اور علاقہ آزاد کے ایک ایک رئیس' ایک ایک قبیلے' ایک ایک خط کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ وہ بھی سید صاحب کے جہاد کو سکھوں تک محدود سمجھتے تھے۔ ان کا خاندان تین چار پشتوں سے سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے مخلص رفیقوں میں چلا آتا تھا۔ اس وجہ سے سید عبدالجبار شاہ کی معلومات صاحب البیت کی معلومات بن گئی تھیں۔" (35)-

لوگوں کا خیال ہے کہ ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود مولانا مہر' الٹی سمت میں جولانیء طبع دکھانا اور اپنے قلم کا لوہا منوانا چاہتے تھے۔ رنگ آمیزی اور جدت طرازی اس پر مستزاد۔ وگرنہ اس کی کوئی واقعاتی شہادت موجود نہیں۔ اس بارے میں یہ رائے بھی قائم کی جاتی ہے کہ سید صاحب کے مذہبی عوام نے حسن عقیدت یا غلو عقیدت کی وجہ سے مذکورہ تاریخی افسانوں کو بالکل سچ سمجھنا اور سمجھانا شروع کیا۔ چلتے چلتے یہ نقطہء نگاہ اپنا جادو دکھا چکا۔ چونکہ موجودہ نسل میں روایت پرستی' کور ذوقی' اور بے بصری بدرجہء اتم پائی جاتی ہے اور حکومت پاکستان کو تاریخ کے پر پیچ گیسو سلجھانے سے بھی دلچسپی نہیں رہی' اس لئے خواب و خیال کے حوالے بھی سند ٹھہر گئے۔ مزید ستم یہ ہوا کہ تحریک مجاہدین بالاکوٹ کے تاریخی خدوخال مسلکی غازے سے زیادہ منسوب رہے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی چہرۂ صداقت کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے مقدر میں "فرقہ پرست" کی پھبتی اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔ یہی سبب ٹھہرا کہ آج تک حقیقی منظر نامے پر غور و فکر نہیں کیا جا سکا۔

"جب یہ مجاہدین سکھوں سے جہاد کے لئے سرحد گئے تو (انگریزوں نے) ان کے بیوی' بچوں اور املاک کی پوری پوری حفاظت کی اور بعد میں ہندوستان سے جو مالی اور افرادی اعانت ہوتی رہی اس میں بھی رخنہ اندازی نہیں کی۔ اگر سید صاحب سرحد میں جا کر انگریزی حکومت سے جہاد کا اعلان کرتے تو انگریز' مجاہدین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ ان کے رشتہ داروں کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے اور جائیداد ضبط کر لیتے لیکن ایسا نہ ادھر سے ہوا اور نہ ادھر سے کارروائی ہوئی۔" (36)-

مجاہدین تحریک بالاکوٹ سے متعلق آج تک کسی تذکرہ یا سوانح میں منقول نہیں کہ سید صاحب یا کاروان میں شامل دیگر رضاکار اپنے بیوی و بچوں کو اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔

معترضین کا موقف ہے کہ سید صاحب کو حریت پرور اور مرد غیور اس لئے سمجھا گیا کہ وہ انگریزوں کی ناک کے عین نیچے یعنی پنجاب اور نواح دہلی میں کھلے عام

سکھوں سے لڑنے کا اعلان اور تیاری کرتے تھے مگر کوئی مداخلت نہ کرتا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کے ظلم و تعدی کی آندھی چارسو چل چکی تھی اور عوام ان کے سائے سے بھی ڈرتے۔ سید صاحب نے سکھوں سے کھلے بندوں لڑائی کا عندیہ دیا تو قیادت سے محروم، جذباتی لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سمجھے کہ اب ہمارے دن پھرنے کے دن بھی آ گئے ہیں مگر انگریزوں کی یہ نرم پالیسی بلکہ سرپرستی بلاوجہ نہ تھی۔ اندرون خانہ تو کچھ اور ہی تیور دیکھے گئے۔ مولانا جعفر علی تھانیسری لکھتے ہیں:

"اس وقت ہر شہر، قصبہ و گاؤں پر برٹش انڈیا یعنی انگریز علمداری واقع تھی۔ ہند میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا مگر براہ دور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی و مغربی کو بھی سکھوں کے خلاف جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔" (37)۔

مرزا حیرت دہلوی صاحب بھی بین السطور یہی مفہوم بیان کرتے ہیں:

"سید احمد صاحب نے عام طور پر دھڑلے سے اپنے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دے دی کہ سکھوں پر جہاد کرنے کے وعظ ہوں۔ اکثر شہروں میں وعظ ہونے شروع ہوئے..... لوگوں کے دلوں میں تحریک پھیل رہی تھی، اب عام طور پر ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سید احمد صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرنے کو ہیں، سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری کے امن میں خلل نہ پڑے، ہمیں کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری کے مانع ہیں۔" (38)۔

یہاں بھی مولانا غلام رسول مہر کا موقف دیدنی تھا۔ وہ اور ان کی اتباع میں

بعض دیگر افراد بھی مذکورہ کتابوں پر الزام وارد کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں سوانح نگار، انگریز کے حامی اور خیر خواہ تھے، اس لئے سید صاحب کے نقطہء نظر میں تبدیلی کر دی۔

اس باب میں بھی مولانا مہر کی تحقیق بوجوہ معتبر تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ محقق حضرات کہتے اور قرائن موجود ہیں کہ موصوف کی طرف سے یہ سراسر الزام بلکہ بہتان ہے، کیونکہ انہوں نے انگریز مورخ ڈاکٹر ہنٹر کو جس جرات سے لتاڑا، یہ انہی کا حصہ تھا۔(39)۔

مذکورہ بالا حقائق و واقعات کی بنیاد پر بلا خوف تردید ثابت کیا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور ان کے پیروکاروں و رضاکاروں کا انگریزوں سے ٹکرانے کا ہرگز کوئی پروگرام نہ تھا بلکہ ان میں تو دوستانہ و موافقانہ تعلقات دکھائی دیتے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف "فسانہء جہاد" کی کوئی بنیاد نہیں۔ واقعی، سید بادشاہ کے حامیوں نے اس بارے میں مبالغے سے کام چلا رکھا ہے۔ لیکن سکھوں سے جدال و قتال کے باب میں بھی بعض تلخ حقائق منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔ یہ انتہائی دلچسپ مگر ایک مورخ و محقق کے لئے از حد پیچیدہ صورتحال ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی وغیرھم کی سکھوں سے کہیں زیادہ جنگیں مسلمانوں کے خلاف ہوئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے نامانوس عقائد و افکار سے مذہبی منافرت و منافقت کو ہوا ملی اور لاتعداد کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ سید بادشاہ نے آغاز جہاد اکوڑہ میں ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء سے فرمایا اور آخری معرکہ بالاکوٹ میں چھ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا۔ اس مدت کے دوران میں آپ نے چھوٹی بڑی پندرہ لڑائیاں کیں۔ ان میں سے سکھوں کے خلاف جنگوں کی تعداد محض پانچ ہے۔ مزید برآں یہ کہ ان میں بھی باقاعدہ جنگ صرف ایک ہوئی، چار شب خون مارے گئے تھے اور سرحدی مسلمانوں کے خلاف نو جنگیں لڑی گئیں، ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

○ جنگ اوتمان زئی ○ جنگ ہنڈ اول ○ جنگ زیدہ ○ جنگ ہنڈ دوم ○ جنگ

کنیر ڑی ○ جنگ کھلابٹ ○ جنگ مردان ○ جنگ مایار ○ جنگ چھتر بار۔

یہ لوگ شاہ صاحب کے نزدیک کافر و منافق اور سکھوں سے زیادہ خوفناک و خطرناک تھے۔ الغرض سکھوں سے جنگ و جدل کا معاملہ کئی لحاظ سے تشنہ طلب ہے۔ مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں' ان کے کوئی معقول جوابات نہیں بن پڑتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہنوز یہ پہلو خالصتاً" تاریخی و تحقیقی نقطۂ نگاہ سے کبھی زیر بحث نہیں لایا گیا۔ الزامات رفع کرنے کا انداز سراسر جذباتی اور مذہباتی ہوتا ہے۔ میں اس بارے میں بوجوہ کوئی رائے صادر نہیں کر سکتا' تاہم دیانت داری سے خیال کرتا ہوں کہ معترضین کے موقف میں استدلالی روح موجود ہے۔ مجاہدین مذکور کے کردار و عمل پر چند ایک اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

○ اگر یہ لوگ انگریزوں سے ٹکرانا چاہتے تھے تو ان علاقوں میں حریت و آزادی کا پرچم بلند کرتے جو کہ دشمنوں کے زیر نگین آ چکا تھا' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء نے گوروں سے جنگ و جدل کا کبھی کوئی اشارہ یا پروگرام نہیں دیا' انگریز بھی ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ وہ کبھی ان کی تیاریوں میں مزاحم نہیں ہوئے اور یہ کہ فریقین میں اعتماد کی فضاء قائم تھی۔

○ اسوقت ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ انگریز تھے۔ سمندر پار سے آئی ہوئی عیسائی قوم' پاک و ہند پر تسلط جمانے کے لئے ہر حربہ آزما اور ہر میدان میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ تب جدید اسلحہ اور ریشہ دوانیوں کے سبب ابھرتی ہوئی قوت انگریز تھے نہ کہ سکھ۔ علاوہ ازیں یہ کہ انگریزوں کی شدید خواہش تھی کہ ہندوستانی عوام ایک دوسرے کے خلاف کسی نہ کسی طور ہتھیار اٹھالیں۔ لہٰذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر شاہ صاحب' انگریزوں کی بساط شطرنج کا مہرہ نہ تھے تو بھی ان کی حکمت عملی قوم و ملک کے لئے مضر ثابت ہوئی اور یہ تحریک گویا حماقتوں کا ایک المیہ باب ہے۔

○ ایک لمحہ فرض کر لیتے ہیں کہ سید بادشاہ سے غلط فیصلہ سرزد ہو گیا مگر وہ

سکھوں کے خلاف پورے اسلامی جوش و جذبہ اور خلوص نیت سے میدان میں اترے تھے تو بھی بہت سے وسوسے پیدا ہوتے اور متلاشیء صداقت کو مزید الجھا دیتے ہیں۔ اگر سید احمد شہید بریلوی کے پیروکار رضاکار سکھوں سے انتقام لینا چاہتے تھے تو میدان کارزار سکھوں کی عملداری میں سجتا؟ یا بلاواسطہ ان کی حکومت و ریاست سے مقابلہ ٹھہرتا؟ لیکن ہوا یہ کہ آپ سرحد تشریف لے گئے' حالانکہ اس علاقے کا اختیار و اقتدار مسلمان پٹھانوں کے ہاتھ میں تھا اور ان کی سکھوں سے کئی ایک لڑائیاں ہو چکی تھیں۔

○ اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ سید صاحب' عسکری قوت بڑھانے' مسلم سرداروں کو اپنے ساتھ ملانے' چھوٹی موٹی جھڑپوں میں سکھوں کی فنی و حربی صلاحیت آزمانے اور اسلامیان سرحد کو جہاد کی سمت بلانے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو بات پھر بھی نہیں بنتی؟ کیونکہ آپ کا اور آپ کے خلفاء و رفقاء کا رویہ' متذبذب کر دیتا ہے۔ منفی رویوں پر مثبت حوالوں کی یہ داستان بھی بڑی کربناک اور حیرت افزا ہے۔

○ حالات و واقعات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ سید بادشاہ سکھوں کو بھی انگریزوں کے خلاف ابھارتے اور پھر عوام بلا تفریق مذہب و ملت اٹھ کھڑے ہوتے۔ مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ اولاً" سرحدی مسلمانوں کی کمر ٹوٹی اور وہ کسی دشمن کے مقابل مزاحمت کے لائق نہ رہے۔ ثانیاً" سکھ راج جو کہ انگریزوں کے لئے بھی دردِ سر تھا' اپنی عسکری قوت ان سے صف آرائی میں کھو بیٹھا۔ نتیجتاً" نقشہ کچھ یوں بنتا ہے کہ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی متلون مزاجی و طالع آزمائی کے سبب پہلے تو غیور و جسور مسلم پٹھانوں کا معاملہ انگریزوں اور سکھوں کے لئے صاف ہوا اور ساتھ ہی سکھ بھی جنگی توانائیوں سے محروم ہوتے چلے گئے۔

○ ایک ثقہ تذکرہ نگار محمد محبوب علی خان لکھنوی دلائل و براہین سے واضح

کرتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے مرشد سید احمد بریلوی کی اس جنگ سے انگریزوں کو حسب ذیل فائدے ہوئے۔

1* دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد' آسانی کے ساتھ بہادر اور غیرت مند مسلمانوں سے اکثر خالی ہو گئے۔

2* مغل سلطنت کے جانثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

3* سلطنت ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔

4* ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کے لئے آسان ہو گیا۔

5* ان دونوں کی ایجنٹی سے انگریزوں کی قوت بڑھ گئی۔

6* ان کی جنگ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلب آسان ہو گیا۔

7* سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

8* آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

9* قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتوے بار بار لکھے اور شائع کئے۔

10* پٹھانوں کی طاقت کمزور کرا دی۔

11* کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرائی۔

12* کتاب تقویۃ الایمان کے ذریعے مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائی۔

13* دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف متوجہ کیا اور سلطنت مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

14* فرقہ بندی کرائی' گھر گھر لڑائی کرائی' کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلب کیا اور کچھ دنوں بعد ان کی مدد کی بناء پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ہند پر تسلط پا لیا۔(40)۔

○ مجاہدین بالا کوٹ کا قصہ' جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے تقریباً" چھبیس سال پہلے ہی تمام ہو گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر یہ افرادی قوت اور ٹوٹا پھوٹا جنگی سامان بھی

اس موقع پر کام آتا؟ موزوں وقت پر ایک بھرپور وار کیا جاتا اور ایک ساتھ کیا جاتا تو ممکن ہے کہ ملک کی تقدیر مختلف ہوتی----- یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جنگ آزادی میں اس کے بہت مضر اثرات مرتب ہوئے۔ چونکہ سید صاحب کے غلط اقدامات سے سکھوں کے ساتھ ٹھن گئی تھی' لہٰذا وہ اس نازک وقت میں تمام سرگرمیوں سے عملاً لاتعلق رہے اور یہ منظر انگریزوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا۔ المختصر اس طرح بہت ہی قیمتی سرمایہ' امید و حوصلہ اور اعتقاد و اعتماد اہل وطن کی دسترس سے نکل چکا تھا۔

مورخین و محققین اور سید صاحب کے تذکرہ نویسوں و سوانح نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بالا کوٹ کے مقام پر آخری معرکہ میں آپ کے خلاف سکھ اور مسلمان دونوں متحد ہو گئے تھے۔ سکھ مسلم اتحاد کا پس منظر بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سکھ سورماؤں اور سرحدی مسلمانوں کی مجادلت و مقاتلت باقاعدہ جاری رہتی تھی۔ یہ وقتاً" فوقتاً" باہم خون بہاتے رہتے۔ سردار پائندہ خان بڑا رعب دار اور جری مرد تھا۔ اس نے ہمیشہ سکھوں کو تاخت و تاراج کیا۔ اس بارے میں بیان ہوتا ہے:

"اوپر مانسہرہ و شنکاری وغیرہ کے' چند بار سردار پائندہ خان نے شب خوں مارا۔ باوجود موجود ہونے فوج گراں کے بہ حالت شب خون کوئی مقابلہ خان موصوف کا نہ کر سکا۔ سکھ و رعایا کہ نام پائندہ خان کا سنتے ہی دل تھرتھرا جاتا تھا۔ ایسا رعب پائندہ خان کو پروردگار نے دیا تھا۔"(41)۔

غلام رسول مہر صاحب' پائندہ خان کے بارے میں بقلم خود لکھتے ہیں:

"خان صاحب' بلند ہمت اور باتدبیر رئیس تھا..... اس کی شجاعت و اولوالعزمی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ سب سردار سکھوں سے دب گئے لیکن وہ ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود بدستور مقابلے پر جما رہا۔"(42)۔

الغرض ہوا یہ کہ ایسے جاں فروش سردار کے خلاف سید بادشاہ نے فتوئ کفر

جاری فرما کر اعلان جہاد کیا۔ پائندہ خان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے قدیم دشمن سکھ سے اتحاد پر مجبور و معذور ہو گئے۔ اور سردار پائندہ خان نے سردار ہری سنگھ کو اس مضمون کا ایک خط ارسال کیا کہ فلاں لوگوں نے میرا ملک چھین لیا ہے۔ اگر اس مرحلے پر آپ میری کمک کے لئے فوج روانہ کریں تو میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔

سردار ہری سنگھ نے سوچ سمجھ کر اس کا جواب لکھوایا' میں کمک بھیجنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم اپنا ایک بیٹا جہانداد خاں میرے پاس گروی رکھ دو تاکہ باہم اعتماد باقی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سید بادشاہ نے پائندہ خان کو ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا اور مصلحتاً اس کے کفر کا فتوٰی بھی صادر فرما رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ "سردار موصوف نے اپنے فرزند دلبند جہانداد خاں کو برسم گرو سردار ہری سنگھ کی خدمت میں بھیج دیا' تب سردار مذکور نے دو پلٹن جنگی مع سامان جنگ پائندہ خان کی مدد کو روانہ کیں اور خود مع سردار مہا سنگھ اور فوج کشمیر سکھاں کی مانسہرہ سے طرف بھلاڑہ بارادہ جنگ "ہندوستانیاں" شباشب راہ پیما ہوا۔"(43)۔

چنانچہ بھلاڑہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ ازاں بعد ایک اور زبردست جنگ بالاکوٹ میں ہوئی۔ بالاکوٹ وہ آخری معرکہ تھا جس میں سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ موت سے دوچار ہو گئے۔ مولانا مہر اعترافاً" لکھتے ہیں:

"سکھوں کے ساتھ اور ان کے زیر اثر ہزاروں مقامی مسلمان تھے' ان میں اکثر کے جسم بلاشبہ سکھوں کے فرمانبردار تھے۔"(44)۔

سید صاحب' ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ سکھوں اور مسلمانوں سے جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ فسانہء جہاد ختم ہوا اور تاریخ میں اس افسانے کا افسانہ ہنوز باقی ہے------ لطف یہ ہے کہ اس کے بعد سردار پائندہ خان نے اپنے لڑکے کی بازیابی کے لئے دوبارہ سکھوں سے پنجہ آزمائی کر کے ان کے دانت کھٹے کئے اور کئی معرکوں

کے بعد وہ اپنے لخت جگر و نور نظر کو سکھوں کے چنگل سے چھڑانے میں کامیاب ٹھہرا۔ مذکورہ بالا اسباب و علل کی بناء پر ہی سید بادشاہ کا سکھوں سے آمنا سامنا ممکن ہو سکا' لیکن ایک جامع منصوبہ کے تحت ناقابل تردید حقائق و واقعات کی عزت و ناموس بھی محفوظ نہ رہنے دی گئی۔

اس تاریخی بحث اور واقعاتی روداد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1* مجاہدین بالاکوٹ کی انگریز قوم سے کبھی کشمکش یا مناقشت نہیں رہی۔

2* سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء اور پیروکاروں و رضاکاروں نے اپنے طور پر ابھی سکھوں سے اعلان جہاد نہیں کیا تھا کہ وہ ایک معاہدہ کے سبب سردار پائندہ خان کی حمایت میں نکل آئے اور یوں دھیرے دھیرے یہ بات زیب داستان بن گئی۔

3* یہ کہ شاہ صاحب کی زیادہ جنگیں سرحدی مسلمانوں سے ہوئیں اور بادی النظر یوں لگتا ہے کہ جیسے علاقہء پشاور میں ان کی آمد اسی غرض سے ہو۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ سرحدی مسلمانوں اور سید احمد شہید بریلوی کے جانثاروں میں وجہء عناد کیا تھی؟ اور اس قدر کھلی دشمنی کا کیا راز ہے؟

قرائن بتلاتے ہیں کہ بطور امیر المومنین' سید صاحب کے رنگ ڈھنگ' مولانا اسماعیل شاہ دہلوی کے ملفوظات اور ان کی طرف سے نامزد کئے گئے حکام و عمال کے طور و طریقے' عوام کے لئے کسی طور پر بھی قابل قبول نہ ہو سکتے تھے۔ افکار و عقائد میں کھلے تصادم کے علاوہ معاشرتی اصلاحات کے نام پر بھی جانے کیا کیا کچھ روا رکھا گیا؟

ابتدا" سرحدی مسلمانوں نے دین کے نام پر اپنی والہانہ وابستگی و شیفتگی کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا تھا اور سکھوں کے خلاف دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے مختصر مدت میں ایک لاکھ سے کہیں زیادہ' سید بادشاہ کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر کے بقول:

"دو مہینوں میں اسی ہزار سرحدی عوام جہاد کے لئے فراہم ہو گئے۔ سرداران

پشاور کا لشکر اس سے الگ تھا۔ اس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی تھی۔۔۔۔۔ اسی ہزار کی فراہمی میں سب سے بڑا حصہ فتح خان پنجتاری' اشرف خان اور خادی خان کا تھا۔" (45)۔

اس کے برخلاف شاہ اسماعیل دہلوی صاحب نے شاید پیش بندی کے طور پر اجتماع پنجتار میں موجود علماء سے قبل از وقت یہ فتویٰ حاصل کیا اور مشتہر کروایا۔

" ○ اثبات امامت کے بعد حکم امام (سید احمد شہید صاحب) سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔

○ مخالفوں (مسلمانوں) کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکال لیں اور امام کا حکم بزور مخالفوں کا نافذ کریں۔

○ اس (متوقع) معرکہ میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہوگا وہ شہید و نجات یافتہ سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود و ناری متصور ہوں گے۔ ان کی حالت اکثر فاسقوں مثلاً زانیوں اور سارقوں سے بھی بدتر ہوگی۔ اس لئے کہ فاسقوں کے جنازے کی نماز واجب ہے لیکن ان مخالفوں (مسلمانوں) کے جنازے کی نماز بھی جائز نہیں"۔ (46)۔

خود سید بادشاہ نے مجاہدین کا ایک گروہ اہل خیبر (سرحد) کے پاس حصول امداد کے لئے بھیجا تھا' اس کے امیر' ان کے بھانجے سید احمد علی تھے۔ سید بادشاہ نے ایک محضر نامہ بھی ساتھ روانہ کیا جس کا مضمون مولانا مہر نے یہ بیان کیا ہے۔

"مجاہدین کی اعانت و رفاقت' ایمان و انقیاد کے علامت ہے۔ ان سے الگ رہنا نفاق و فساد کا نشان ہے۔ بغی و طغیان کا دائرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ انہیں ختم کئے بغیر جہاد ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا منافقوں (سردار پائندہ خان وغیرہم) کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسے جہاد کا اعلیٰ مرتبہ سمجھو۔" (47)۔

دراصل سردار پائندہ خان نے اپنی ریاست و حکومت سے دستبردار ہو کر سید

بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا اور وہ فتویٰ کفر کے مستحق گردانے گئے۔ ایک قریب العہد مورخ لکھتے ہیں:

"سردار پائندہ خان نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔" (48)۔

مجاہدین مذکور کی شدت سے متعلق مرزا حیرت دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔" (49)۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے ایک واقعہ قلمبند فرمایا ہے:

"ایک موقع پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم' خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ "منیتہ المصلی" میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا۔" (50)۔

اس باب میں مورخ مذکور کے تاثرات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

"بعض مخلص قدیم الخیال ہستیوں کو بھی سید صاحب کے بعض ساتھیوں کے طور طریقے' بلکہ عقائد بھی کھٹکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرداران پشاور اور علماء کا مجاہدین کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو گیا۔ مجاہدین کے خارج از اسلام اور واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے گئے۔" (51)۔

یہ اعتقادی اختلافات کا سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کڑی انتہائی دلچسپ ہے۔ اخوند عبدالغفور صاحب علاقہ سوات میں ایک چلہ کش اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ ابتداً" انہوں نے بھی سید بادشاہ کی ہمنوائی فرمائی لیکن ازاں بعد فکری و نظری اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہوئے۔ مسلمان حاکم خادی خان انہی کا مخلص مرید تھا۔ یہ مجاہدین بالاکوٹ کے ہاتھوں جنگ میں کام آیا اور اسی طرح جب سلطان محمد خان کا

معرکہ ہوا تو اس نے بھی دو ٹوک الفاظ میں برملا کہا:

"جہاد کی باتیں ابلہ فریبی کا کرشمہ ہیں۔ تم لوگوں کا عقیدہ برا اور نیت فاسد ہے۔ بظاہر فقیر بنے بیٹھے ہو' دل میں امارت کی ہوس ہے۔ ہم نے خدا کے نام پر کمر باندھ لی ہے کہ تمہیں قتل کریں تاکہ زمین تمہارے وجود سے پاک ہو جائے۔" (52)۔

اس تنازع میں فریق اول یعنی سید صاحب کا زاویۂ نظر و ندرت تاویل بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپ نے سردار میر عالم باجوڑی کو ایک مکتوب میں لکھا:

"منافقین کے ساتھ جہاد کرنا بحکم "مقدمتہ الواجب" ایک واجب معاملہ ہے' اس لئے خاکسار' سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر پشاور اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے۔" (53)۔

شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیے:

"یہاں دو معاملے در پیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا' اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جب کہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی اور سبب اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔" (54)۔

"مرتدوں بلکہ اصل کافروں" سے مراد سرحد کے حنفی المسلک مسلمان ہیں۔ ان کے بارے میں سید بادشاہ اس قدر غصہ رکھتے تھے کہ رئیس قلات کو لکھتے ہیں:

"مناسب اور مصلحت یہ ہے کہ ایسا کیا جائے کہ سب سے پہلے تو منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب جناب والا کے قرب و جوار کے علاقہ میں ان بدکردار منافقین کا قصہ پاک ہو جائے تو پھر اطمینان خاطر اور دلجمعی کے

ساتھ اصل مقصد (سکھوں) کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مصلحت وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے سخت کوشش فرمائیں گے۔" (55)۔

اس موقف کی تائید میں کہ مجاہدین بالاکوٹ' سکھوں سے نہیں بلکہ براہ راست مسلمانوں سے ہی ٹکراتے تھے' سید صاحب کا ایک گرامی نامہ انتہائی اہم ہے۔

"چونکہ منافقوں اور فساد برپا کرنے والوں نے سرکش کفار کی حمایت پر کمر باندھ لی ہے اور مجاہدین سے دشمنی برت رہے ہیں۔ اس لئے ان کی گوشمالی اور کفر و فساد کے خلاف جہاد کی مہم چلانا ضروری ہے۔ اسی بناء پر میں نے تمام منافقین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے مجاہدین کو ترغیب دی ہے...... اس کے بعد یہ عاجز اپنے سچے اور مخلص مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف کفر اور سرکشی کے ازالے کے لئے روانہ ہو جائے گا' کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنا ہے۔" (56)۔

امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی سرحدی کلمہ گوؤں کو بالعموم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

"آپ لوگ کلمہ توحید بھی محض عادتاً" پڑھتے ہیں۔" (57)۔

وقائع نگار نے سید بادشاہ کی جنگی مہارتوں اور یورشوں کے بیان میں جو کچھ لکھا' اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان کی توپ کے گولوں سے کتنے مسلمان مارے گئے اور زیدہ میں یار محمد خان کے کتنے ساتھی تہ تیغ ہوئے۔ سید صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا ساتھی شہیدان کربلا میں سے ہوگا اور مخالف' لشکر یزید لعین میں سے ہے۔

المختصر امیر مجاہدین بالاکوٹ کے کردار و عمل سے جو حقائق منظر عام پر آئے ان سے ثابت ہو چکا کہ انگریزوں سے لڑنا جھگڑنا تو کجا' یہ بات ان کے حاشیۂ خیال میں

بھی نہ تھی۔ مزید برآں یہ کہ انہوں نے اپنے آبائی وطن میں سکھوں کے خلاف جہاد کا وعظ و تبلیغ بہرحال فرمایا لیکن قافلہ وہاں سے چلا تو لاہور پر حملہ آور ہونے کی بجائے' انہوں نے سرحد میں ڈیرے ڈال دیئے اور سکھوں کو سبق سکھانے سے قبل ہی سرحدی مسلمانوں سے ٹکرا گئے یا یوں کہہ لیجئے کہ سرحدی مسلم پٹھانوں نے ان کے خلاف اپنی تلواریں تیز کرلیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ دعویٰ سو فی صد بے بنیاد ہے کہ سید صاحب' سرحد میں بغرض جہاد تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ عزم جہاد رکھتے تھے تو یہ مسلم سرداروں کے خلاف تھا' نہ کہ سکھوں کے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ جہاد کے لئے نہیں بلکہ تیاریء جہاد کو وہاں پہنچے تھے تاکہ آزاد مسلم علاقہ سے افرادی قوت میسر ہو اور اسلحہ ہاتھ آئے۔ مگر اس توجیہہ و تاویل میں بھی مندرجہ ذیل سرگزشت نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ ۱۸۳۰ء میں مجاہدوں نے پشاور' مردان اور سوات کی مسلم آبادی کو بزور شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خان سے بیعت لینا چاہی لیکن وہ رضامند نہیں ہوا' اور دوبارہ صف بندی کرکے اور سکھوں سے مدد لے کر قسمت آزمانے نکلا اور انہیں علاقہ چھوڑ کر بالاکوٹ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔
ایک تذکرہ نگار نے اس ضمن میں "جنگ خلیفہ سید احمد شہید بریلوی ملقب بہ سید بادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں" کے تحت لکھا ہے:

"راویان معتبر بچشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سید احمد نے یار محمد خاں حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خاں والیء کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کرکے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا...... سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی' لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔" (دیکھئے' تاریخ تناولیاں)

مذکورہ بالا قرائن و شواہد اور حالات و واقعات سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سید بادشاہ کی تمام توانائیاں' مسلمانوں سے لڑنے جھگڑنے میں صرف ہو گئی تھیں------
چلو مان لیا کہ سرحدی مسلمان سازش کا شکار ہوئے اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر

کے چراغ سے" کے مصداق' معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ خیر یہ بھی درست کہ نام نہاد مسلمانوں نے سید صاحب کی قدر و منزلت نہ پہچانی اور ان کی جہالت و غداری کی وجہ سے بات بن نہ سکی۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ مختصر عرصہء امارت میں سید بادشاہ کے بعض قاضیوں اور عمال و حکام کا کردار بھی ازحد رسوا کن اور شرمناک ٹھہرا۔ یہ روداد غیر جانبدار مورخین اور دیانت دار محققین کی زبانی سنئے اور سر دھنئے!!

امیر المومنین سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل شاہ دہلوی صاحب کے ایک معتقد سوانح نگار بطور تحسین لکھتے ہیں:

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی تھی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں' نہیں' ہونا چاہئے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہء مجاہد کرتے تھے' اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔" (58)۔

مولوی محمد علی قصوری صاحب' ایم اے کینٹب (مشہور اہلحدیث عالم' ادیب اور رہنما) اپنی شہرہ آفاق کتاب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں جماعت مجاہدین کی ایک اہم شخصیت و سید بادشاہ کے قابل اعتماد ساتھی' امیر نعمت اللہ کے کرتوتوں اور بعض دیگر تاریخی حقائق کو مجبوراً" تحریر فرماتے ہیں:

"عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ تین تو ان کی نکاحتا" بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی طرح' امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہی نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گزرتا تھا۔"

"کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنے کا حق نہ تھا۔ میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنے کی جسارت کی' مگر اس کا جواب یہ ملتا کہ رات کو چپکے سے امیر جماعت کے معتمد انہیں ختم کر دیتے تھے اور پھر اس کا ذکر بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔"

"امیر صاحب کی خادماؤں میں کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو

پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دینا' امیر جماعت کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادمائیں اس طرح الگ کی جاتی تھیں ان کی شادیاں انہی لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی اور اسے نہایت عمدہ جہیز اور ماہوار خرچ مل جاتا تھا اور یہ امر اس درجہ افسوسناک تھا کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد بھی امیر جماعت کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔"

"رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا' تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔"(59)۔

مولانا غلام رسول مہر نے خود بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ کاروان سید کے کردار و عمل پر عوام و خواص میں انگلیاں اٹھتی تھیں اور سرحد کے ذی وقار علماء دین نے جماعت مجاہدین پر جو اعتراضات کئے تھے' ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

○ مجاہدین' نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذات جسمانی کے جویا۔

○ وہ ظلم و تعدی کے خوگر ہیں۔ بلاوجہ شرعی مسلمانوں کے اموال اور نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

○ وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً ہندوستانیوں (اپنے ساتھیوں) کے حوالے کرتے ہیں۔(60)۔

شہید موصوف کے مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح ثانی کی ترغیب عملاً ایک الیہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس آڑ میں جانے کیا کیا کھیل کھیلے اور گل کھلائے گئے؟ ملاحظہ فرمائیں:

"سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور

بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں' مجاہدین میں سے کسی شخص نے انہیں پکڑا اور مسجد میں جا کر نکاح پڑھا لیا۔"(61)۔

ایک سچے و پکے جانثار کا بالکل سچا اور پکا اقرار مطالعہ فرمایئے:

"مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے۔ برے بھی اور بھلے بھی' بلکہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ برے زیادہ اور بھلے کم تھے۔"

"غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔ ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ و ترمیم نہیں ہے۔"

"کبھی اعلانیہ طور پر سید صاحب کے کسی ساتھی کو سزا نہیں دی گئی حالانکہ اکثر ناجائز افعال ان سے سرزد ہوا کرتے تھے۔"

"سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔ آپ کو یقین تھا' شریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور اب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے' اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض ہوتے ہیں۔"(62)۔

مندرجہ بالا تاریخی شہادتوں کے پیش نظر شیخ محمد اکرام صاحب انتہائی محتاط لہجے میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے تھے۔"(63)۔

باوجود انکے' زیر نگاہ کتاب کے مولفہ فرماتے ہیں:

"علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی' جو بجھنے میں نہ آئی۔"(64)۔

موصوف نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ سرحد میں انگریزوں کی

عملداری تھی کب؟--- جہاں دشمن کا گزر نہ ہو وہاں کمند جہاد کیا معنی؟---
ایک اور اعتراض یہ ہے اور میرے ناقص خیال میں بجا طور سے توجہ طلب ہے کہ اگر "شہیدین" کا جذبۂ جہاد واقعی اس قدر بڑھا ہوا تھا تو کم از کم اس کی کوئی جھلک انکے ملفوظات و تالیفات میں بھی دیکھتے--- اس دور میں تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم ان سے یادگار ہیں۔ ان میں سے مسئلہ جہاد بالسیف کا سراغ تک نہیں ملتا--- بناء بریں یہ بھی کوئی بتلائے کہ سکھوں سے لڑنا تھا تو پنجاب میں جاتے' سرحد میں کیونکر تشریف لائے اور ڈیرے جمائے تھے؟

یہ کتاب--- "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء"--- پاکستان میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے مرتب و مدون کیا اور دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ ہمیں اپنے ایک کرم فرما...... کی وساطت سے یہ تاریخی نسخہ منظر عام پر لانے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ بنیادی طور پر اس کا موضوع ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے' جسے انگریز مورخ نے "غدر" کا نام دیا۔ بناء بریں برصغیر پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اور اس کے خلاف علمائے دین کی جدوجہد کے دائرہ کار سے متعلق دیگر ادوار کا بھی احاطہ کئے ہوئی ہے۔

علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ مصنف/ مولف کے الفاظ و مطالب پر کسی طور بھی دست درازی نہ کی جائے' سو ہم من و عن جملہ متن اور عبارت و حاشیہ میں کسی قسم کی کمی و بیشی کئے بغیر (حرف بحرف) کتاب مذکور چھاپ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ کئی ایک اہل قلم جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو' تحریک مجاہدین بالاکوٹ کی صدائے بازگشت ثابت کرنے پر مصر دکھائی دیتے رہے ہیں اور دے رہے ہیں نیز یہ کہ "تحریک مجاہدین بالاکوٹ" کے بعد مسلمانان ہند کی طرف سے آزادی کی ہر کوشش کا سلسلہ اسی تحریک سے ملاتے آئے اور ملا رہے ہیں۔ بایں سبب' باب تاریخ میں تحقیقی ذوق

رکھنے والے ارباب علم کے لئے "تصویر کا دوسرا رخ" بھی پیش کیا جانا' اہمیت و افادیت کا حامل نظر آرہا تھا۔ لہٰذا ہماری مخلصانہ و دیانت دارانہ پیش کش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ قارئین محترم کی تنقیدی آراء کا انتظار رہے گا۔

حوالہ جات

1:- ماہنامہ میثاق لاہور' جولائی ۱۹۸۹ء (ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمٰن' ص ۳۴)

2:- تاریخ تناولیاں' سید مراد علی (علی گڑھی) تالیف ۱۸۷۵ء' ص ۴۹ تا ۵۲)

3:- افادات مہر صفحہ ۲۳۱ بحوالہ 'امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶

4:- افادات مہر مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی۔ دیکھئے ص ۲۳۹' ۱۹۳' ۱۹۸ اور پیش لفظ امتیاز حق

5:- تواریخ ہزارہ ص ۷۳۰

6:- حاشیہ مقالات سرسید' (حصہ شانزدہم) از محمد اسماعیل پانی پتی ص ۳۵۲

7:- حاشیہ "مقالات سرسید" (حصہ شانزدہم) از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۴۸

8:- "مقالات سرسید" حصہ نہم ص ۲۰۷

9:- "مقالات سرسید" حصہ نہم' ص ۱۳۲

10:- "مقالات سرسید" بحوالہ امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶۵

11:- سوانح احمدی از مولانا جعفر تھانیسری' مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۷۳

12:- موج کوثر از شیخ محمد اکرام صاحب' ص ۲۰

13:- دیکھئے' ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۷۲۔ سید احمد شہید ص ۲۲۔ نقش حیات ص ۴۱۸۔ مقالہ بعنوان "جزائر انڈیمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات" سہ ماہی اردو کراچی ص ۷۸

14:- حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۶

15:- مقالات سرسید، حصہ نہم ص ۱۳۸۔

16:- افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی از محمد سرور ص ۳۶۲

17:- سوانح احمدی از جعفر تھانیسری ص ۴۹۔

18:- سیرت سید احمد شہید، حصہ اول ص ۲۱۹، ۲۲۰

19:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۲۵۰

20:- چند تاریخی غلطیاں از ابو المعالی "کتاب "شاہ اسماعیل شہید" ص ۲۲۲ بحوالہ امتیاز حق۔

21:- اسلامی حریت کا علمبردار، از محمد میاں "کتاب شاہ اسماعیل شہید ص ۱۹۴۔

22:- مکتوبات سید احمد شہید ص ۳۱۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

23:- مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

24:- سیرت سید احمد شہید حصہ اول، ص ۲۴۲

25:- مضمون، سرسید احمد خان، بجواب ڈاکٹر ہنٹر مندرجہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۸، دسمبر ۱۸۷۱ء۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۲

26:- سوانح احمدی از جعفر تھانیسری ص ۱۳۹۔

27:- الدر المنثور از مولوی عبد الرحیم صادق پوری ص ۱۳۵۔

28:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۱۲۶۔

29:- حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۴۲۱

30:- الحیات بعد الممات از مولانا فضل حسین بہاری ص ۲۰۳۔

31:- مولانا منظور نعمانی صاحب، الفرقان لکھنؤ شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۷۶

32:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۳۹۔

33:- نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی، شیخ دیوبند جلد دوم ص ۱۲۔

34:- سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری ص ۲۶۱۔

35:- ماہنامہ "ماہ نو" کراچی، ۷ اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۵۶

36:- حقائق تحریک بالا کوٹ از شاہ حسین گردیزی ص ۷۲، ۷۳۔ مقالات سرسید حصہ نہم ص ۱۳۸

37:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۶۸

38:- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ص ۴۳۱

39:- دیکھئے، حیات طیبہ ص ۴۲، ۴۲۲، ۴۳۵، ۴۰۲، ۴۲۹ اور تواریخ عجیب ص ۱۶۴ از مولانا محمد جعفر تھانیسری۔

40:- تاریخ اعیان وہابیہ از محمد محبوب علی خان لکھنوی ص ۴۳، ۴۴

41:- تاریخ تناولیاں از سید مراد علی ص ۴۸

42:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۵۴۱

43:- دیکھئے، تاریخ تناولیاں ص ۵۱، ۵۲، ۵۳ وغیرہ

44:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۷۵۰، ۷۵۲

45:- غلام رسول مہر، مولانا۔ سید احمد شہید ص ۳۶۵

46:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۴۶۳

47:- سید احمد شہید، مولانا غلام رسول مہر ص ۴۵۰

48:- تاریخ تناولیاں، سید مراد علی، علیگڑھی، ص ۴۹

49:- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۱

50:- موج کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۳۱

51:- موج کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۳۲

52:- سید احمد شہید، مولانا غلام رسول مہر ص ۶۱۴

53:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۳۵

54:- مکتوبات سید احمد شہید از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۲۴۱

55:- محمد جعفر تھانیسری مولانا، مکتوبات سید احمد شہید ص ۴۷

56:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۵۶، ۵۷

57:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۷۰۲

58:- حیات طیبہ ' مرزا حیرت دہلوی ص ۳۵۶

59 :- مشاہدات کابل و یاغستان از مولوی محمد علی قصوری (اہلحدیث) دیکھئے ' ص ۱۰۸'۱۰۹'۱۱۰'۱۱۱

60:- سید احمد شہید ' غلام رسول مہر ' مولانا ص ۲۶۰

61:- حیات طیبہ ' از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۰

62:- دیکھئے ' حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ' ص ۲۸۰'۲۸۱

63:- موج کوثر۔ محمد اکرام شیخ ' ص ۳۱

64:- ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۱۰

مغلیہ حکومت کے کمزور ہوتے ہی ملک کا شیرازہ بکھرا اور ہندوستان جنگ کی آماجگاہ بن گیا۔ "کارل مارکس" نے اس عہد کا چند لفظوں میں یوں نقشہ کھینچا ہے:۔

"ہندوستان میں انگریزی تسلط کیونکر قائم ہوا؟۔ مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو مغلوں کے صوبہ داروں نے اور صوبہ داروں کی قوت کو مرہٹوں نے مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے توڑا اور جبکہ یہ سب ایک دوسرے سے دست بگریبان تھے انگریز کود پڑا اور سب کو مطیع بنانے کے قابل ہو گیا۔"

جنگ پلاسی کمپنی کو سازگار ہوئی تو کمپنی نے اپنی انوکھی تدبیروں سے ہندوستان پر پورا تسلط کر لیا اور ملک کے معاشرہ میں ہی دخیل ہونے لگی۔ عمال ایسٹ انڈیا کمپنی نے بے حساب دولت لوٹنی شروع کر دی۔ لارڈ میکالے نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

"کمپنی اور اس کے ملازمین پر اب دولت کی بارش بافراط ہونے لگی۔ اسی لاکھ پونڈ کی رقم جو نقرئی سکہ کی صورت میں تھی دریا کے ذریعہ مرشد آباد سے فورٹ ولیم روانہ ہو گئی۔ (اس رقم سے) ہر انگریز کے گھر میں تمول اور ثروت کے آثار نمایاں ہو گئے۔"

کلائیو یاقوت اور ہیروں کا تاج پہنے ہوئے سونے اور چاندی کے ڈھیروں میں لوٹتا تھا اور وہ جس قدر دولت اپنے لئے لینا چاہتا تھا اس کے لئے آزاد اور خود مختار تھا۔(1)

عہدہ داران کمپنی کے اور اوصاف حمیدہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایڈم وک ایک

جگہ لکھتا ہے:۔

"(کمپنی کے) عہدہ دار قطعاً غیر ذمہ دار، ظالم اور جفاکار تھے انہوں نے خانگی (ہندوستانیوں کی) پونجی کا بالکلیہ (تھوڑے ہی دنوں میں) خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کا مقصد کلی یہ تھا کہ بنگال کے باشندوں سے جس قدر جلد ممکن ہو چند لاکھ اشرفیاں وصول کرکے دولت کا مظاہرہ کرنے کے لئے فوراً اپنے وطن واپس ہو جائیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کچھ ہی زمانہ میں کمپنی کی بدولت انگلستان میں خزانوں کا دریا بہنے لگا۔ لوگ سرمایہ دار بن گئے۔ اس ہی پر بس نہیں کیا بلکہ کمپنی، انگلستان کی صنعتی ترقی کی خاطر ہندوستانی صنعت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گئی۔

عمال کمپنی نے ڈھاکہ کی صنعت پارچہ بافی کو تباہ اور غارت کرکے کاریگروں پر وہ وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ لوگ اپنا وطن ترک کرکے فرار ہونے اور جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ "لڈلوس" اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ:۔

"ہم نے ہندوستان کی روئی کی صنعت کو تقریباً برباد کر دیا ہے۔ ڈھاکہ بڑی حد تک غیر آباد اور ویران ہو گیا ہے۔"(2)

ان ہی وجوہ سے ڈھاکہ کی آبادی تین لاکھ سے گھٹ کر صرف ستر ہزار رہ گئی۔

ایسے ہی واقعات جہاں جہاں انگریز نے چاہا ہندوستان میں روا رکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کی برس ہا برس کی محنت کی پونجی چھن گئی۔ ۱۷۷۰ء میں خشک سالی سے قحط نمودار ہوا اور لوگوں کے ذرائع نے جواب دے دیا تو وہ لاکھوں کے تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ مگر انگریز نے اپنے یہاں غلہ بھرنا شروع کر دیا اور غرباء کی معاونت یا دستگیری نہیں کی۔ میکالے کہتا ہے:۔

"فاتح انگریزوں کے محلوں اور باغوں کے نزدیک دریائے ہگلی میں ہزار ہا نعشیں بہتی رہتی تھیں۔ پٹنہ اور کلکتہ کے گلی کوچے مردہ نعشوں اور مرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے اور انکی نعشوں کو گیدڑ، گدھ دن دہاڑے نوچتے کھسوٹتے رہتے تھے۔"

انگریزی برکات نے کچھ عرصہ بعد ایک اور ملک پر قحط ڈالا جو امساک باران کی وجہ سے نہیں پڑا بلکہ کمپنی کا روز افزوں اقتدار اس کا سبب تھا۔ لوٹ کھسوٹ سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے اور باشندے بھاگ نکلے۔ کرنیل بیرڈ کے بیان کے مطابق "بنگال کی ایک تہائی سے زیادہ اراضیات بیس سال تک افتادہ پڑی رہیں۔"

ان بدنظمیوں نے ہندوستانیوں کو اس قدر عاجز کر دیا تھا کہ کمپنی سے دن بدن ان کی نفرت بڑھنے لگی تھی اور اس قدر عمال کمپنی سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ جب کبھی انگریز مسافر پالکی میں کسی گاؤں سے گذرتا تو اسکی آمد کی خبر پاکر لوگ گاؤں چھوڑ جاتے تھے۔ کمپنی زعم باطل میں اہل ملک کو کمزور کر رہی تھی تاکہ یہ خود سری نہ کر سکیں۔ جب کمپنی کو باور ہو گیا کہ ہندوستانی غلام ہو چکا ہے۔ اب اس نے اور آگے قدم بڑھایا۔ ہندو، مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنے لگا۔ مذہبی زبانوں کے مٹانے کی تدبیریں کیں اور اپنے مذہب کی ترویج پر کمر باندھی۔ زمینداریاں اور جو ریاستیں صاحب اقتدار تھیں، انگریز یکے بعد دیگرے قبضہ میں لانے کے درپے ہوا۔ ملک میں فساد کرانے کی صورت پیدا کی گئی۔ ۱۸۰۶ء میں ویلور میں ایک زبردست ہنگامہ ہو گیا (3)۔ ۱۸۳۱ء میں "تتومیاں انگریز طاقت سے بھڑ بیٹھا۔ ۲۴ پرگنہ ندیا اور فرید پور کے ضلع سے کچھ دن کے لئے کمپنی کا اقتدار ہی اٹھ گیا تھا۔ "تتو میاں کے ساتھ ہندو مسلمان ہر دو تھے مگر کمپنی نے تازہ دم فوج مقابلہ کے لئے بھیج دی۔ نارکل بیڑیا پر "تتومیاں مقابل آیا اور شہید ہو گیا۔ سپہ سالار فوج اور ایک سو چالیس مجاہد پکڑے گئے رسالدار کو پھانسی لگی اور ایک سو چالیس نفوس کو بمبئی جیل میں بعد مقدمہ بند کر دیا۔ اب علماء نے کروٹ لی۔ مولوی شریعت اللہ اور مولوی کرامت علی جونپوری نے ہندو مسلم اسی ہزار نفوس کی جماعت فرازی کے نام سے بنائی۔ اس جماعت نے دودو میاں کے زیر سرکردگی انگریزی سے مقابلہ کیا مگر معاملہ آگے نہ بڑھ سکا، دب گیا۔

ان ہنگاموں کے واقعات سے کمپنی نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ ہندوستان پر دوامی اقتدار قائم کرنے کے لئے جو اسکیم پیش کی تھی وہ بروئے کار لائی جا رہی تھی۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں تعلیم کی ترقی تھی۔ یہاں تعلیم کا وہی تناسب تھا جو اس وقت یورپ کا تھا۔(بنگال کے گاؤں کا تعلیمی معیار اس کا ٹیلنڈ گاؤں کے معیار سے بہتر تھا)۔

صرف دہلی شہر میں ۱۲۲۵ میں ایک ہزار کالج اور دو ہزار اسی مساجد جن میں عام درسگاہیں تھیں۔ وائٹ ہیڈ مدراس کا پادری ایک جگہ کہتا ہے۔

"کمپنی نے پادریوں کے مشن جو ہندوستان بھیجے تھے عیسوی تبلیغ کے ساتھ یہاں کی تعلیم بھی انکے سپرد کی گئی جنہوں نے ہر جگہ اپنے تعلیمی ادارے کھول دیئے۔ اس کا اثر یہ ہوا مکاتب اور پاٹ شالاؤں پر اوس پڑگئی۔ پانچ برس میں چالیس فیصدی ناخواندہ نظر آنے لگے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی ادب کا تختہ الٹ دیا۔ انگریزی تعلیم کی سکیم نافذ کرکے مادری زبان کی تعلیم کو فنا کردیا۔

مسٹر وائٹ ہڈ کا بیان ہے:۔

"قومی تعلیم (یعنی انگریزی تعلیم) جاری کرکے ہندوستانیوں کی انفرادیت اور آزاد خیالی کو نابود کرنے کی کوشش کی۔"

جس قدر انگریزی ترقی کر رہی تھی اسی قدر تعلیمی تناسب گھٹ رہا تھا۔ ۹۲ فیصدی لوگ اب ناخواندہ ہو چکے تھے۔ اس لپیٹ میں مسلمان زیادہ آئے۔

مشن کالجوں اور سکولوں میں عیسوی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندو، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وہاں بند تھی۔ ہندوستانی اس طرف لپک رہا تھا کچھ مخالفت بھی ہوئی ان کو مذہبی دیوانہ کہہ کر نظرانداز کیا گیا۔ اہل ملک کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مذہبی مراسم پر نظر ڈالی۔ رسم ستی بند کی گئی۔ عقد بیوگان جاری کیا۔ ذات پات ختم کی گئی۔ حتیٰ کہ کورسوں میں مہاراج کرشن چندرجی کا ذکر خیر ہوتا تھا۔ اس کی بندش کی جانے والی تھی مسلمانوں پر یہ کرم ہوا کہ دہلی میں محکمہ قضاۃ تھا اس کو توڑ کر صدر نظامت قائم کردیا۔ قاضی کے بجائے انگریز جج فیصلہ مذہبی کرتا۔ ۱۸۳۷ء میں قحط پڑا۔ جو غربا

کے بچے مشن کو ہاتھ لگے وہ عیسائی کرلئے گئے۔ اس واقعہ کا اثر ہندو مسلمان ہر دو نے لیا۔ عیسائی مشن دن بدن کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ عوام میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے پیشواؤں کو متوجہ ہونا پڑا۔ پنڈتوں نے اپنے گھر کو سنبھالنے کی کوشش کی، مسلمانوں میں علماء اور فقراء نے ہاتھ پیر چلائے۔ درس و تدریس بھول گئے اور نصاریٰ سے مقابلہ کے لئے سر بکف اٹھ کھڑے ہوئے۔ فقراء جو خانقاہوں میں گوشہ گیر تھے وہ غلبہ نصرانیت کی مخالفت میں لگ گئے۔

گوالیار میں محراب شاہ قلندر ایک بزرگ تھے جو سردار ستولے کے یہاں پیادہ کی خدمت انجام دیتے تھے مگر اہل شہران کے گرویدہ تھے۔ دور دور شہرت تھی، مدراس کا نواب زادہ فقیری لباس میں ان کے پاس آیا اس سے بیعت ان شرائط کے ساتھ لی کہ وہ اپنی جان کی بازی انگریز کے اقتدار کے ختم کرنے میں لگا دے۔(4)

چنانچہ نواب زادہ امارت کو چھوڑ کر اسی مقصد کے پیش نظر دربدر پھر رہا تھا۔ یہی وہ فرد ہے جس کو تاریخ غدر میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کئے اور ہنیس کی ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے:۔

"مولوی احمد اللہ نے ناجائز قتل و غارت سے کبھی اپنی تلوار کو دھبہ نہیں لگنے دیا۔ وہ ہمیشہ مردانہ وار جرات اور اولوالعزمی اور دیانت داری سے اپنے ملک کو اغیار کے پنجے سے چھڑانے کے لئے (انگریزوں سے) لڑتا رہا۔"

جونپور میں مولوی سرفراز علی شاگرد مولوی کرامت علی شغل معلم گیری اس کے ساتھ پیری مریدی بھی جاری، جو مرید ہوتا اس کو نصرانیت کے خلاف تلقین کرتے اور جہاد پر آمادہ کرتے۔ سلطانپور کا ایک افغانی صوبہ دار نام سن کر بیعت کرنے آیا۔ بخت خان اس کا نام تھا، انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مرید کیا اور اس کو انگریز سے مقابلہ کے لئے تیار کردیا جو آگے جاکر دلی کی تاریخ میں جنرل بخت خاں کے نام

سے مشہور ہوا۔ علاقہ سرحد میں مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے
انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی جو بجھنے میں نہ آئی۔

۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر انگلستان سے ہندوستان آیا اور داعیان مذاہب کو
دشنام دہی کا محل بنا لیا۔ علماء بگڑ بیٹھے مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان سے اس
سے آگرہ میں مناظرہ ہوا۔ شکست کھا کر سیاہی شب میں ایسا چھپا کہ پھر ہندوستان میں
نظر ہی نہ آیا۔ علماء نے نصرانیت کے خلاف رسالہ بازی شروع کر دی۔ علماء کی طرح
ہندوستان کے پنڈتوں نے دھرم شاستر کے احکام نکال لئے تھے اور پتروں سے سیہ
مورت نکال کر وطن پرستوں کو گرماتے اور فرماتے تھے کہ انگریزوں سے لڑو فتح
تمہاری ہو گی۔ (تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۷۶)

حسن اتفاق نانا راؤ پیشوا کی آٹھ لاکھ کی پنشن ڈلہوزی نے ضبط کر لی اور باجی
راؤ کا متبنی ان کو نہیں گردانا۔ انہوں نے اپنے سربراکار عظیم اللہ خاں کو ولایت
بھیجا مگر ڈائریکٹران نے کوئی توجہ نہ کی۔ پانچ لاکھ روپیہ صرف کر کے لوٹ آیا۔ ہر دو
انگریزی سلطنت کے الٹنے کے درپے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے غدر کی سکیم کے بانی ولادر
جنگ اور نانا راؤ اور عظیم اللہ ہی تھے۔ نانا صاحب کا ساتھی تانتیا ٹوپی فوجی جنرل تھا'
اس نے جوگی بن کر سرکاری فوجوں میں بغاوت کی لہر پیدا کر دی۔

مسٹر چارس بال اپنی تصنیف میں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

"انگریز سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانتیا ٹوپی کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک
وسیع مرہٹہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن
جاتا ہے۔"(5)

احمد نگر کے علاقہ کا رہنے والا تھا کچھ عرصہ نانا فرنویس کی فوج میں
عہدہ دار رہ چکا تھا۔ مگر اس بہادر کو راجہ مان سنگھ اپنی جائیداد کو بچانے کی
خاطر انگریزوں کے ہاتھ سوتے میں پکڑوا دیتا ہے۔ مقدمہ چلتا ہے آخر ۴۹
برس کی عمر میں دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے ۱۸۵۷ء میں

ہندوستان کو تودۂ بارود بنا دیا تھا صرف شتابہ لگانے کی دیر تھی کہ برطانوی
جنرل جو میرٹھ میں کمانڈر فوج کا تھا خود دیا سلائی دکھا بیٹھا۔ قضیہ کارتوس
چھیڑ کر فوج کو برگشتہ کر دیا۔ یہ فوج ۱۰ مئی کو دلی آئی بہادر شاہ کو خواب
غفلت سے چونکایا مگر ضعیفی نے اور انگریز کے شکنجے نے پژمردہ بنا رکھا تھا مگر
خاندانی شجاعت نے نئے سرے سے حرارت پیدا کر دی اور وہ سرپرستی کے
لئے تیار ہو گیا مگر شہزادے کمزور نکلے۔ مرزا مغل مرزا خضر سلطان' مرزا
قویش' مرزا جوان بخت میں تو کچھ سرگرمی عمل تھی۔ بقیہ کا طریقہ شکایت
کا موقعہ دے رہا تھا۔ جنرل بخت خاں نے آتے ہی فوج کو ہاتھ میں لے
لیا۔ بادشاہ نے لارڈ گورنر کا خطاب دیا مگر ارکان سلطنت حکیم احسن اللہ
خاں' مرزا الٰہی بخش و دیگر شہزادوں کی سازشیں انگریزوں کو کامیاب کرنے
میں معاون ہوئیں۔ تسلط پر بادشاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ ہڈسن کے ہاتھوں
شہزادے مرزا مغل مرزا خضر سلطان گولی کا نشانہ بنے۔

جنگ آزادی نے ہندوستان میں وسیع محاذ اختیار کر لیا تھا۔ لکھنؤ پر
سے مولوی احمد اللہ شاہ اور برجیس قدر کی وجہ سے کنٹرول اٹھ گیا تھا۔
کانپور پر نانا راؤ کا قبضہ تھا۔ رانی لکشمی جھانسی پر براج رہی تھی۔ بریلی
نواب خان بہادر خاں کے قبضہ میں تھی۔ الہ آباد پر مولوی کفایت علی
چھائے ہوئے تھے۔ بہت سے نواب اور چھوٹے چھوٹے راجے ان کے
ہمنوا تھے۔ دلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد ہر جگہ غداروں نے مل کر
خان ملک اور حریت نوازوں کو ناکامیاب بنایا۔ آخری اجتماع مولوی احمد
اللہ شاہ کے جھنڈے تلے ہوا۔ "محمدی" میں حکومت قائم ہوئی' سکہ چلا مگر
راجہ اپائین کے ہاتھوں دھوکہ سے احمد اللہ گولی کا نشانہ بنے۔(6) پھر تو
تمام انقلابی رہنما منتشر ہو گئے جو حکومت کے ہاتھ پڑے وہ دار پر چڑھا
دیئے گئے یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا کے سزاوار قرار دیئے

گئے۔ نوابوں، راجاؤں کے جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ دلی میں لکھنؤ میں کانپور میں انگریزی افسروں نے وہ وہ ظلم کئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ بنارس الہ آباد میں نہایت بے رحمی اور سختی کا استعمال جنرل نیل اور کرنل ریگنارڈ نے کیا۔

لندن ٹائمز کے نامہ نگار رسل نے اس ظلم و جور کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ لیفٹیننٹ مجنڈی نے لکھا ہے:۔

"ایک زخمی سپاہی کے چہرے کو سنگین مار مار کر چھیدا گیا اور پھر اسے معمولی آگ میں رکھ کر بھونا گیا۔ جلتے ہوئے انسانی گوشت کی خوفناک بو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ سخت قسم کا دھواں اٹھ رہا تھا اور یہ سب کچھ انیسویں صدی میں ہوا جب انگریز اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔"

سرہنری کاٹن لکھتا ہے:۔

"مجھے موبرے تھامپس نے نہایت ہی روح فرسا واقعات سنائے اور بتایا کہ قیدیوں پر کیا کیا ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ سنتریوں کے کمرے میں اس نے جو کچھ دیکھا اس کے الفاظ پڑھئے۔ چند بدقسمت مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر زمین پر لٹایا گیا۔ ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور سر سے پیروں تک ہر حصے پر دہکتے ہوئے تانبے سے نشان لگائے گئے اور پھر ان کے سروں میں گولیاں مار مار کر انہیں ہلاک کیا گیا۔ (انڈین ہوم میمورین) ایسے بہت سے واقعات گزرے۔"

یہ ظالمانہ واقعات ان کے ساتھ کئے گئے جنہوں نے ملک کو آزاد کرانے اور اپنی اولاد کو بدیشی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کی پہلی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس کا مقام ہے جنگ آزادی کے شرکاء کا کوئی اب تک تفصیلی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ غدر کی تاریخیں انگریزی میں بہت سی لکھی گئیں مگر ان میں اپنی مظلومیت اور

ہندوستانیوں کی خونخواریت کے نقشہ دکھائے گئے ہندوستانی مورخوں نے ان سے بھی زیادہ خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مفروضہ مظالم کی داستانیں اور بڑھا چڑھا کر لکھیں۔ انگریزوں کو معصوم اور ہندوستانیوں کو ظالم اور محبان وطن، غدار و مفسد کے نام سے پکارے گئے۔ ان پر جو مظالم ہوئے وہ حق بجانب ٹھہرائے گئے۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی اور پنڈت کنہیا لال کی تاریخ بغاوت ہند بین ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی کوتاہ نظر کیا ہوگی کہ حریت نوازوں کے حالات تو بڑی چیز ہے ان کے نام تک کا ذکر کرنا گناہ سمجھا۔ اگر کسی کا نام بہ مجبوری کسی واقعہ میں آیا تو بری طرح سے لکھا جیسا کہ ڈاکو اور چور کا نام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ۵۷ء کی انقلابی تحریک کو زیادہ کامیاب بنانے اور ملک پر اپنے کو قربان کرنے والے علماء ہی تھے۔ ان علماء میں جو صاحب درس و تصانیف تھے ان کا ذکر البتہ علمائے ہند کے تذکروں میں معمولی طور سے آیا ہے مگر تذکرہ نویس ان کے سیاسی کارناموں سے ناواقف تھا یا خود پردہ ڈالا گیا۔

آج ایک ایسے تذکرہ کے لکھنے کی سخت ضرورت تھی جس میں علماء کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور ان کی سیاسی کارگزاری ہو اور ان کے ہمنوا جو راجہ، نواب و امراء تھے ان کی سیاسی مساعی کا بھی ذکر ہو۔ خدا کا شکر ہے میرے خاندانی کتب خانہ سے اس کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" کے نام سے اس کتاب خونچکاں کو ملک و ملت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

انتظام اللہ شہابی

حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا سید احمد علی عرف ضیاء الدین خطاب دلاور جنگ معروف و مشہور مولوی سید احمد اللہ شاہ مدراسی(7) جلال الدین عادل کے پوتے اور ابوالحسن تانا شاہ والیء گولکنڈہ کے پڑپوتے تھے۔ جلال الدین اپنے زمانے کے قطب الوقت تھے۔ اس خاندان میں امارت کے ساتھ فقر بھی تھا۔ مولانا کے والد محمد علی مصاحب ٹیپو سلطان اور نواب چیناپٹن (مدراس) کے تھے۔ تقریباً ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امیرانہ طور و طریق پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ شہ سواری فنون سپہ گری علوم رسمیہ کے ساتھ ساتھ سکھائے گئے۔

جو مکتب سے ان کو فراغت ملی   بڑھا سوئے شمشیر شوق دلی

کم عمری میں فراغت علمی کی مگر ہوش سنبھالتے ہی اردگرد ٹیپو سلطان کی تباہی کی داستانیں زبان زد عام تھیں جن کے ہاتھوں خداداد حکومت کی بربادی ہوئی تھی ان سے بچہ بچہ خائف تھا۔ وابستگان دولت خداداد کا ہر ایک فرد خانماں برباد تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان شہید ہوئے تھے۔ ۱۲۴۰ھ تک علاقہ مدراس کے مسلمان تباہی کے کنارے لگ گئے تھے۔ جائیدادیں ان کی ضبط ہوئیں جو لوگ فوج میں تھے وہ دربدر بال بچوں کو لئے ہوئے بھیک مانگ رہے تھے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ یہ حالات مولانا سید احمد علی کے سامنے تھے ان کی عمر سولہ یا سترہ سال کی ہونے آئی کہ طبیعت امارت سے بیزار سی ہو گئی اور آپ نے نوابی سے کنارہ کشی اختیار کی۔

بڑھا جب قدم سولھویں سال سے   چھٹا سلسلہ ملک سے مال سے
گدا ہو گئے سیم و زر چھٹ گیا   ملا دشت غربت جو گھر چھٹ گیا (8)

مولانا نے سیاحت پر کمر باندھی۔ اولاً حیدر آباد گئے۔

کہ گھر سے سفر کرکے وہ نامور   ہوئے حیدر آباد میں جلوہ گر

یہاں نظام کے قلمرو مرہٹوں کا حملہ تھا آپ نے نظامی فوج کی حمایت میں مرہٹوں سے دو دو ہاتھ کئے ایسی داد شجاعت دی کہ مقتولین کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ آخرش مرہٹوں نے شکست پائی۔

یہ اخبار ایک داستاں ہو گئی   سخن تکیہء ہر زباں ہو گئی
ہوا شہرہ ویران و آباد میں   گئی یہ خبر حیدر آباد میں
مقرر وہاں ان کی نسبت ہوئی   بہم تازہ کہنہ قرابت ہوئی
نہ لایا مگر نخل امید بار   نہ باغ تمنا میں آئی بہار

غرضیکہ بیوی نے شاہ صاحب کو داغ مفارقت دیا۔ آپ نے صبرو شکر کیا اور ان کے انتقال کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے۔

سفر:۔ غرضیکہ مدراس سے رخصت ہو کر یورپ کا سفر اختیار کیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا' انگلستان میں شاہی مہمان رہے۔ وہاں سے مصر آئے' عرب گئے' حج سے مشرف ہوئے۔ ایران ہو کر چمن ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ مسلمانوں کی عام حالت زبوں دیکھی۔ ہر جگہ پٹے ہوئے مہرے نظر آئے۔ امراء سے ملے' ایک دوسرے کی جڑ کھود رہا تھا۔ عیش و عشرت میں مبتلا تھے۔ نصاریٰ کا غلبہ دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اپنے ہی لوگ ان کو سراہ رہتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر دنیا سے بیزار سے ہو گئے۔ طبیعت خلوت نشینی کی طرف راغب ہوئی۔ آپ نے علاقہء بیکانیر کو پسند کیا اور سانبھر چلے گئے۔

چلہ کشی:۔ آپ نے چلہ کشی اختیار کی' ترک حیوانات کیا۔ بارہ برس گزار کر جے پور چلے گئے۔ میر قربان علی سے ملنا ہوا' وہ شیخ طریقت تھے۔ ان کی صحبت سے فیوضات و برکات حاصل کئے۔ نام سید احمد علی کی بجائے سید احمد اللہ شاہ تجویز ہوا۔

میر صاحب کے فرمانے سے ٹونک گئے، نواب وزیر الدولہ نے بڑی آؤ بھگت کی مگر جو مقصد پیش نظر تھا وہ وہاں پورا نہیں ہوا۔ وعظ و تذکیر کی مجلسیں جمیں اور دوسری طرف بعد نماز عصر محفل سماع ہوتی اس کا واقعہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی نے سوانح احمدی میں یوں لکھا ہے:-

ہوئے ٹونک میں جس گھڑی جلوہ گر	لگے کرنے بعض اعتراض آپ پر
کہ ہے ساز، سازو مزا میر سے	نہیں ڈرتے افعال تقصیر سے
دیئے آپ نے عارفانہ جواب	دلائل سے ان پر ہوئے فتحیاب
حسد تھا فروغ خداداد پر	کہا محبت سے کرکے قطع نظر
کہ بے امتحاں ہم تو قائل نہیں	کہا آپ نے کچھ یہ مشکل نہیں

ٹونک میں حضرت محراب شاہ قلندر کا شہرہ سنا، دل بے کیف ہو گیا۔ چل کھڑے ہوئے، گوالیار پہنچے۔

وہاں تھے بزرگ ایک محراب شاہ	ہر ایک جن کا نقش قدم سجدہ گاہ

قلندر صاحب گوالیار کے ایک رئیس سردار ستولے کے یہاں پیادوں میں ملازم تھے، ان سے جاکر ملے انہوں نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں میں تو تمہارا عرصے سے منتظر ہوں اور جو امانت بزرگوں سے لئے ہوئے بیٹھا ہوں معلوم ہوا اس کی سپردگی کا وقت آگیا۔ بیعت تو کرتے ہو مگر جان کی بازی لگانی ہوگی، سودا بڑا کٹھن ہے۔ آپ نے کہا! حضرت جو مرشد کا حکم ہوگا اس کی بسرو چشم تعمیل ہوگی۔ قلندر صاحب نے گلے سے لگایا اور خلعت خلافت عطا فرمایا اور درود و وظائف کے ساتھ تلقین جہاد ضروری قرار دی، فرمایا:-

ہمیشہ ترا رتبہ عالی رہے	سر خصم کو پائمالی رہے
مکدر رہے تجھ سے جو کد کرے	وہ خود کور ہو جو نظر بد کرے
کیا صاحب تیغ و تاج و نگیں	ہوا نقش امید کرسی نشیں
لیا ان سے پھر امتحان جہاد	کہ کھینچے نصاریٰ پہ تیغ عناد

دلی:- مرشد کی ہدایت پر دلی آئے۔ ابو ظفر بہادر شاہ، مغلیہ تخت حکومت پر جلوہ افروز تھے۔ اکبر شاہ نے تمام عمر ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم خسروی پر بتا دی تھی۔ یہ بھی اضافہء خوان کرم پر آس لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں حکمرانی تھی۔ غرض کہ نام نہاد کی بادشاہی تھی مگر مسلم قوم اس پر بھی مگن تھی۔ ہر ایک ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اپنی اپنی دلچسپیوں میں لگا ہوا تھا۔ شہزادے رنگ رلیوں میں مست تھے۔ بدکاری بڑھی ہوئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں لے جا رہا تھا۔ اس طرف آنکھ اٹھا کے بھی کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ علماء و صوفیاء کو اپنے نام و نمود و تن آسانی اور شکم پروری سے فرصت نہ تھی۔ علماء سرکار کمپنی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ کوئی قاضی بنا کوئی مفتی کوئی صدر الصدور مدرسہ و خانقاہ میں آباد۔ علوم عربیہ میں عقلیات کی گرم بازاری مگر حق بات کہتے ہوئے ڈرتے۔ محکمہء قضاۃ(9) جس کے عہدے پر مفتی مولوی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی فائز تھے وہ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہی توڑا جا چکا تھا۔ مفتی صاحب کو سرکاری وکیل بنا کر تر لقمہ دے دیا گیا تھا اس محکمہء قضاۃ کی بجائے صدر نظامت الہ اباد میں قائم ہوا اس سے ہی منسلک مفتی صاحب کئے گئے۔ غرض کہ بڑے بڑے عالم و مفتی دلی میں تھے کسی نے احتجاج تک نہ کیا اور نہ کسی قسم کی آواز بلند کی۔ بلکہ اس مداخلت فی الدین کو بلا اکراہ دیکھا کئے۔ جو حکومت کمپنی نے عہدے علماء کو دے رکھے تھے اس پر شکر و امتنان کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے دلی کا یہ رنگ دیکھا، دنگ رہ گئے۔ باوجودیکہ علماء کے سوائے بڑے بڑے شیوخ طریقت رشد و ہدایت کی محفل جمائے بیٹھے تھے۔ حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب(10)۔ خواجہ محمد نصیر۔ شاہ جلال۔ شاہ توکل حسین شاہ۔ فدا علی شاہ۔ ابو سعید شاہ۔ محمد آفاق جیسے حضرات مجاہدہ و ریاضت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب ہر ایک سے ملے جلے۔ تبادلہء خیالات کئے مگر کوئی ان کی ہمنوائی کو تیار نہ ہوا۔ ان سے نا امید ہوئے تو علماء کرام مولانا رشید الدین خان۔ مولوی کریم اللہ۔ مولوی مخصوص اللہ۔ مولوی قطب الدین خاں۔ مولوی عبد الخالق۔

مولوی سید محبوب علی۔ مولوی نصیر الدین شافی۔ مولانا محمد نور الحسن۔ مولوی کرامت علی۔ مولوی مملوک علی نانوتوی۔ سراج العلماء مفتی سید رحمت علی خان۔ بہادر اخون شیر محمد خاں۔ مولوی سید امت علی۔ مولوی محمد جان(11) ہر ایک درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں لگا ہوا۔ مولوی احمد اللہ شاہ ہر ایک بزرگ سے ملے۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور ان کے سامنے روئے دھوئے مگر ان کی فغاں اور بکا پر کسی نے کان تک نہ دھرے۔ حضرت مفتی صدر الدین آزردہ نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرے جاکر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

وہاں سے غرض شاد و ناشاد آپ ہوئے داخل اکبر آباد آپ

اکبر آباد:- صدر نظامت' الہ آباد سے آگرہ منتقل ہو چکا تھا اور اس کی وابستگان بھی آگرے آگئے تھے۔ ان میں مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار بھی تھے۔ شاہ صاحب مولانا آزردہ کا خط لائے تھے۔ مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور خاطر و مدارات میں لگ گئے۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا(12)۔ مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور۔ مولانا قاسم دانا پوری۔ مولانا غلام امام شہید امتھوی۔ مولوی امام بخش وکیل۔ صدر مولوی حافظ ریاض الدین' مفتی شہر۔ شیخ محمد شفیع اللہ الہ آبادی۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مولوی معین الدین۔ مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا احمد علی بیگ وکیل۔ سید باقر علی ناظم محکمہء دیوانی۔ مفتی عبدالوہاب گوپاموی۔ مفتی نور اللہ گوپاموی۔ مولوی نور الحسن۔ سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی(13) جیسے حضرات کی ان کے یہاں نشست تھی۔ ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گرویدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جمنے لگیں۔ ذکر و فکر کے حلقہ قائم ہونے لگے۔ مریدین کا جمگھٹا بڑھنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان ہنود بھی معتقد ہونے لگے۔ بابو بینی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کا معتقد تھا۔

محفل سماع:- شاہ صاحب کے یہاں محفل سماع کا اہتمام خاص طور سے ہوتا تھا۔ مریدین پر توجہ ڈالی اور ادھر لوہے کے کڑھاؤں میں کوئلہ کے انگارے بھرے رہتے' وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے۔ اس پر مریدین لوٹتے' آگ ان پر بالکل اثر نہ کرتی۔ میری پھوپی محترمہ عمدۃ النساء زوجہ خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر بیخبر الہ آبادی (14) فرمایا کرتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ ان کے مرید تھے۔ وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر مثل ماہیء بے آب تڑپتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت عام ہو گئی تھی۔ ہر کہ ومہ شریک صحبت ہوتا تھا۔

وعظ:- وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزار ہا ہندو مسلمان شریک ہوتے۔ سننے والے بے قرار ہو جاتے۔ ہر شخص قربان اور فدا ہونے کے لئے عہد کرتا۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ نے اپنی کتاب ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“ میں لکھا ہے۔ ”ان کی تقریروں میں ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آگرے کی تقریر میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان کی ہر دلعزیزی کی یہ حالت تھی کہ پولیس نے (ایک موقع پر مجسٹریٹ کے حکم پر) انہیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا(15)۔ یہ تو تقریر کی کیفیت تھی۔

مشق تیر و تفنگ:- ہفتے میں تیسرے روز بعد نماز عصر قلعہ اکبر آباد کے میدان میں مریدین کو لیجا کر فن سپہ گری اور شہ سواری کی مشق کرایا کرتے۔ خود بھی ایسا نشانہ لگاتے کہ جس کا جواب نہ تھا۔ تلوار کے ہاتھ ایسے بچے تلے ہوتے جس کی دھوم تھی۔ مریدین ثواب اور عبادت سمجھ کر یہ مشق کرتے تھے۔ مفتی انعام اللہ شہابی نے اپنی سواری کا گھوڑا اور بجلی سیف شاہ صاحب کو نذر کی۔

جلوس:- آپ کا جلوس جمعرات اور جمعہ کو باوقار اور نشان کے ساتھ نکلا کرتا۔ پالکی میں خود بدولت سوار ہوتے اور آگے ڈنکا بجتا۔ ہزار ہا آدمی جلوس میں ہوتے۔ جامع

مسجد میں آپ کے زمانے میں جتنے آدمی جمع ہو گئے' اتنے دیکھنے میں نہیں آئے۔ ڈنکے کی وجہ سے عوام میں ڈنکا شاہ کرکے بھی مشہور تھے۔ آپ کی رجوعات سے مشائخ وقت مخالف ہو گئے۔ فرخ شاہ فرخ آبادی نے اپنا رنگ جما رکھا تھا' ان کے یہاں عوام کی رجوعات کم ہونے لگی۔ ان کے ساتھی ایک مدرس تھے ان ہر دو شاہ صاحب کی مخبری حکومت میں جاکر کر دی مگر نتیجہ الٹا نکلا۔

ولسن گردی:- حضرت شاہ صاحب قصبات میں دورے کو تشریف لے جایا کرتے۔ کچھ عرصے کے لئے باہر گئے ہوئے تھے' حکام نے ان عہدہ داران صدر پر جن میں بڑا حصہ علماء کا تھا' رشوت کا مقدمہ چلایا۔ اکثر لوگ شاہ صاحب کے مرید و مشیر اور ہمنوا تھے۔ مسٹر ولسن جج مراد آباد سماعت مقدمہ کے لئے مقرر ہوا۔ شاہ صاحب کو سفر میں اس واقعہ کی خبر لگی۔ آپ نے فرمایا' یہ امتحان کی پہلی منزل ہے۔ گھبرانا نہ چاہئے' کسی کا بال بیکا نہ ہو گا۔ چند دن کی (آزمائش) ہے۔ استقلال اور پامردی کو کام میں لایا جائے۔ چنانچہ مقدمہ پیش ہونے پر جو گواہ آتے' ملزمین کی مقدس صورتیں دیکھ کر تھرا جاتے۔ جھوٹی گواہی دینے کی جرات نہ ہوتی مگر انتظاماً" کچھ لوگوں کو سزا کی گئی۔ لوکل اخبار میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی۔ "عمال صدر کا مقدمہ جو مراد آباد میں دائر تھا صاحب سیشن جج کے محکمے میں اس نہج سے فیصل ہوا۔ مولوی غلام جیلانی وکیل صدر مولوی غلام امام شہید پیشکار و منشی سراج الدین پیشکار کے حق میں چار چار سال کی قید کا حکم ہوا اور منشی محمد قاسم صاحب داناپوری مسل خوان تین سال اور مولوی بدر الحسن مسل خواں اور مولوی آل حسن صاحب منصف صدر کو دو دو سال۔ اب ان صاحبوں کی اپیل صدر میں دائر ہوئی اور مسل مقدمہ مراد آباد سے صدر میں طلب ہوئی۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے سب صاحبوں کو بری کرے(16)۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مولانا قاسم داناپوری جن کا شمار اولیائے کرام میں ہے اور ان کے ہزار ہا مرید صاحب ریاضت و مجاہدہ ان کو رشوت سے متہم کیا جانا تعجب ہے۔ دوسرے صاحب مولانا غلام(17) امام شہید جو عاشق رسول کہلاتے ہیں اور ان کے بھی ہزار ہا

مرید آگرہ' حیدر آباد' مراد آباد میں تھے وہ بھی رشوت میں۔ یہ سب سیاست ملکی تھی ان علماء کو منتشر کرنا تھا کیونکہ جس مقصد کے لئے یہ اٹھ رہے تھے اس بہانے سے اس میں رکاوٹ ڈالنا تھی۔ غرض کہ حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ یہ سب حضرات بری ہوئے۔ مسل مقدمہ داخل دفتر ہوئی۔ خان بہادر مفتی انعام اللہ بھی اس مقدمے کی زد سے نہ بچ سکے۔ اسعد الاخبار ۷ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ میں تحریر ہے کہ "مولوی انعام اللہ صاحب وکیل صدر بعلت بر آمد ہونے خطوط کے معطل ہوئے اور ان کی نسبت حکم میعادی پندرہ یوم صادر ہوا۔"

یہ لطف کی بات ہے کہ خان بہادر صاحب کے داماد خواجہ غلام غوث بیخبر خان بہادر ذوالقدر لیفٹیننٹ گورنر صوبہ مغربی و شمالی کے میر منشی نگران کی بھی کوئی رعایت نہیں۔ حکومت کا منشاء کچھ اور ہی تھا اس لئے وہ بھی لب بند کئے تھے مگر مفتی صاحب پر بھی کوئی آنچ نہیں آئی۔ جب بحال کئے گئے تو انہوں نے استعفاء دے دیا اور وکالت ترک کرکے نواب وزیر الدولہ کے پاس ٹونک چلے گئے اور مہتمم بندوبست ہو گئے مگر وہاں سے حضرت احمد شاہ کو امداد دیتے رہے۔(○)

عظیم الشان تاریخی مناظرہ:- ۱۸۵۶ء میں حضرت شاہ صاحب آگرہ سے لکھنؤ جا چکے تھے کہ پادری فنڈر کے مناظرے کا واقعہ ہوا۔ ہندوستان پر کمپنی کا اقتدار کافی و

○۔ مفتی انعام اللہ ابن مفتی محمد اسحاق سروردی ابن مفتی محمد ولی نبیرۂ اعلم العلماء ملا۔ وجیہ الدین مولف ربعہ حصہ فتاوی عالمگیری ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجد سے علوم عربی کی تحصیل کے بعد فراغت علمی لکھنؤ گئے عرصہ تک نظامت کی تمنا میں رہے۔ ناکامیابی پر وہاں سے مرشد آباد گئے پھر کلکتہ پہنچے۔ مشاعرہ کیا عمائد سے اس طرح تعلق ہو گیا۔ سر ایڈورڈ کول برک سے رسم ہو گئی اس کا لڑکا مسٹر شیرا ان سے فارسی پڑھتا تھا۔ کول برک دلی کے ریذیڈنٹ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب اس کے ہمراہ دلی آئے اس نے اپنے محکمہ کا سر رشتہ دار کر دیا۔ عرصے تک وہاں رہے ریذیڈنٹ ولایت گئے محکمہ قضاۃ شکست ہو گیا آپ الہ آباد آئے اور محکمہ صدر میں وکیل مقرر ہوئے۔ صدر آگرہ آیا تو آپ بھی اس کے ہمراہ آگرہ آئے ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو وصال ہوا درگاہ ابوالعلا میں دفن ہوئے۔ (تاریخ مفتیان گوپامئو صفحہ ۳۹)

وانی ہوتے ہی ان کے زیر اثر عیسائی مناد ہندوستان آنے لگے۔ ایک طرف انگریزی سے عیسویت پر اردو میں ترجمے شائع کئے' دوسری طرف مشنریوں نے اپنے مطبعے بھی قائم کئے۔ ایک مطبع مرزاپور میں تھا' ایک آگرہ سکندرے میں قائم کیا بلکہ اخبار بھی نکالتے تھے۔ چنانچہ خطبات گارسان وتاسی میں ہے۔ "مرزاپور سے خیر خواہ ہند نکلتا تھا۔"

یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے(18)۔ دوسری جگہ گارسان وتاسی لکھتا ہے:-

"رومن کیتھولک نقطۂ نظر سے سردھنہ سے مذہبی عقائد کے سوال و جواب کی کتاب بھی چھپتی ہے۔ یہ آگرے والی کتاب سے زیادہ مفصل ہے یہاں پر مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے۔"

عیسائی اولیاء کے تذکرے اور مذہبی کتابیں فارسی و دیوناگری حروف میں چھپتی ہیں۔(19)

"پروٹسٹنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور ان کی اشاعت سے اہل ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے۔"

ایک طرف عیسوی لٹریچر شائع کیا جا رہا تھا' دوسری طرف مبلغ' عیسویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کا تبلیغی طریقہ دلخراش تھا۔ وہ بلا دشنام طرازی کے کسی مذہب کے بانی و داعی کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ اسلام پر تو ایسے رکیک حملے کئے جس سے عوام کے جذبات میں بے حد جوش پیدا ہو چلا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں فنڈر نامی پادری یورپ سے ہندوستان پہنچا جسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ ں نے اسلام پر اعتراض کا ایک لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسائی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ عام علماء بھی اس مذہب کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور انہوں نے کبھی توجہ بھی نہ کی تھی۔ البتہ بعض مسلمان محققوں نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ بہار کے ایک ڈاکٹر

وزیر خان نامی جو مرشد آباد ایک عرصے تک رہے' پھر یورپ ڈاکٹری کی تکمیل کے لئے گئے' ایک طرف ڈاکٹری فن میں بڑی ڈگری لی اور دوسری طرف ذاتی سعی و کاوش سے یونانی اور عبرانی زبانوں میں معقول درک حاصل کیا۔ مذہب عیسوی پر جس قدر کتابیں شروح و تفاسیر حاصل کر سکتے تھے وہ کیں اور ان کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ہندوستان لیتے آئے۔ ان کا تقرر گورنمنٹ نے آگرے میں کر دیا۔ محلّہ کاغذیان تاج گنج میں رہتے تھے۔ پادری فنڈر مذکور نے ہندوستان میں چند جگہ علماء سے گفتگو بھی کی مگر وہ جواب نہ دے سکے تو آگرے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔

ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی سے بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولانا کو بلوا بھیجا۔ آگرہ آئے اور چھلی اینٹ مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرے کا بڑا انتظام کیا۔ ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی' جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم آئے تھے اور امراء بھی شریک ہوئے تھے۔ مسٹر راسمٹ حاکم صدر' مسٹر کرسٹن سیکرٹری ریونیو بورڈ' مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی' مسٹر لیڈلی مترجم اول برٹش گورنمنٹ' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے قیس فنڈر مناظر اول و قیس فرنچ مناظر دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور ان کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ جلسہ کئی یوم رہا۔ ہزارہا ہندو مسلمان تماش بینوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے۔ پہلا مسئلہ جس پر بحث ہوئی وہ انجیل و توریت کی تحریف کا تھا۔ بحث و تمحیص کے بعد علانیہ سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں (انجیل و تورات) محرف ہو چکی ہیں۔ لیکن صرف مسئلہ تثلیث میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو خود مشکوک مان رہا ہے' اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ الغرض فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو

مجلس سے اٹھنا پڑا اور آگرے سے چلتا ہوا۔ اس نے تبلیغ عیسویت پر "میزان حق" کتاب لکھی تھی۔ ایک طرف مباحثہ گرم' دوسری طرف دولت کا لالچ اور سرکاری اعلیٰ عہدہ ملنے کی توقعات۔ چنانچہ مولوی صفدر علی' مولوی عماد الدین جیسے لوگ مرتد ہو گئے اور عیسویت قبول کر کے اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے تھے۔ پادری عماد الدین نے "تعلیم محمدی" لکھی۔ غرض کہ سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لئے یہ اٹھا کہ ایک طرف حکومت ان کے ہاتھ سے لے لی گئی' دوسری طرف مذہب پر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ عوام لالچ سے دن بدن عیسویت کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی اور شاہ احمد اللہ کی تحریک سے علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر اس کے' تغلب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے احباب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے فیض صحبت سے اسلام لائے اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرے میں موجود ہے۔ خاندان صابریہ میں بیعت ہوئے۔

(نوٹ) ڈاکٹر وزیر خاں فتنہ عام قرطاس میں آگرے سے دہلی چلے گئے۔ جنرل بخت خاں نے ان کو آگرے کا لارڈ گورنر کر دیا تھا۔(20) ان کے معرکے بھی دلی کے ہنگامے میں کارنامے کی صورت سے ہوتے تھے۔ ان کی ہمراہی میں مولوی فیض احمد عثانی بدایونی تھے۔

(نوٹ) مولوی رحمت اللہ کیرانوی ابن نجیب اللہ ان کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمن عثانی گارزانی' سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔ قصبہ پانی پت میں قیام کیا ان کی اولاد سے مولوی رحمت اللہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب وطن میں پڑھیں۔ مولوی محمد احمد کے ہمراہ تحصیل علم کے لئے شاہجہاں آباد آئے اور مدرسہ مولوی حیات میں قیام کیا۔ ان کے والد راجہ ہندو راؤ میرٹھ کے میر منشی تھے۔ عمر زیادہ ہو چکی تھی' وہ ۱۲۵۳ھ میں وطن چلے گئے۔ مولانا یہاں سے لکھنؤ گئے۔ مفتی سعد اللہ سے تکمیل اور ازالتہ الاوہام کتاب لکھی۔ دہلی لوٹے اور مولوی آل حسن سے ملے پھر کیرانہ وطن گئے۔ آگرے آئے' مناظرہ پادری فنڈر میں شریک ہوئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ان کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ یہ مکہ معظمہ کو عازم ہوئے۔ وہاں مستقل قیام کیا۔ ۱۲۸۴ھ میں قسطنطنیہ پادری فنڈر

پہنچا۔ وہاں آپ بلائے گئے' اس کو وہاں بھی شکست ہوئی۔ مولانا مکہ لوٹے اور مدرسہ صولتیہ قائم کیا' ان کو سلطان نے ۱۲۵ روپیہ ماہانہ دینا شروع کیا۔ مولوی رحمت اللہ حجاز جب ہجرت کر گئے تو ہندوستان میں حکومت نے ان کی املاک پر قبضہ کیا اور اس پر ہل چلوا دیئے۔ عمر ۷۵ سال ۲۴ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مدینے میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولوی امیر علی شاہ امیٹھوی ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء میں شہید ہوئے۔

"واقعہء شہادت امیر علی شاہ":- مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کی خبر آگرے بھی پہنچی۔ حضرت احمد اللہ شاہ نے سن کر فرمایا اب وقت ہمارے کام کا آگیا۔ اولاً گوالیار گئے۔ اپنے پیرو مرشد محراب شاہ قلندر سے ملے اور لکھنؤ کے سفر کی اجازت لی۔

ہوئے شاد حضرت کے انعام سے — رہے تھوڑے دن عیش و آرام سے
سفر کی وہاں سے بھی رخصت ملی — پےء جنگ و پیکار اجازت ملی
جھکے کوشش و جستجو کی طرف — گئے بلدۂ لکھنؤ کی طرف

آپ آگرے سے روانہ ہونے لگے' مریدین ہمراہ ہو گئے۔ ایک جم غفیر ساتھ تھا ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھر بار کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ ماں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی اور بیوی شوہر کو رخصت کر رہی تھی۔ ہر ایک کا دل مگن تھا۔ مرشد ساتھ ہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کانپور:- کانپور پہنچے' یہاں عظیم اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص انگریزی کا بڑا عالم تھا۔ ماسٹر گنگا دین سے انگریزی تحصیل کی تھی۔ مشن کالج کے ہیڈ ماسٹر رہے' پھر کلکٹر کے کہنے پر نوکری ترک کر کے نانا راؤ پیشوا والیء بٹھور کے سربراہ کار ہو گئے۔ نانا راؤ جس کا متبنیٰ تھا اس کو پنشن آٹھ لاکھ ملتی تھی۔ وہ گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔ عظیم اللہ خاں نے کہا میں ولایت جا کر لارڈ ڈلہوزی سے تنخواہ واگذاشت کرا لاؤں گا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں عظیم اللہ خاں اور نانا راؤ کا بھائی بالا صاحب اور علی محمد خاں المعروف جیمی گرین بریلوی جو نوابان روہیل کھنڈ کی اولاد سے تھا اور انگریزی کا بڑا

(نوٹ) علی محمد خاں بریلوی روہیل کھنڈ کے بڑے شریف خاندان نوابان سے تھے۔ جس میں نواب نجیب الدولہ' نواب دوندے خاں جیسے لوگ گذرے۔ بدو شعور پر انگریزی تعلیم دلوائی۔ بریلی کالج میں پڑھا اور انگریزی میں نام پیدا کیا۔ نیز انجینئرنگ کالج روڑکی میں داخل ہو کر اول درجہ پاس کیا۔ مگر کمپنی نے ملازم جمعداری کے عہدے پر کیا' جس سارجنٹ کے ماتحت تھے وہ ان سے وحشیانہ برتاؤ کرتا تھا۔ یہ ملازمت چھوڑ کر وطن چلے گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کی ملازمت کے لئے گئے۔ لکھنؤ میں سنا' مہاراجہ جنگ بہادر والیء نیپال گورکھپور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا ہے اور انگلستان جانے کے لئے ایک انگریزی داں لائق سیکرٹری چاہتا ہے۔ یہ فوراً اس کے پاس گئے' اس نے نوکر رکھ لیا۔ مہاراجہ کے ہمراہ انگلینڈ گئے' وہاں سے برما بھی جانا ہوا۔ ہندوستان آکر دوسرے راجواڑوں میں نوکر رہے۔ پھر عظیم اللہ خاں سے ملنا ہوا۔ اس کے ساتھ رہے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر سے بریلی کی پلٹن میں شامل ہو کر دلی آئے اور چیف انجینئر مقرر ہوئے۔ پھر لکھنؤ آکر حضرت محل کی فوج کے چیف انجینئر ہو گئے۔ آخرش اناؤ میں پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ مفصل حال سرگذشت محمد علی خاں بریلوی عرف جیمی گرین "مصنف" مارچ ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۳۶ میں دیکھئے۔

اور عظیم اللہ کا ہم سبق تھا' اس کو ساتھ لیا۔ تینوں انگلستان پہنچے' ان کے ساتھ کافی رقم تھی۔ حسب دل خواہ وکیل کئے گئے اور نانا راؤ کا حکم تھا کہ بصورت ضرورت مٹھی بھی گرم کر دی جائے۔ آؤ بھگت ان لوگوں کی خوب ہوئی مگر مطلب خاک نہ نکلا۔ پانچ لاکھ روپیہ خراب کر کے وہاں سے یہ وفد براہ قسطنطنیہ ہندوستان کو ۱۸۵۵ء میں روانہ ہوا۔ وفد قسطنطنیہ سے کریمیا گیا۔ ۱۸ جون کو انگریزی فوج نے حملہ کیا تھا' جس میں یہ شکست یاب ہوئے۔ یہ حال ان لوگوں کے سامنے گزرا۔ میدان جنگ سے پھر قسطنطنیہ لوٹے' جہاں کئی روسی افسر ملے' وہ کہنے لگے اگر تم لوگ ہندوستان میں انگریز سے بغاوت کرو تو ہم ہر طرح مدد دیں گے اور تمہارا ملک آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ ہندوستان آگئے اور نانا راؤ سے سب حال کہہ سنایا۔ اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح کمپنی کا راج سرزمین ہندوستان سے کھو دیا جائے(21)

لکھنؤ کی روانگی:- حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کچھ عرصہ کانپور رہے۔ یہاں سے اناؤ ہو کر لکھنؤ پہنچے' گھاس کی منڈی میں قیام کیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے' ان دنوں صدر الصدور تھے۔ کچھ دن ہوئے تھے کہ امیر علی شاہ کے خلاف فتویٰ مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی کی تائید میں دے چکے تھے' وہ آپ سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی صدر الصدوری سے استعفیٰ دے دیا اور الور چلے گئے اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے اتنے ہی دشمن ہو گئے۔ لکھنؤ کے قیام میں ہر شخص شاہ صاحب کی خدمت میں آنے لگا۔ امیر و غریب کی کوئی قید نہ رہی۔ عقیدت سے سب پیش آنے لگے۔

نصاریٰ سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

تحریک کو تقویت دینے کے لئے امیر علی شاہ کی شہادت کو تشویق جہاد کے لئے پیش کیا اور اپنے مریدین کو ساتھ لے کر فیض آباد پہنچے۔

کہ حضرت جو خیمے میں داخل ہوئے سوئے فیض آباد مائل ہوئے

آپ نے فیض آباد میں جو تقریریں کیں اور واقعات شہادت حضرت امیر علی شاہ بیان کئے' ہر فیض آبادی پر ایک مجاہدانہ رنگ آگیا اور ان میں فرنگیوں اور عمال کمپنی سے انتقام لینے کی آگ بھڑکنے لگی۔ آپ کے پاس ہزارہا فداکار جمع ہونے لگے اور ہر ایک اسلحہ سے آراستہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کو باضابطہ جنگی تربیت اور قواعد کی تعلیم دی جانے لگی۔ یہ خبریں حکام تک پہنچیں' انہوں نے کوتوال شہر کو آپ کے پاس بھیجا کہ قواعد اور اسلحہ بندی کیا معنی رکھتی ہے۔

غرض کہ شاہ صاحب نے حکومت کی دھمکیوں کو خطرہ میں نہیں لاتے ہوئے پیری مریدی کا سلسلہ قائم کر دیا اور مجاہدین کی تنظیم شروع کر دی۔ آخرش حاکم فیض آباد نے فوجی قوت سے آپ کو روکنا چاہا۔ رد و بدل میں ایسا طول کھینچا' ہر دو طرف سے تلواریں کھنچ گئیں۔ شاہ صاحب سے ایک فوجی افسر کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ ایک ہی وار میں وہ آ رہا' مگر زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ فوجی نرغہ اس قدر تھا کہ شاہ صاحب بھی

زخمی ہو کر گر پڑے۔ معاونین یہ حال دیکھ کر پیچھے ہٹتے اور آگے بڑھتے اور مقابلہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے مگر فوج کے سپاہیوں نے شاہ صاحب کو بے ہوشی میں گرفتار کر لیا اور پالکی میں ڈال کر قید خانے لے گئے اور پابہ زنجیر کر دیا اور آپ کے ہمراہی بھی گرفتار کر لئے گئے۔

وہ شیر ژیاں پھنس گئے دام میں ہوئے قید اس فتنۂ عام میں

ہنگامہ ۱۸۵۷ء:- اس واقعہ بالا کو چند ماہ گزرے تھے کہ میرٹھ سے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر عام ہوئی۔ اس کا اثر اہل فیض آباد نے بھی لیا۔ یہاں حکومت کمپنی سے نفرت تو پیدا تھی ہی، موقعہ دیکھ کر امیر علی شاہ کے ساتھیوں نے اور احمد اللہ شاہ کے مریدوں نے شہر میں آگ لگا دی۔ فوجیوں میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ ان کا پہلا حملہ جیل خانے پر ہوا، تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور شاہ صاحب کو قید فرنگ سے آزاد کرایا۔ ادھر مولوی سکندر شاہ فیض آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے علم جہاد بلند کیا۔ عوام ان کے ساتھ ہو گئے۔ لیفٹیننٹ طامس صاحب نے فوج سے ان کا مقابلہ کیا۔ مولوی صاحب کے ساتھ بھی باضابطہ فوج تھی ہی، چند توپ کے گولوں نے عوام کے چھکے چھڑا دیئے۔ آخرش مولوی سکندر شاہ کو پکڑ لیا اور قید خانے میں داخل کر دیئے گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے لکھنؤ کا رخ کیا تاکہ لکھنؤ پر اپنا قبضہ جما دیں۔ چنانچہ لکھنؤ میں مولوی احمد سعید سبط شاہ، غلام علی نے علم محمدیؐ اٹھا رکھا تھا اور عوام میں عام بے چینی پیدا ہو گئی تھی مگر کرتا دھرتا کوئی نہ تھا۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے پہنچتے ہی ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور تمام منتشر مجاہدین آپ کے پاس آ جمع ہوئے۔ سر ہنری لارنس چیف کمشنر لکھنؤ نے حتی الوسع بغاوت کو رفع کرنا چاہا مگر سعی بے نتیجہ رہی۔

تخت نشینی مرزا برجیس قدر:- جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سید برکات احمد اور راجہ لال سنگھ اور شہاب الدین وغیرہ نے شہزادہ مرزا برجیس قدر خلف واجد علی شاہ کو اودھ کا بادشاہ بنا کے تخت پر بٹھا دیا۔ مسند نشینی کے وقت جہانگیر بخش صوبیدار توپ

خان فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوا۔ جرنیلی کا خلعت حسام الدولہ کو ملا، مگر کل و جز کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خاں عرف ممو خاں کے ہاتھ میں تھے۔

برجیس قدر کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ ان کی والدہ حضرت محل جو ایک بہادر خاتون تھیں وہ ولیہ مقرر ہوئیں مگر اس تخت نشینی سے باشندے خوش نہ تھے۔ تمام سنی امیر علی شاہ کے واقعۂ شہادت سے واجد علی شاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے جانی دشمن اور بدخواہ تھے۔ ان کو اس خاندان سے دلی نفرت تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اودھ کی حکومت پر سنی حکمراں ہو۔ چنانچہ مولوی احمد اللہ شاہ، اہل لکھنؤ کا نقشہ دیکھ کر خود داعیٔ حکومت ہو گئے۔ ایک مورچہ قائم کیا اور نصف لکھنؤ پر اپنا تسلط جمایا۔ جگہ جگہ اپنے تھانہ چوکی بٹھا دیئے اور عمال مقرر کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت محل حاضر ہوئیں اور مرزا برجیس قدر کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا اور عرض کی کہ آپ اس کے سرپرست رہیں اور جو حکم آپ دیں گے، ہم لوگ تابعداری کے لئے حاضر ہیں مگر ممو خاں کو شاہ صاحب کا وجود ناگوار تھا اور وہ آپ کے اثرات اور فضل و کمال سے گھبرا رہا تھا۔ اس کی تمام امیدوں پر آپ کے اقتدار سے پانی پڑ گیا تھا۔ مگر اپنی سعی میں کوتاہی نہیں کر رہا تھا۔ ممو خاں کو انگریزوں سے بھی دلی بغض تھا۔ واجد علی شاہ کی معزولی کا انتقام لینے کے لئے پوری شجاعت اور مردانگی سے کام لے رہا تھا۔ انگریزی فوج کے مقابلے میں داد شجاعت دی مگر ساتھ ہی مالداروں اور ہوہریوں سے روپیہ جبریہ کھینچ رہا تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار پکڑوا بلواتا اور ان سے جبر سے فوج کی امداد کے نام سے روپیہ وصول کرتا۔ اس کی اس حرکت سے عوام میں انتشار تھا اور وہ لوٹ لوٹ کر عہدہ داران کمپنی سے خفیہ ساز باز کر رہے تھے۔ ادھر مولوی احمد اللہ شاہ کا یہ عالم تھا کہ کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی خوش دلی سے نذرانہ پیش کر دے تو مضائقہ نہ تھا۔ چنانچہ امیر اور دولت مند شاہ صاحب کے پاس کافی رقم بھیجتے تھے۔ غلہ وغیرہ کی مدد کرتے تھے۔ ممو خاں کے ظلم کے ستائے

ہوئے لوگ جو تھے وہ آپ سے فریاد کرتے تو آپ ان کی دلجوئی فرماتے اور مو خاں سے رقم واپس کراتے۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحب کا سکہ لکھنؤ پر بیٹھ رہا تھا۔ سنی تمام آپ کے گرویدہ تھے' البتہ شیعہ خوش نہ تھے مگر ظاہراً ساتھ تھے اور کمپنی کے بھی خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شرر "گزشتہ لکھنؤ" میں لکھتے ہیں:۔

"کارتوس کے جھگڑوں اور گورنمنٹ کی ضد نے ۱۸۵۷ء میں غدر پیدا کر دیا اور میرٹھ سے بنگالے تک ایسی آگ لگی کہ اپنے پرائے سب کے گھر جل اٹھے اور ایسا فتنہء عظیم پیدا ہوا کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کی بنیاد ہی متزلزل نظر آتی تھی۔ جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سمٹ کے دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا۔ ویسے ہی الہ آباد فیض آباد کے باغی بھی' ۱۸۵۷ء میں جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہنچے' ان کے آتے ہی یہاں کے بھی بہت سے بے فکرے اٹھ کھڑے ہوئے اور برجس قدر کی بادشاہی قائم کر دی۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ داران مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جاں بر ہو سکے' بیلی گارڈ میں قلعہ بند ہو گئے' جس کے گرد باغیوں کے پہنچنے سے پہلے ورس بنا لئے گئے تھے اور حفاظت و بسر کا کافی بندوبست کر لیا تھا۔ لکھنؤ میں انگریزوں کی باغی فوج کے علاوہ اودھ کے اکثر زمیندار و تعلقہ دار اور عہد شاہی کے برطرف شدہ سپاہی کثرت سے جمع تھے۔"

برجیس قدر کے ہمراہیوں میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اصول جنگ سے واقف ہو اور تمام منتشر طاقتوں کو یکجا کر کے ایک باضابطہ فوج بنا سکے۔ بخلاف اس کے انگریز اپنی جان پر کھیل کر اپنی حفاظت کرتے' سر ہتھیلی پر لے کے حملہ آوروں کو روکتے تھے۔ اور جدید اصول جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ لکھنؤ میں برجیس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔ برجیس قدر کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا۔ عہدہ داران

سلطنت مقرر ہوئے۔ ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی اور صرف تفنن طبع کے طور پر محاصرے کی کارروائی بھی جاری تھی۔ لوگ حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتی اور ان کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھی۔ مشیر اچھے نہ تھے اور سپاہی کام کے نہ تھے۔ ہر شخص غرض کا بندہ تھا اور کوئی کسی کا کہنا نہ مانتا تھا۔ انگریزی فوج کے باغی اس غرور میں تھے کہ یہ فقط ہمارے دم کا ظہور ہے۔ اصلی حاکم ہم ہی ہیں اور جس کے سر پر جو تاج رکھ دیں وہی بادشاہ ہو جائے۔ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب جو فیض آباد کے باغیوں کے ساتھ آئے تھے اور کئی معرکوں میں لڑ چکے تھے وہ الگ اپنا رعب جما رہے تھے بلکہ خود ہی اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ برجیس قدر کے مقابل لکھنؤ ہی میں ان کا دربار الگ قائم تھا اور دونوں درباروں میں پولیٹیکل اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کا جھگڑا اور تعصب بھی نمایاں ہونے لگا۔ غرض بادشاہ اور شاہ صاحب میں رقابت بڑھتی گئی۔

آخر اس سال نومبر میں برجیس قدر کی تخت نشینی کو چھ یا سات مہینے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج لکھنؤ پر تسلط حاصل کرنے کے لئے آ گئی۔ جس کے ساتھ پنجاب کے لوگ اور بھوٹان کے پہاڑی بھی تھے(22)۔ اس جگہ جی ڈبلیو فارسٹر کا بیان(23) بھی مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق دلچسپ اور تاریخ کی اہم کڑی کے اظہار پر مبنی ہے' وہ لکھتا ہے:۔

"اس جگہ پر جن کو فیض آبادی مولوی کہا گیا ہے' یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کے وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا اور جنگی مہارت کی وجہ سے وہ سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ جو چارلس نال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے' وہ ایک حد تک ان کی خصوصیات اور سیرت کا اجمالی نقشہ پیش کرتا ہے۔

حلیہ :- ایک لمبا لاغر مگر مضبوط آدمی۔ دبلے جبڑے' لمبے پتلے ہونٹ' اونچا بانسہ' بڑی بڑی آنکھیں' تیغ نما ابرو' لمبی داڑھی' سخت کالے بالوں کی زلفیں دونوں کاندھوں پر پڑی رہتیں۔ اس حلیے کے بیان کے بعد لکھتا ہے:-

"اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمال مغربی صوبہ جات میں ظاہرا" مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے' لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصے تک وہ آگرے میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر' شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں' لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے' آخر کار جب بغاوت رونما ہوئی اور وہ فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے تو یہ مولوی جو سابقا" "غیر منظم طریقے پر اپنے مریدین کو ابھار رہے تھے' گارد کی نگرانی میں تھے۔ ہنگامہ کرنے والوں نے ان کو چھڑا کر اپنا سردار بنا لیا۔ اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔

اگرچہ کچھ عرصے تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت چھپی رہی' لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا۔ چونکہ یہ قابل آدمی اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا' جو نانا صاحب کی انتقامی جوش کی خصوصیت تھی' اس سے یہ بالکل پاک و صاف تھا۔ اس لئے برطانیہ بھی ایک حد تک ان کو اچھا اور قابل نفرت دل میں نہیں سمجھتی تھی۔

معرکہ :- غرض کہ برجیس قدر اور شاہ صاحب کی کشمکش سے آٹھ ماہ گزر گئے۔ لکھنؤ کے نزدیک انگریزی فوج آموجود ہوئی۔ ادھر دلی' آگرہ' کانپور وغیرہ کے ارباب

سیاست اپنی ناکامیوں کے بعد لکھنؤ آ گئے۔

شاہزادہ فیروز شاہ (شہزادہ فیروز شاہ ابن ناظم بخت فرخ سیر شاہ دلی کے نواسے تھے۔ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج سے واپس آکر اندور میں مقیم ہوئے۔ یہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خبر لگی۔ گوالیار گئے۔ پھر دھولپور سے خزانہ لیا اور افغانیوں کو ساتھ لے کر آگرہ پر حملہ بولا۔ پھر میوات گئے۔ شیخ فضل علی رسالدار اور جنرل عبدالصمد خان انکے شریک ہو گئے۔ لکھنؤ آکر احمد اللہ شاہ کے شریک ہوئے۔ مراد آباد' بریلی' شاہجہانپور میں معرکوں میں انگریزی طاقت سے مقابلہ کیا۔ آخرش بعد شہادت شاہ صاحب اٹاوہ' جے پور' بیکانیر وغیرہ ہو کر حجاز پہنچ گئے۔ آخری ایام آرام سے گذارے۔ ۱۸۹۵ء کے بعد انتقال ہوا۔ شہزادہ کا مفصل تذکرہ غدر کے چند باغی علماء میں ہے)' **جنرل بخت خاں**' بہادر شاہ کے بھائی مرزا کوچک سلطان' مولوی لیاقت علی الہ آبادی' قاضی سرفراز علی جونپوری' امیر المجاہدین یہ سب حضرات شاہ صاحب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ میر اکبر علی ساکن گنتور نے دو بٹالین سرہندی نوکر رکھ لئے اور نواب گنج کے ایک باغ میں مورچہ جما کر بیٹھ گئے اور حضرت احمد اللہ شاہ سے عرض کی حضور بھی گھاس کی منڈی سے یہاں آ جائیں۔ چنانچہ آپ بھی مع ساتھیوں کے باغ میں اٹھ آئے۔

پہلا معرکہ :- شاہ صاحب نے جانبازوں کی جماعت سے عمارات سلطانی پر ہلہ بول دیا۔ آپ کے پیر میں گولی بھی لگی مگر سرکاری فوج پر کامیاب ہوئے۔ ان کو اپنا مورچہ چھوڑنا پڑا۔ آخر رسد خانہ کی کوٹھی پر انہوں نے قبضہ کر لیا(24)۔ اور ادھر مچھلی بھون میں سرنگ لگا کر اڑا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لکھنؤ پر شاہ صاحب چھا گئے مگر ممو خاں کی بے وقوفی اور غرور نے تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بیلی گارڈ پر شاہ صاحب حملہ آور ہوئے۔ پھاٹک تک پہنچ گئے مگر ساتھیوں نے ہمت ہار دی اور ممو خاں کی کار فرمائی سے یہاں سے آپ کو پسپا ہونا پڑا۔ ایسے کئی مقابلے ہوئے

آخری معرکہ عالم باغ :- ۱۹ رجب کو جرنل مارٹن نے مورچہ قائم کیا' اس کے مقابل جنرل بخت خاں نے چکراولی کوٹھی کی طرف مورچہ لگایا اور اپنے کیمپ سے ایریا میں بھی مورچہ قائم کیا' جس کا انچارج یوسف خاں برادر ممو خاں کو کیا اور اشرف الدولہ غلام رضا رسد رسانی کے انتظام پر مقرر ہوئے۔ چکراولی کوٹھی کے

مورچہ کے انچارج حضرت شاہ صاحب خود تھے۔ سلطان پور سے جو فوج انگریزوں کی آئی، اس سے نواب اشرف الدولہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ ککڑال پر اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے تھے۔ توپ کا گولہ اشرف الدولہ کے ہاتھی پر جو لگا، یہ گھبرا گئے اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔ ادھر محلات پر چند گولے برسے۔ بھگدڑ پڑ گئی۔ چکراولی کے مورچہ پر انگریزی فوج کا دباؤ پڑنے لگا۔ شاہ صاحب داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت محل بھی ممو خاں کے ساتھ فوج کے لڑانے میں سرگرمی دکھا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے اپنے مورچے کا رنگ بگڑتا دیکھا، وہاں سے ہٹ کر سرائے معتمد الدولہ میں آکر ٹھہرے۔ آخری جنگ شاہ صاحب نے عیش باغ پر ڈٹ کر کی۔ شہزادہ فیروز شاہ کو معہ تلنگوں کے پکے پل پر لگایا مگر نواب ممو خاں اور حضرت محل کی گھبراہٹ اور بے موقع میدان مصاف سے ہٹنے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ حضرت محل برجیس قدر کو لے کر لکھنؤ سے نکل کھڑی ہوئیں۔ مولوی احمد شاہ لڑتے بھڑتے رہے، آخرش شاہ صاحب اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل بخت خاں اپنے ساتھیوں کو لے کر شاہجہاں پور روانہ ہوئے۔ سیتاپور ہو کر گوپامو پہنچے۔ میرے عزیز مولوی ابرار حسین فاروقی فاضل ازہر ایم اے (علیگ) گوپاموی اپنے والد(25) کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قصبے میں نصیر الاسلام خاں (نواب نصیر الاسلام نہایت ذی علم دانشمند اور فہیم تھے۔ عرصہ تک آخری شاہ اودھ کے دارالانشاء میں رہ چکے تھے) ممتاز رئیس تھے۔ شاہ صاحب کی تشریف آوری پر علماء و رؤسا قصبہ نے شایان شان استقبال کیا اور کافی سے زیادہ مدارات کی۔ مفتی نور اللہ اور مفتی عبدالوہاب آپ کے مرید خاص یہاں رہتے تھے پھر یہاں سے عازم شاہجہانپور ہوئے۔

شاہجہاں پور اور روداد ہنگامہ :- ۳۱ مئی بروز اتوار شاہجہاں پور میں ہنگامہ بپا ہوا۔ فرنگی گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کپتان مع فوج کے آ گئے۔ سپاہی ہٹ کر شہر پر حملہ کرنے چلے گئے۔ قلعہ پہنچ کر نواب قادر علی خاں کو ناظم شہر مقرر کیا اور سند نظامت نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نواب بریلی سے

حاصل کی اور ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ ایک سال تک یہ جنگ آزادی برپا رہی۔ اس دوران میں جنرل بخت مشہور سرغنہ اور تجمل حسین خاں رئیس فرخ آباد اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل اسماعیل خاں فتح گڑھ سے پسپا ہو کر شاہجہاں پور آ موجود ہوئے۔ نانا راؤ پیشوا بھی آگئے ۲۸ اپریل کو بچپوریہ کے مقام پر نواب قادر علی خاں اور کمپنی کی سپاہ سے مقابلہ ہوا۔ نواب موصوف کے کمانڈر نظام علی خاں شہباز نگری تھے۔ اس لڑائی میں معہ ساتھیوں کے کام آئے بقیہ فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ شہر کی حفاظتی فوج مولوی احمد اللہ شاہ کے زیر کمان تھی۔ انہوں نے فوج سرکاری کو آتے ہوئے دیکھ کر شہر کو خالی کر دیا اور دو تین روز بعد پلٹ کر شاہجہانپور پر دھاوا بول دیا اور انگریزی فوج جیل میں دمدمہ بندی کر کے مورچہ زن ہوئی۔ شاہ صاحب نے بھی کوٹھی کو باغیوں کا مکان سمجھ کر پھونک دیا۔ ۳ مئی ۵۸ء سے ۹ مئی تک حملہ جاری رہا۔ محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی کہ سر کالن کمبل کو وقت پر اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک فوج گراں بسر کردگی برگڈر نیبو جان جونسن روانہ کر دی۔ ۱۱ مئی ۵۸ء کو نیا گھاٹ پر شاہ صاحب نے روکنے کی کوشش کی، مورچے پر جمے رہے۔ شاہ صاحب کی امداد پر فیروز شاہ اور حضرت محل معہ اپنی بقیہ فوج کے آگئے۔ ۱۵ مئی ۵۸ء کو شاہ صاحب نے دمدمہ پر سخت حملہ کیا مگر جونسن اپنی جگہ پر قائم رہا۔ ۱۸ مئی ۵۸ء سر کالن کمبل بریلی سے فوج لے کر آگیا۔ شاہ صاحب نے مناسب یہ سمجھا کہ ہمراہی خطرے میں پڑ جائیں۔ مقابل فوج مع سامان حرب کے بہت زیادہ ہے اور یہاں جانباز بے سروسامان صرف شوق شہادت اور وطن پرستی دامنگیر۔ لہٰذا قصبہ محمدی تشریف لے گئے۔

چند روزہ ہندوستانی حکومت :- محمدی پر شاہ صاحب نے قبضہ کیا۔ چاروں طرف دمدمہ بندی کی اور اپنی حکومت پورے طور سے قائم کر دی۔ وزیر جنگ جنرل بخت خاں مقرر کئے گئے۔ قاضی القضاۃ سرفراز علی جونپوری، نانا راؤ پیشوا دیوان تھے۔

کونسل کے اراکین میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔ مولوی فیض احمد بدایونی۔ شاہزادہ فیروز شاہ' باجبر شریک ہوئے۔ یہ خود تخت نشینی کے متمنی تھے اور اپنا حق سمجھتے تھے۔ مضروب ہو کے سکہ جاری ہوا۔

سکندر ہفت کشور خادم محراب شاہ حامیء دین محمدؐ احمد اللہ بادشاہ (26)

چھ ماہ ابھی شاہ صاحب برسراقتدار نہ ہوئے تھے۔ سر کالن کمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ کر دیا۔ خوب خوب مقابلہ رہا مگر شاہزادہ فیروز کی باطنی اختلاف سے شاہ صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ شاہ صاحب کے ہٹتے ہی ممو خاں معہ حضرت محل اور نانا راؤ عظیم اللہ اور بخت خاں وغیرہ نیپال کی طرف چلتے ہوئے(27)۔ ۱۵ جون ۵۸ء کو شاہ صاحب پرگنہ پورئین میں راجہ بلدیو سنگھ کے کہنے سے نمودار ہوئے۔ تنہا ہتھنی پر سوار تھے۔ راجہ پورئین کی گڑھی پر تشریف لے گئے مگر بلدیو سنگھ کے بھائی نے پھاٹک بند کر دیا اور گڑھی پر سے گولیوں کی بوچھاڑ ایک ساتھ کر دی۔ سینہ چھلنی ہو گیا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اتارا اور صاحب کلکٹر بہادر شاہجہانپور کے سامنے پیش کیا' جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ میں پھونک دیا(28)۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپے نقد راجہ پورئین کو عطا کیا اور خلعت فاخرہ مرحمت ہوا(29)۔ یہ واقعہ شہادت ۱۵ جون ۵۸ء مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو میں سر دفن کیا گیا۔ مولوی سید طفیل احمد (علیگ) منگلوری نے کتبہ تاریخ نصب کرا دیا ہے۔ جرنیل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۵۷ء میں شریک تھا شاہ صاحب کی بابت لکھتا ہے کہ:-

"مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا وہ بہ

نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے برباد ہو گئی ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا۔ وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر اس سے معرکہ آراء ہوا' جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا مولوی مستحق تھا اس کو یاد کریں گی۔"

شاہ صاحب کے متعلق ایک شریف جرنیل کے مندرجہ بالا قیمتی الفاظ ہیں(30)۔

رفقاء:- امیر احمد' شاہ آفاق' قطب شہید' رستم علی' اسماعیل خاں' غلام محمد خاں' کفایت اللہ تلہری' فرقان علی' محمد شاہ خاں شہید' سعد اللہ خاں شہید' نور احمد' احمد یار خاں تحصیلدار' نواب غلام قادر خاں (بٹول) عبدالرؤف خاں۔ اکثر انڈمان بھیج دیئے گئے۔ کچھ کو دار نصیب ہوئی' کچھ گوشہ گیر ہو گئے۔

نہ شیشہ نہ مینا نہ ساقی رہا — فقط شکوۂ بخت باقی رہا (31)

علماء کا کارنامہ:- شاہ صاحب کے واقعات کے ساتھ وہ علماء جنہوں نے حکومت کمپنی سے عدم معاملات کر رکھا تھا اور یہ لوگ جنگ آزادی میں خود شریک ہوئے۔ اپنے فتاوے سے تحریک کو گرمایا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو اس تحریک میں عملی شرکت کی۔ ہنگامہ فرو ہو جانے کے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی' مولوی عنایت احمد کاکوروی' مولوی لیاقت علی الہ آبادی' قاضی سرفراز علی وپوری' مولوی کریم اللہ' سید اکبر زماں اکبر آبادی' منشی اسماعیل حسن منیر شکوہ آبادی' مرزا ولایت حسین ساکن باندہ وغیرہ کو بغاوت و شرکت ہنگامہ کے جرم میں

جبس دوام ،عبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکہ ہجرت کر گئے۔ دوسرے حضرات کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۴ء میں محمد جعفر تھانیسری، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم وغیرہ پر حکومت ہند کے خلاف سازش کرنے اور مجاہدین سرحد کی خفیہ امداد کرنے کے جرم میں انبالہ کا مشہور مقدمہ سازش چلایا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ان کو اول پھانسی پھر کچھ سوچ کر ،عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ صادق پور (پٹنہ) کے مقامات مسکونہ اور ملزمین کی عمارتیں جوش انتقام میں کھود کر پھینک دی گئیں اور ان کی جگہ میونسپلٹی کی عمارتیں بنا دی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ذرا ذرا سے شبے پر علماء کو قابل دار سمجھا گیا۔ سرسید احمد خاں نے ایک طرف علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی، دوسری طرف علماء کی کارگزاری پر مصلحت وقت سے پردہ ڈالا اور علماء پر جو پابندیاں تھیں، ان سے انہیں نجات دلائی گئی۔ بلکہ سب سے بڑا ان کا کارنامہ یہ ہے کہ علمائے کرام کے ہاتھ حکومت برطانیہ سے ملوا دیئے اور ان کو سرکاری ملازمتوں میں منسلک کرا کر خطاب شمس العلماء اور خان بہادری سے نوازنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ مگر سب کچھ تھا، پھر بھی سرپھرے مسلمان ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی لیتے رہے۔ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی تو مولوی ہدایت الرسول اس میں شریک ہوئے۔ سید صاحب ان سے بگڑ بیٹھے اور ان کو قید فرنگ بھی بھگتنی پڑی۔ مگر مولانا فضل حق کے شاگرد مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے شاگرد رشید مولانا شبلی نعمانی نے علی گڑھ میں بیٹھ کر وفادارانہ سیاست کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کو آزاد سیاست کی دعوت دی۔ مسلم گزٹ کے پر مغز، مدلل اور پرجوش مضامین تعلیم یافتہ طبقہ میں سیاسی بیداری کی روح پھونکنے میں ایک حد تک کامیاب رہے۔

مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید وغیرہ مولانا شبلی کی سیاسی سرگرمی کے زندہ نمونہ ہیں۔ ہندوستان کی سیاست میں

ان حضرات کا جو پایہ ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے کانگریس میں شرکت کے بارے میں فتویٰ شائع کیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے اکابر علماء نے دستخط کیے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے بھی دستخط تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۷۶ء میں عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا۔ جہاں کے تعلیم یافتہ علماء میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید دہلوی، مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا حفظ الرحمن، مولانا محمد میاں وغیرہ کی خدمات، روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علی گڑھ اور دیوبند کے بعد علماء فرنگی محل میں سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی گراں قدر خدمات سیاسی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا آزاد سبحانی وغیرہ نے جو کچھ سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔

تذکرہ علمائے جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں علماء نے جو سرگرمی عمل دکھائی تھی اور ان کے ہمنوا نواب، راجے، امراء اور فوجی رسالدار صوبیدار تھے جن کا کتاب ہذا میں اکثر و بیشتر ذکر آ ہی چکا ہے مگر ان کے تفصیلی حالات تشنہ طلب ہیں اس لئے تذکرہ کے زیر تحت ان کے حالات سیاسی پر اور روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام خیر آبادی نبیرہ قاضی صدر الدین فاروقی ہر گامی، مولانا ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فضل امام دہلی میں صدر الصدور تھے۔ ان سے ہی علوم عربیہ تحصیل کئے اور علوم عقلیات کی تکمیل کی اور حدیث کی سند شاہ عبدالقادر دہلوی سے لی۔ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ درس و تدریس میں لگا دیئے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ریذیڈنسی کے محکمے میں سرشتہ دار ہو گئے۔ پھر کمشنری میں بدل گئے۔ یہ زمانہ تھا کہ مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا سید احمد شہید نے بدعات کے خلاف آواز اٹھائی۔ مولانا فضل حق اور حضرت شہید سے مناظرہ امتناع نظیر، امکان نظیر وغیرہ شروع ہو گئے۔ ایک عرصہ تک یہ ہنگامہ آرائی رہی۔ سید صاحب اور اسماعیل شہید سکھوں کے مقابلے کے لئے سرحد تشریف لے گئے۔ مولانا نے حکام کا طریقہ خلاف مرضی پایا، مستعفی ہو گئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کو جو معلوم ہوا، اس نے پانچ سو روپے ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر نے اپنا ملبوس دو شالہ علامہ فضل حق کو اوڑھایا اور بوقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا، چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں، میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے(32)۔ علامہ ایک عرصے تک نواب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ الور کے یہاں چلے گئے۔ یہاں سے سہارنپور گئے، پھر ٹونک میں نواب وزیر الدولہ نے بلا لیا۔ آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز ہو گئے۔ مولانا ایک عرصہ تک رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے اتالیق اور محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور

رہے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے ملنے کے بعد ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔

سیاسی زندگی:۔ مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی، اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ ابو ظفر کی تخت نشینی سامنے ہوئی، جو واقعات گزرے وہ سب آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، جیسا اوپر ذکر کیا گیا۔ خود بھی ایک عرصے تک انگریزی حکومت کے معزز عہدے دار تھے۔ ہر بات کا پتہ رہتا تھا۔ ڈلہوزی کی پالیسی کو بروئے کار لانے کی سعیٔ پیہم جاری تھی۔ یہ ضرور ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط کافی تھا مگر عمال حکومت ہندوستانی کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا۔ عیسوی مناد کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب ہو رہے تھے۔ اسلام بھی لپیٹ میں تھا اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور پادری فنڈر کے مناظرے سے ان دنوں ہل چل سی مچ گئی تھی۔ عوام کو خیال ہونے لگا تھا، حکومت تو گئی ہے مگر دین و مذہب پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا۔ رہی سہی اسلامی شان و شوکت اگر یہی حال رہا تو کچھ عرصے بعد جایا ہی چاہتی ہے۔ مولانا کی جوانی ادھیڑپن دہلی میں گزرا، آخری عمر میں لکھنؤ گئے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بھی بدتر دیکھی۔ مسلمان بادشاہ، واجد علی شاہ نام نہاد تھا۔ اس نے تو بالکل لٹیا ہی ڈبو دی۔ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہد بیراگیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں ملائے گئے۔ امیر علی شاہ کو خود اپنی فوج سے توپ دم کرایا۔ مجاہدین بھی سرکاری فوج کے ہاتھوں کشتہ کرائے گئے۔ واجد علی کو عیش و عشرت کی پڑی تھی۔ ناموس اسلام کی تباہی اور ذلت سے غرض ہی نہ تھی۔ مولانا نے اس کا اثر لیا اور شاہ صاحب کے مشورہ پر عمل کیا۔ آخرش ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ حکومت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ الور میں مولانا، راجہ کے پاس کچھ عرصہ رہے مگر دل بے چین تھا۔ ملک کی عام حالت نے مجبور کیا کہ جان سپاری سے کام لیا جائے۔ ادھر ہنگامہ بپا ہوا۔ دہلی سے خط راجاؤں کے نام بھی گئے۔ مولانا کو بھی علم ہوا(33) راجہ سے گفتگو ہوئی مگر وہ رام نہ ہوا۔ یہ تنہا چل دیئے۔ جس طرف سے گزرتے زمینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلتے۔ غرض کہ ۱۶ اگست ۵۷ء کو دلی پہنچے۔ عام

شورش کا سبب نواب اودھ کی معزولی، بہادر شاہ کو نام نہاد خطاب شاہی سے محروم کرنے کے مشورہ۔ گو یہ ضرور تھا کہ دلی اور اودھ کی بادشاہت چھن گئی تھی لیکن دلوں پر ابھی ان کی ہی حکومت تھی۔ بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا اور راجہ و پرجا میں ایک رشتہ تھا۔ کمپنی کے عمال کی بدعہدی، خود غرضی اور بدنیتی نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ عوام اعراض کرنے لگے تھے تو خواص کا کیا عالم ہو گا۔ دیسی بدیسی کی کشمکش کی وہ بڑی زبردست ٹکر تھی جو بالکل فطری تھی اور آخر مئی ۵۷ء کو دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ نکلا۔ اس عوام کی بے چینی کا اثر مولانا پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ ایک فلسفی دماغ رکھتے تھے۔ وقت سے انہوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دلی آتے ہی قلعہ میں گئے۔ بہادر شاہ سے اگلی راہ و رسم تھی۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ علامہ نے ایک اشرفی نذر کی(34)۔ موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ بادشاہ کی امنگیں ختم تھیں۔ دوسرے شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمنائیں، باہمی رقابت کا میدان گرم کئے ہوئے تھیں۔ مولانا عمائدین شہر سے ملے۔ ان میں دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا، دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا۔ ہنگامیوں کی حالت دیکھی۔ ہر ایک طلب زر کا متمنی۔ مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی۔ وہ گروہ مجاہدین کا تھا۔ ان کے ہمنوا روہیلہ تھے۔ یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روہیلہ کی زیر کمان تھے۔ مولانا کی خبر سن کے جنرل بخت خاں ملنے آئے۔ چنانچہ مولانا نے آخری تیر، ترکش سے نکالا۔ جمعہ کے روز، جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں جز بز ہوئے۔ مولوی عبدالقادر۔ قاضی فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔ مولوی سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ نے دستخط کر دیئے مگر مفتی صاحب بالخیر کو بالجبر لکھ گئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی(35)۔ جنرل بخت خاں جس طرح مقابلہ کرنا چاہتا تھا، مرزا

مغل آڑے آتا تھا۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوایا کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ادھر مرزا مغل نے فوج میں پھوٹ ڈال دی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے۔ آخر اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کی فوج دلی پر فتحیاب ہوئی اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مرزا مغل وغیرہ گولی کا نشانہ بنے۔ بادشاہ قید کئے گئے۔ جنرل بخت اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے۔ بادشاہ سے کہا، آپ میرے ساتھ چلئے مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں تھے۔ آخر جنرل نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے آئے۔ مولانا وطن چلے گئے۔ متسلطہ حکومت برطانیہ نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے۔ اس لپیٹ میں مولانا بھی آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتا پور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا، مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکاری کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے واقف بھی تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ اسے ہمدردی تھی۔ اس وقت تک مولانا پر جرم بھی ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بری کرنا چاہتا تھا۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے۔ چنانچہ پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیر آبادی کے نام خیر آباد خط لکھا کہ:-

"مدت یک دو روز است کہ جناب مخدوم والا خوان حسب تقریر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بہ لکھنؤ برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ زبانی آئندہ برگاہے ہم از تحریرات اینجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شد روز بنا بر ادائے شہادت صفائی مولوی فضل حق

صاحب مکرم مولوی نبی بخش مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار
مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شمس العلماء) مولوی
عبدالحق بمعیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اند و ہمگیان را امید از خدائے
کریم است دیگر روز بلفروا مخلصی یافتہ دارو دو تخانہ خواہد شد اوتعالیٰ ہم
رحم کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکوروا ناث چشم براہ انتظار کشادہ میا
شندو رنج و قلق عظیم دارند ایزد جل و علی برجمع کساں چنیں خود فرماید۔"

دوسرا دن آخیر دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر کے بقیہ الزام رد کرنے کے بعد پھر
پلٹا کھایا اور کہا۔ جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی اب میں توثیق کرتا
ہوں۔ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میرے ہی مشورے سے علماء نے دستخط کئے۔ پہلے اس
گواہ نے سچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے
مرعوب ہو کے جھوٹ بولا ہے۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے۔ غلط بات مذہب کے
مسئلے میں نہیں بول سکتا۔ جج اس بیان سے پریشان ہو گیا۔ گھڑی گھڑی مولانا کو روکتا
تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رنگ دوسرا ہو چکا تھا۔ جج کو رعایت کی کوئی گنجائش ہی
نہیں رہی تھی۔ بصد رنج و غم حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ مولانا نے
بڑی مسرت سے حکم کو منظور کیا۔

"برادر من تادہ عشرہ بسبب عدم بہمرسی حال ایں رقعہ افتادہ ماند حالیہ اومی
خاص مقررکردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یا بدوحال پرملال جناب
مولوی فضل حق صاحب از لکھنؤ دریں عرصہ نوشتہ الالائق گریستن واویلا
کردن است یعنے حبس دوام از پیشگاہ حکم صد دریافت نواویلاہ و احسرتا
اوتعالیٰ رحم فرماید۔ (سیر العلماء)

(محررہ بستم فروری مطابق ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ)

آخرش مولانا انڈمان روانہ ہو گئے۔ ادھر مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ
کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کے داماد خواجہ غلام غوث

خان بہادر ذوالقدیر بے خبر میر منشی لیفٹیننٹ گورنر مغربی و شمالی کی معاونت سے اپیل
کر دی۔ مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں:۔

"مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ مجھ سے تم
معلوم کرو۔ مراسلہ حکم دوام حبس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے
شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا بیٹا ولایت میں
اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا للہ و انا الیہ
راجعون۔"

جہاں داد خاں سیاح، سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے تو مرزا غالب نے انہیں لکھا (۴
اکتوبر ۱۸۶۱ء)

"ہاں! خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو
مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے
رہائی کیوں نہ پائی۔ وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے۔ گزارا کس طرح
ہوتا ہے۔"

انڈمان:۔ مولانا کو انڈمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی۔ بارکوں کی صفائی
کیا کرتے (بقول مولانا عمر البخاری)

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم کا دلدادہ تھا۔ فن ہیئت و
نجوم میں اس کو درک خاص تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے۔ اس نے
اپنی مصنفہ کتاب ہیئت جو فارسی میں اس نے لکھی تھی، مولوی صاحب کو عبارت
درست کرنے کے لئے دی۔ مولوی صاحب سے یہ کام نہ چلا تو علامہ کے پاس مولوی
صاحب کتاب لے آئے اور جو ماجرا گزرا تھا وہ عرض کر دیا۔ مولانا نے وہ کتاب لے
لی اور ایک ہفتے میں مفید اضافے اور حاشیے اس کے لکھ کے اور درست کر کے
مولوی صاحب کو دے دی۔ وہ کتاب لے کے سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس گئے۔ اس
نے کتاب دیکھ کے مولوی صاحب کی بڑی داد دی۔ مولوی صاحب مسکرا دیئے۔

سپرنٹنڈنٹ بولا۔ مولوی صاحب ہماری بات پر کیوں ہنستے ہو۔ وہ بولے، حضور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے بلکہ مولانا فضل حق کا ہے جو غدر کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس وقت سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کو لے کے مولانا کے ٹھکانے پر آیا۔ علامہ نہ تھے وہ انتظار کرتا رہا دیکھا ایک شخص ٹوکرا بغل میں دبائے چلا آرہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہی مولانا فضل حق ہیں سپرنٹنڈنٹ یہ ہیئت دیکھ آنکھوں میں آنسو لے آیا اور مولانا سے معذرت کی اور اپنی پیشی میں لے لیا اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا اور ان کے فضل و کمال کا واسطہ دے کے گورنمنٹ میں سفارش کی۔

وفات:- ادھر علامہ کے صاحبزادے نے ولایت میں اپیل کر رکھی تھی۔ خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بے خبر نے اپنے پرانے عنایت فرما لیفٹیننٹ گورنروں کو لکھا پڑھا تھا۔ آخرش پروانہ آزادی آگیا اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے۔ جب جہاز سے جزیرے میں اترے، شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہزارہا آدمی تھے، بڑا اژدھام تھا۔ حکام وغیرہ سب ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا مولانا فضل حق خیر آبادی ہیں۔ کل ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال ہوا ہے۔ اب پیوند خاک کرنے کے لئے جنازہ (بزبانی ڈپٹی قاضی محتشم الدین دہلوی ناشر تعلیم غوثیہ و تذکرہ غوثیہ۔ یہ واقعہ راقم السطور نے ان سے سنا تھا) لے جارہے ہیں۔ آخرش مولوی شمس الحق اپنے ہاتھوں باپ کو سپرد خاک کرکے وطن لوٹ آئے۔

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی

عظیم الدولہ سرفراز ملک نواب مصطفیٰ خاں ابن نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ والیٔ جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کی مروجہ تعلیم میاں جی ملا مال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرات میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ

مولوی کریم اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی و فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔ صاحب تصنیف ہیں۔ تذکرہ گلشن بے خار آپ کی یادگار سے ہے۔ خاندانی املاک پر قانع رہے۔

علمی چرچے و محفلیں:- ہنگامے سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ دلی میں رہتا۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم احسن اللہ خاں۔ مولوی امام بخش صہبائی۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ سید غلام علی خاں وحشت۔ میر حسین تسکین۔ حکیم مومن خاں مومن، جیسے سخنوران با کمال کا اس شہر لطافت مہر میں جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ مل کر بیٹھتے، شعر و سخن کا بھی شغل اور چرچا رہتا۔ ۱۸۴۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا، اس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:-

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا — یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

نواب صاحب کے مزاحاً مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اس طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھ کر دے دی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اس نے اس غزل کو پڑھا، مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔

ہم بزمیٔ دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد — کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی
کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقان کا — دل کاہے کو رہویگا سنائی اگر ایسی

صبر و استقلال:- خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت حبس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے، ایک مرتبہ بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمیل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آگئے تھے، یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ

میں علی الصبح آ سکتا ہوں۔ چنانچہ حسب وعدہ آئے۔ لیکن نواب صاحب اس وقت دوگانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیہ میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ نیت فریضہ باندھ لی اور حسب عادت سورۂ دہر پڑھی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ٹرمیل بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہر تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے ان کے استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا:- حاجی باسط علی ساکن کولسی جو ایک دیندار اور ثقہ آدمی تھے۔ فرماتے ہیں کہ مصائب غدر میں ایک دن نواب محروم پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثناء میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔"

سیاسی زندگی:- تذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے شیفتہ کو دیکھا اور ان کے دسترس سے بھی یہ سوانح باہر تھی۔ فی الحقیقت نواب شیفتہ اپنے عہد کے ملک و ملت کے بہی خواہ تھے اور ان شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی۔ مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی تھی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عمال کمپنی بہادر نے جو روش اختیار کی تھی ملک گیری کے اعتبار سے اپنی جگہ صحیح تھی مگر آزادی کے اعتبار سے بے چینی کا سبب بنی۔ جاگیروں، ریاستوں، حکومتوں کی ضبطی نے ارباب ثروت و جاگیرداروں میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا، تمام جاگیردار بادشاہ دلی کے ہم نوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے ہمرشتہ رئیسوں نے نواب کو اپنا اگوا کیا۔ روسا میں سب سے بڑی شخصیت ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ کی تھی۔ ان کے پرچم کے تلے غلام حیدر خاں زمیندار پونڈری۔ سید نبی بخش سہارنپوری۔ قاضی وزیر علی بلند شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خاں پور۔ اسماعیل خان۔ اعظم خاں۔ نواب مصطفیٰ خاں، آ جمع ہوئے۔ ولی داد خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دلی کے

ایک شہزادہ سے منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط و کتابت کرنا تفویض تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر ولی داد خاں نے اپنے علاقے میں بڑی سرگرمی دکھائی مگر پانسہ الٹا پڑا۔ بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا۔ کسی کو حبس دوام ہوئی۔ کوئی سات برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو بھی سات برس کی قید فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحب والیٔ بھوپال نے بڑی کوشش کے بعد ان کو رہا کرا دیا۔ دلی کا رہنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنی جاگیر پر زیادہ قیام رہتا۔

وفات:- ۶۳ سال کی عمر ہونے کو ہوئی۔ پیک اجل آ پہنچا۔ ۱۸۶۹ء میں حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات

چو رفت از جہاں مصطفیٰ خاں امیر — کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد — فقیر آشنا سالک راہ شرع
نشد از فوت ایں بے سرپا تمام — وفاء کرم بہ ولی و تقویٰ وداع (36)
۱۲۸۶ھ

مفتی صدر الدین خاں آزردہ

مفتی صدر الدین آزردہ ابن مولوی لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ معقول کی تحصیل مولانا فضل امام خیر آبادی سے کی۔ حدیث حضرت شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔ بعد تحصیل علم کمپنی کی طرف سے صدر الصدور کئے گئے اور عہدۂ افتاء بھی ملا۔ شاہجہانی عہد سے زیر جامع مسجد مدرسہ دارالبقا چلا آ رہا تھا، وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے روپے سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت درست کرائی۔ درس و تدریس کا اہتمام

کیا۔ اساتذہ اور طلباء کو اپنے پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ منتہی طلباء کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب طلباء کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور وہیں لذیذ کھانے کھلاتے تھے۔ حکیم عبدالحئی مرحوم "گل رعنا" میں لکھتے ہیں:-

"جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ درجے جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا۔ خود آپ' اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین' مشاعرہ ہو تو میر مجلس' حکام کے جلسوں میں متوقر و ممتاز' بیکسوں اور محتاجوں کے ملجا و ماویٰ' منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان بہم ہوتے ہوئے سیدھی سادھی وضع سے بسر کرتے تھے۔"

سیاسی مسلک :- مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ اختر لونی کے ہمراہی میں ریاستوں کے معاملات بھی سلجھا چکے تھے۔ دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ دلی آئے اور آپ سے بھی ملے۔ کچھ اثر پذیر ہوئے' مگر بزدلی کے ساتھ۔ ان کے ہم سبق مولانا فضل حق خیر آبادی نے فتویٰ جہاد دیا۔ جنرل بخت خاں نے اس سے زندگی پیدا کرنا چاہی۔ ان سے بھی دستخط لئے اور علماء نے بھی تصدیق کی مگر بالخیر کو ایسے لکھا کہ بالجبر پڑھا جائے۔ مگر مفتی صاحب بعد ہنگامہ پکڑے گئے اور سزا بھی ہو گئی وہیں بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا' جس کا ایک شعر یہ ہے:-

پھنسے بے ڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے   مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

پیروی مقدمہ میں بیان دیا' مفسدوں نے زبردستی دستخط کرا لئے۔ بالجبر میں نے لکھا ہے۔ کاغذات برآمد ہوئے تو پڑھا گیا اور مفتی کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ چھوڑ دیئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آزردہ کے قید ہونے کی تفصیل لکھی ہے "حضرت مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف' جائیداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائیداد واگذاشت کی۔ اب نصف جائیداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بیوی تیس چالیس روپے مہینے کی آمدنی۔ لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عترت میں ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ فارغ البالی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے اواخر میں ہیں یعنی اسی برس کے قریب عمر ہے خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔"

جامع مسجد دہلی :- جامع مسجد غدر میں انگریزوں کے قبضے میں آگئی تھی یہ مقدس عمارت' فوجی ہسپتال کے کام میں تقریباً" دو سال تک رہی۔ مسلمانان دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دلی میں امن چین ہو گیا تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگذاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے فرد مرزا الٰہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی اور اس کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا دی۔ مفتی صاحب بھی ایک رکن تھے(37)۔

حلیہ :- گداز جسم۔ سانولا رنگ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں' ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بڑھی ہوئی داڑھی۔

لباس :- سادی وضع کے آدمی تھے۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لباس سفید' ایک برکا پاجامہ سفید کرتا' سفید ہی صافہ ہوتا تھا۔

شاگرد :- نواب صدیق حسن خاں۔ نواب یوسف علی رام پوری۔ سرسید احمد خاں۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی فیض الحسن۔ مولوی حکیم محمد حسن امروہوی۔

مولوی احمد حسین مراد آبادی۔ مولانا سید نواب کی۔

وفات:۔ اکیاسی برس کی عمر پا کر ۱۱ دسمبر ۱۸۷۲ء کو فالج گرا۔ کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ درسگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔ (مفصل حالات غدر کے چند علماء میں ہیں)۔

مولوی ظہور علی الخاطب بہ شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی:۔

چو مولانائے صدر الدین کہ در عصر — امام اعظم آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر — بعدل وداد چوں نہ جائے جاوداں بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت — کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ربیع الاول و بست و چہارم — وداع رو سوئے دار رنجہاں بود
ظہور افسوس ان اوستاذی قدر — پدر دارم ہمیشہ مہرباں بود
چراغش ہست تاریخ ولادت — کنوں گفتم چراغ دو جہاں بود (38)

۱۲۸۵

خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں، نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلے ایک عرصے تک صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز رہے۔ ہنگامے میں بریلی کے والی بنے۔ بعد تسلط حکومت برطانیہ گرفتار ہوئے۔ پھانسی لگی اور جیل خانے کے صدر دروازے کے درمیان میں دفن ہوئے۔ مفصل حالات حیات حافظ رحمت خاں(39) اور "غدر کے چند علماء" میں درج ہیں۔

سید اکبر زماں اکبر آبادی

سید اکبر زماں ابن سید امیر زماں، نبیرۂ سید حسین زماں اکبر آبادی، سید حسین زماں کے بھائی، سعید حسن زماں کے پوتے، سید منور زماں تھے۔ انھی کی یادگار مسجد

پیر چھنگا ہے۔

سید اکبر زماں نے فارسی، عربی کی رسمیہ تعلیم پائی۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا۔ مجید تخلص کرتے تھے۔ آگرہ کالج میں کچھ عرصے مدرس رہے۔ پھر ہیڈ مولوی ہو گئے۔ آخر میں قلعہ آگرہ میں فوجی محکمہ میں میر منشی مقرر ہوئے۔ دلاور جنگ احمد اللہ شاہ کی خدمت میں بھی باریاب تھے۔ شاہ صاحب لکھنؤ سدھارے۔ میر منشی پر یہ آفت آئی کہ ہنگامہ ۵۷ء میں رونما ہوا۔ تمام انگریز قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ افغان سپاہیوں نے ان کو اغواء کیا۔ یہ پیش پیش تھے۔ ادھر لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار الوری، آگرہ پر حملہ آور ہوا۔ انگریزی فوج کالی ندی پر پسپا ہوئی۔ یہ آگرے تک آیا۔ قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ سکندر خاں خانسامہ لئے جو گھسیارے کی شکل میں امر سنگھ گیٹ پر کھڑا تھا، لال بہادر خاں سے کہا کہ سب انگریز ابھی متھرا کی طرف گئے۔ ان کو میں نے جاتے دیکھا ہے۔ لال بہادر خاں نے شہر پر قبضہ کیا۔ چار دن اس کی حکومت رہی۔ آخرش انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ یہ سب میوات چلتے ہوئے۔ سید اکبر زماں اندور چل دیئے۔ جب انگریزی تسلط آگرے پر کافی ہو گیا، آ موجود ہوئے۔ خیال یہ ہوا کہ چل کر قلعے میں پھر نوکری کر لی جاوے۔ یہ قلعہ جا رہے تھے، مزار غوث پر ایک مجذوب بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا، سید کہاں جاتا ہے؟ سر اور پیر میں لوہا مجھ کو نظر آتا ہے۔ یہ نہ سمجھے۔ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہی افسر موجود تھے، جس کے سامنے افغانیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی فوراً "گوروں کو حکم دیا، اس کو پکڑ لو یہ باغی ہے۔ آخرش مقدمہ چلا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ملی۔ بہ مجبوری انڈمان گئے وہاں بیس برس رہے۔

پنڈت سالک رام ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے اکبر زماں سے پوچھا کہ آگرے میں ڈپٹی منور زماں تھے، ان کو بھی جانتے ہو؟ یہ بولے، وہ میرے چچا تھے۔ اس نے ان کو اپنی پیشی میں لے لیا اور قیدیوں کے پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار دیا کرتا۔ کچھ عرصہ بعد ستر روپے ماہوار ملنے لگے۔ محمد جان نامی بہشتی زادہ آگرے کا نو عمر لڑکا تھا،

اس کو خدمت میں لے لیا۔ کافی رقم پیدا کی۔ مولانا جعفر تھانیسری جب انڈمان گئے تو
اکبر زماں نے ان کی بے حد خدمت کی۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف کالا پانی
میں کیا ہے۔ جب بیس سال گزر گئے اور ان کو رہائی ملی تو سب مال و دولت چھوڑ کر
آگرے آگئے اور ٹیوشن پر زندگی گزارنے لگے۔ آخیر میں نابینا ہو گئے تھے، مگر حافظہ
صحیح تھا۔ مولانا مظفر علی شاہ کے مرید تھے۔ آخر عمر میں فقر کا رنگ غالب تھا۔ ۱۹۰۴ء
میں عمر طبعی پا کر انتقال کیا اور کربلا کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام مولوی محمد
علی شاہ میکش اکبر آبادی کے پاس ہے۔

جنرل بخت خاں روہیلہ

بخت خاں کی شخصیت جو کچھ ہو مگر اس کے ارادے بلند ضرور تھے۔ وہ اپنی
بساط بھر آخری شاہ مغلیہ کی مدد ایسی کرنا چاہتا تھا کہ وہ مغلیہ حکومت کا کھویا ہوا وقار
نئے سرے سے واپس آ جائے مگر اس کی تدابیر بادشاہ ابوالظفر اور اس کے اہل
خاندان کے ہاتھوں پامال ہوئیں، ورنہ آج اس کے کہنے پر عمل ہو جاتا تو بساط ہی
دوسری بچھی نظر آتی۔ بخت خاں کے اجداد روہیلہ خاندان سے تھے، جس میں غلام
قادر شہید سے لوگ پیدا ہوئے۔ ننھیال نواب اودھ کی قرابت دار تھی۔ سلطان پور
میں قیام تھا۔(40)

ابتدائی حال کا پتہ نہیں لگا۔ کابل کی جنگ میں مسٹر رسل کی ہمراہی میں پہلے
پہل نظر آتے ہیں۔ رسالدار کے عہدے پر ممتاز تھے۔ افغانوں کے مقابلے میں
کارہائے نمایاں کئے۔ توپ خانے کے انچارج ہو گئے۔ جب کابل سے فوج سرکاری
واپس ہوئی، یہ بیچ کی چھاؤنی میں رکھے گئے اور صوبہ دار بنا دیئے گئے۔ کچھ عرصے
بریلی رہے۔ اپنے پیر مولوی سرفراز علی کے حکم سے انگریز سے بیزار ہو گئے۔ جب
میرٹھ فوج میں بغاوت ہوئی یہ موقعہ کے منتظر تھے ہی، نواب بہادر خاں نبیرۂ حافظ
الملک رحمت خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے، ان کے ہمنوا ہو گئے۔ انہوں نے

بریلی پر قبضہ کیا اور روہیل کھنڈ کے نواب بن گئے۔ بہادر شاہ کو اس کی اطلاع دے
دی۔ نانا راؤ پیشوا بٹھور کو اس واقعے کی خبر لگی۔ اس نے اپنے بھائی بالا صاحب گوکھلے
کو ان کے پاس بھیج دیا۔ بخت خاں اور بالا گھوکھلے ہم خیال ہو گئے۔ بدایوں اور فرخ
آباد تحصیل وصول کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ زمینداروں سے مالیانہ وصول کرتے
ہوئے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ جب بڑی فوج ہو گئی، بلب گڈھ پر ہلہ بول دیا۔
ادھر دہلی سے تلنگے اور فوجی لوگ آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی ہی تمام باغی قوتوں کا
مرکز بن گیا تھا۔

میرٹھ کے علاوہ بھی جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں سیدھی دہلی کا رخ کرتی
تھیں کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سہی پر بادشاہ تو موجود تھے۔ جن کو
ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بناء پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی
مجبوری اور محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور
بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے
سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا۔ اس اعتبار سے بہ زمانہ غدر دہلی میں سب سے بڑی
شخصیت بہادر شاہ کی تھی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل کی۔ مرزا خضر
سلطان۔ مرزا ابوبکر۔ مرزا عبداللہ، دہلی کے سربر آوردہ شہزادہ تھے۔"
ظہیر دہلوی لکھتے ہیں:-

"بخت خاں جرنل چودہ ہزار کا کمپو اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں
سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی وارد ہوا۔"(41)

بہادر شاہ نے بخت خاں کو جرنل فوج کا مقرر کیا۔ یہ امر مرزا مغل کی ناگواری
کا باعث بنا۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ میں لکھتے ہیں۔
"غدر کے محرکین میں صدہا نام نظر آتے ہیں مگر اصل روح رواں تمام قوتوں کے
(بہادر شاہ۔ مرزا مغل۔ بخت خاں) یہی تین آدمی تھے مگر انقلاب کی رہنمائی کا سلیقہ
بہادر شاہ اور مرزا مغل میں نہ تھا۔ البتہ بخت خاں کی قابلیت مسلم ہے۔ اگر اس کو

بہادر شاہ اور مرزا مغل سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوتی تو وہ فوجی و انقلابی لیاقت سے انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتا۔ انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا اور ایک مخصوص قابلیت فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی۔ جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ بادشاہ اپنی کمزوری اور شہزادوں کی نالائقی سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دے دیئے تھے اور اس کو لارڈ گورنر بنا دیا تھا۔ اور اس کی رائے پر خود ہی عمل کرتے رہے مگر آخری رائے جرنل بخت خاں کی قبول نہ کی اور مرزا مغل' بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ اس کشمکش میں فوجیں باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی۔ انگریز دہلی پر قابض ہو گئے اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی۔" (42)

بخت خاں لکھنؤ گئے خلد منزل میں سلطان بہو صاحبہ کے یہاں بہ سبب قرابت قریبہ قیام پذیر ہوئے اور حضرت محل سے ملے۔ ۵ ہزار دعوت کے علاوہ خلعت اور رومال ملا۔ ان کے ہمراہ پانچ ہزار فوج تین سو عورتیں دلی اور فرخ آباد کے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ چند یوم قیام کر کے مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک کار ہو گئے۔ یہاں کی ناکامیوں کے بعد شاہجہانپور اور وہاں سے محمدی' آخر کار اپنے ہمراہیوں سمیت نیپال کا راستہ لیا۔ فوج ساتھ رہی۔ ایسے روپوش ہوئے پھر پتہ نہ لگا۔ (مفصل حالات مرتبہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی ۴۵ء جون کے مصنف علی گڑھ میں درج ہیں)۔

سید کرم علی اکبر آبادی:- ٹرانسپورٹ کے انچارج تھے۔ ہنگامے کے دوران میں باغیوں کی امداد کی اور مال و اسباب بھی لوٹ کا ان کے گھر میں جمع ہوا۔ بعد تسلط انگریزی ان کے محلہ قاضی پاڑہ کو کھدوا دیا گیا اور سید صاحب کو پھانسی دی گئی۔ مزار' آگرہ فورٹ کے پل پر ریلوے سڑک کے پہلو میں بنا ہوا ہے اور مرجع خلائق ہے۔

مولوی سعادت خاں اندوری ان کے دادا راجہ ہلکر کے معزز عہدہ دار تھے۔ شہر میں بڑا اثر تھا۔ جنگ آزادی ۵۷ء میں اس افغانی عالم نے عملی حصہ لیا۔ حریت نوازوں کے سرپرست بنے۔ مسٹر ٹہورس فوج لے کر اندور آیا اس سے مقابلہ کیا۔ راجہ

ہلکر نے اپنوں کو مروادیا' یہ کام آئے۔

مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی:- صدر بورڈ میں پیشکار تھے۔ دلی گئے۔ وہاں مجسٹریٹ کیے گئے' پھر جنرل بخت خاں کے ساتھ رہے۔

مولوی فیض الحق الوری:- بادشاہ نے دلی میں تحصیل وصول کا کام سپرد کر رکھا تھا اور ان سے بہت خوش تھے۔

قاضی فیض اللہ دہلوی:- ان کا حال معلوم نہ ہو سکا صرف ان کا نام بہادر شاہ کے مقدمہ میں آیا ہے۔

سید مبارک شاہ رامپوری' مولوی امام خاں رسالدار' ٹونک کے تھے۔ دلی آکر مجاہدین میں شامل ہوئے۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین جو جرنل بخت خاں کے پیر تھے۔ مولوی عبدالغفور ٹونکی۔ مولوی عماد الدین شہید' نبیرۂ ملا عبدالسلام کرمانی دیوی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل ارباب خاندان سے کی۔ لکھنؤ کے چکلہ دار (ناظم) ہو گئے۔ حمد اللہ پر حاشیہ مبسوط لکھا۔ علماء جانباز کے ہمنوا تھے۔ سندیلہ میں فوج مخالف کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ وہیں مزار ہے جو مرجع خلائق ہے۔

سید گلزار علی امروہوی

سید گلزار علی ابن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود ساکن امروہہ دربار کلاں۔ ابتداء" کثیر جائیداد کے مالک تھے۔ فیاضی طبع و ناتجربہ کاری کے باعث سب جائیداد ضائع ہوئی۔ پھر مختاری کا امتحان پاس کر کے مراد آباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں ہنگامہ ہوا' اور جیل خانہ ٹوٹا تو یہ قیدیوں کو ساتھ لے کر راتوں رات مراد آباد سے امروہہ آ گئے۔ یہاں پہلے سے حریت نواز جمع تھے۔ امروہہ پہنچ کر سب کو ساتھ میں لے کر امروہہ پر قبضہ کر لیا۔

مساوات محلہ دربار کلاں واولا دیوان سید محمود اور شیوخ کلاں نبیرگان درویش علی خاں منصب پنج ہزاری عہد فرخ سیر نے یہاں اپنی حکومت قائم کرلی اور رعایا سے پندرہ پندرہ سال کا زمیندارہ وصول کیا۔ ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا۔ سید گلزار علی نے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ دو تین ہزار آدمی بھرتی ہو گئے۔ مراد آباد میں شاہزادہ فیروز شاہ' خان بہادر خاں بریلی کی فوج لے کر آ دھمکے۔ چار ہزار فوج ان کے ساتھ تھی اور ایک درخواست بادشاہ دہلی کو روانہ کی گئی۔

"بندگان حضور لامع النور معدلت نشور حضرت ظل سبحانی خلیفتہ اکرحمانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ'

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان سپاری و لوازم فدویت و انکساری کہ سرمایہ ء تفاخر سرمدی است دین ایام فرخندہ فرجام بہ استماع مژدہ جاں بخش روح افزائے زینت بخش افسردہیم خلافت الٰہی و زینت افزائے اورنگ شاہنشاہ و ایں غلامان قدیمی و خانہ زادان موروثی نبیرگان درویش علی خاں منصب دار پنجہزاری بہ اقبال والا جانبازی بکار بودہ و مہارزت دلیری کردہ استیصال بندوبست انگریزاں از سرکار سنبھل وکل قصبات متعلقہ سرکار موصوفہ ساختہ و از قصبہ امروہہ خاص کوتوالش و دیگر متعلقان و خیر خواہان انگریزی رابہ جہنم رسانیدہ و انہدام مکان تھانہ و تحصیل گردانیدہ۔ شیخ بشارت علی خاں برادر کلاں خود راکہ از بس منتظیم اند معہ پانصد کس مبارز و برائے انتظام اینجا گذاشتہ ما۔ فدویان بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک معہ چہل تن برائے جاں نثاری تخت حضور فیض گنجور و قدم بوسی بندگان درگاہ ملائک پناہ کہ ملجائے جہاں و ماوائے بندگان قدیمی و خانہ زادان موروثی است از قصبہ امروہہ دواں دواں تاغازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش گرفتم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب ولی محمد داد خاں بہادر بتاریخ

دوم ماہ شوال پل دریائے ہنڈان واپس کنانندہ ہمراہ خود بمقام مالاگڈھ اور دندو بسیار الطاف فرمود نداکنوں ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم و مستحق منصب موروثی لہٰذا امید کرد بتفضیلات حضرت ظل سبحانی و سایہ یزدانی بہ مراحم شاہنشاہی و بہ مناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کھٹر مامورویم کہ اینجا آں بہ اقبال بندگان والا بخوبی خواہد شد۔ الٰہی آفتاب جہانگیز و کشور کشائے از مطلع جاہ و جلال طالع باد۔ بحرمت النون و الصاد فقط۔"

مسٹرولسن اسپیشل کمشنر مراد آباد:- ۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹرولسن کو اسپیشل کمشنر مقرر کیا گیا۔ کمشنر ہوتے ہی یہ امروہہ آیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کرکے لے گیا۔ شیوخ کلاں میں سے درویش علی خاں مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضاں علی بلوہ بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور ضبطی جائیداد اوروں کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید گلزار علی نے غدر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی و پریشان حالی میں بسر کی اور اسی حالت میں وطن اصلی سدھارے۔ وجیہہ و شکیل اور طبعاً" فیاض اور جری و جوانمرد تھے۔ (تاریخ امروہہ صفحہ ۸۳)

مولانا شاہ عبدالجلیل اکابر علماء سے تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے۔ معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ خلافت حضرت سید احمد دہلوی سے ملی۔ جامع مسجد علی گڑھ کی امامت پر مامور تھے۔ ۵۷ء کی جنگ آزادی کی علمبرداری نصیب ہوئی۔ میدان وغا میں اترے' جہاد کیا۔ یہ جنگ سونپال کے باغ پر ہوئی' جس میں فائز بہ شہادت ہوئے۔ مسلمانان علی گڑھ نے آپ کی نعش مبارک' آپ کے دوسرے ساتھیوں کی لاشوں کے ہمراہ جامع مسجد میں دفن کی۔ یہ خطیرہ جامع مسجد کے شمالی دروازے سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے۔ اس پر درخت گل دار لگا

دیئے گئے ہیں۔

شاہ عبدالجلیل کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل تھے' جو عالم و فاضل تھے۔ باپ کی جگہ پیش امام رہے۔ صاحب درس و افادہ تھے۔(43)

ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

ڈاکٹر صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تفصیل مناظرے کے ذکر میں آچکی ہے۔ آگرے میں محلہ تاج گنج میں قیام تھا۔ جنرل بخت خاں نے لارڈ آگرہ بنایا تھا۔ آخر تک یہ جنرل صاحب کے ساتھ رہے۔ زخمیوں کی خبر گیری ان کا کام تھا۔ ناکامیابی پر ہجرت کر گئے۔ مکہ میں قیام تھا۔ یہاں ایک بدوی سردار کی بیوی خطرناک مرض میں گرفتار ہوئی۔ ہر جگہ علاج کرا کر ان کے پاس آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسا علاج کیا' خدا نے اس کو شفا دی۔ وہ سردار بہت خوش ہوا اور کہا کیا خدمت کروں۔ آپ نے کہا' مجھ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک عرصے بعد حکومت برطانیہ نے ترکی حکومت کو لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے یہاں ہے وہ گرفتار کر کے بھیج دو۔ باب حکومت نے شریف مکہ کو لکھا۔ شریف نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا۔ آپ نے کہا میں حرم میں ہوں' آپ مجھ کو گرفتار کر کے خلاف شرع نصاریٰ کو دے کر مستحق عذاب ہوں گے۔ شریف نے کہا آپ بدوی سردار سے اس مسئلے میں مشورہ کیجئے۔ میں باب حکومت ترکی سے مجبور ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب بدوی سردار کے پاس گئے۔ عام حالات سن کر شریف مکہ کو کہلا بھیجا کہ آپ سلطان ترکی کو کہلا بھیجئے' میری امان میں ڈاکٹر ہے' جب تک میرے قبائل جن کی تعداد بیس ہزار ہے وہ کٹ نہ جائیں گے ڈاکٹر پر کوئی ہاتھ ڈال نہیں سکتا۔ چنانچہ شریف نے باب عالی کو لکھا انہوں نے برطانیہ کو انکار لکھ دیا کہ مکہ کا کوئی آدمی کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب غدر کے پندرہ برس تک زندہ رہے۔ انتقال ہوا تو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل ٹونکی حضرت یاس ٹونکی کے بھائی ۱۹۳۵ء میں حج کو گئے

تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے مزار پر بھی حاضری دی۔

نواب علی بہادر خاں باندہ

نواب علی بہادر خاں خلف نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ ان کے بھائی نواب شمشیر علی خاں بہادر نے باندہ کی راجدھانی قائم کی۔ ذوالفقار علی خاں نواب ہوئے۔ ۱۲۴۹ء میں اس دنیا سے انہوں نے انتقال کیا۔

شد آہ ذوالفقار علی در نیام آہ

۱۲۴۹

نواب علی بہادر خاں ۱۲۶۵ھ میں تخت نشین ہوئے منیر شکوہ آبادی نے قطعہ لکھا۔

علی بہادر عالم پناہ بندہ نواز — نہاد چوں بسر خویش افسر شوکت

منیر مصرع تاریخ ایں عمل گفت — جلوس باد مبارک بہ مسند نصرت

۱۲۶۵

گورنر کے یہاں سے خلعت آیا اس پر منیر کہتے ہیں:

خلعت آیا گورنری سے ملا — کھل گیا باغ ثروت اور جلال

مرے نواب ہو گئے مسرور — ہو مبارک یہ سال فرخ فال

کہی برجستہ میں نے یہ تاریخ

آج آیا ہے خلعت اقبال

۱۲۶۵

نواب خوش استعداد اور اہل علم کے قدردان' شعر گوئی سے شوق منیر شکوہ آبادی سے مشورہ سخن کرتے۔ علی' تخلص تھا۔ کہتے ہیں:

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا — دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا

ریاست:- باندہ بندیل کھنڈ میں واقع ہے۔ جھانسی کو زیادہ اہمیت تھی۔ یہ علاقہ

بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھا۔ یہاں کا ولی راجہ گنگا دھر راؤ تھا۔ اس کو مارونپت تامبے کی لڑکی لکشمی بائی بیاہی گئی تھی۔ مارونپت آخری پیشوا باجی راؤ دویم کا برہمن پروہت تھا۔ لکشمی بائی کے آٹھ برس بعد ایک بچہ ہوا جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ راجہ گنگا دھر پر بجلی سی گری۔ وہ غم میں بچے کے گھلتا ہی رہا۔ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے دامودر راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو متبنیٰ کر لیا۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اس کی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا، ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی۔ گنگا دھر راؤ نے پہلے انگریز ریزیڈنٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ جھانسی کا الحاق ۱۸۵۳ء میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بائی بے دخل کر دی گئی۔ اس نے کمپنی کے اس خلاف عہد طرز پر آواز اٹھائی مگر یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔

رانی کو ارباب حکومت سے منافرت سی پیدا ہو گئی مگر رانی اپنی رعایا کی خدمت میں لگی رہی۔ ان کی ضروریات کا لحاظ رکھتی۔ ہر ایک اس کا گرویدہ تھا۔ اس اثناء میں طوفان کے بادل چھانے لگے۔ کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اکٹھی ہو کر غدر کے واقعات کی صورت اختیار کرنے لگی تھیں۔ جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا، اس نے "تقریباً" سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لکشمی بائی کی من مانی مراد پوری ہوئی۔ دلی، لکھنؤ، کانپور کے واقعات نے رانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس نے فوج اکٹھی کر لی اور جھانسی کو مقابلہ کے لئے مضبوط کر لیا۔ سر ہیگ روز یہ رنگ رانی کا دیکھ کر ایک فوج گراں کے ساتھ جھانسی پر حملہ آور ہوا۔

رانی کے پاس گیارہ ہزار جوانوں پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں، بندوقوں، گولوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دی گئی تھی۔ چنانچہ سر

ہیگ روز کے حملہ کو رانی خاطر میں نہیں لائی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئی۔ رانی نے تانتیا ٹوپی کو امداد کے لئے لکھا۔ تانتیا فوج لے کر جھانسی کی طرف آ رہا تھا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ پڑا، شکست کھا گیا۔

نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالپی روانہ ہو گئی۔ راؤ صاحب یہاں کے محاذ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیر کمان دیا۔ اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ موقعہ ہے گوالیار کے قلعے پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نمٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی۔ تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آ گھیرا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور مغلوب ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضے میں تھا مگر راؤ صاحب بالکل ناکارہ مغرور، عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی میں اپنے آپ کو بھول گیا۔ سر ہیگ روز نے بھاری فوج کے ساتھ گوالیار پر حملہ کر دیا۔ شیورام تانتیا ٹوپی اور لکشمی بائی بمشکل تیار ہونے پائے تھے۔ آخرش معرکہ پھر انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ لکشمی بائی دو دیویوں اور چند مرد مصاحبوں کے ہمراہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ گئی۔ ایک ایک کر کے انہوں نے بھون کھایا۔ رانی بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری۔ ایک خدمتگار قریبی جھونپڑی تک لے گیا۔ لیکن کشتیِ عمر رواں کنارے پر لگ رہی تھی۔ چند لمحوں کے اندر مرغ روح، قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہ دن ۱۸ جون ۵۸ء کا تھا۔

نواب علی بہادر خاں شجاع اور جری تخلص نواب تھا۔ ادھر رانی جھانسی اور تانتیا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت ہنگامہ کے جاری تھے۔ مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور منشی سید اسماعیل حسین منیر سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جانبازی اور سرفروشی پر سربکف تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیل کانٹے سے درست کر کے راج گڑھ کے قلعے پر نواب نے حملہ بول دیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ ۱۵ جون ۵۷ء مسٹر ایچ اے کاک

دل قلعہ باندہ میں آیا۔ اس کو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو اردگرد سے باغی آکر جمع ہوئے۔ ان کے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگی کونسل نواب نے بنائی۔ جس کے ارکان میں محمد سردار خاں ناظم میر انشاء اللہ سپہ سالار فوج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے۔ امداد حسین اور فرحت علی افسران فوج قرار دیئے گئے۔ جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۵۸ء کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا مگر مقابلے پر اہل باندہ ٹھہر نہ سکے۔ شکست یاب ہوئے۔ ۲۰ اپریل ۵۸ء کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے فیل پر راہ فرار اختیار کی(44)۔ مرزا ولایت حسین اور منیر شکوہ آبادی فرخ آباد گئے۔ راستے میں گرفتار ہوئے۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا۔ ہر دو آگے پیچھے انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ولایت حسین وہیں سپردخاک ہوئے۔ منیر آٹھ برس بعد نواب یوسف علی خاں کی سفارش سے آزاد ہو کر ہندوستان آ گئے اور رام پور میں اس دنیا سے ۱۲۹۷ھ انتقال کر گئے۔

نواب علی بہادر خاں حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ رعایت یہ برتی کہ اندور میں نظر بند کر دیا۔ ۳۶۰۰ روپے سالانہ مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بمبئی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں جگہ ملی۔ آپ نے اندور میں ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔

مولوی مظہر کریم بھی ہنگامہ ۵۷ء کے مارے ہوئے تھے۔ ان کو بھی انڈمان جانا پڑا۔

نواب تفضل حسین خاں والیء فرخ آباد(45)

نواب تفضل حسین ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں ناصر جنگ ابن دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ ابن امام خاں ابن قائم خاں ابن نواب غضنفر جنگ بنگش۔ نواب تفضل حسین خاں بطن سلطان عالیہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب تفضل حسین خاں کی تعلیم و تربیت نواب زادوں کی طرح تھی۔ علمی استعداد معقول تھی۔ ان کے چچا نواب تجمل حسین خاں ظفر جنگ ابن نواب شوکت جنگ والیء فرخ آباد تھے۔ ظفر جنگ مخلخد کا نواب تھا۔ اس کی داد و دہش کی بڑی دھوم تھی۔ اس کے اردگرد علماء و شعراء کا جھمگٹا لگا رہتا۔ منیر شکوہ آبادی بھی اس کے دربار کے شعراء میں داخل تھے۔ مرزا غالب کو بھی فرخ آباد آنے کی دعوت دی۔ مرزا صاحب جا نہ سکے' فرماتے ہیں:۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

نواب تجمل حسین خان ۱۸۴۶ء میں لاولد انتقال کر گئے۔ نواب تفضل حسین خاں ان کے جانشین ہوئے۔ انتظام ریاست کو بڑی قابلیت سے چلایا۔ گیارہ برس انہیں پورے حکومت کرتے ہوئے نہ گزرے تھے کہ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ نواب خاندان بنگش کا فرد' جس کے باپ دادا تلوار کی چھاؤں میں پلے وہ خاموش کیا بیٹھتا۔ یہ بھی وقت کے تقاضے سے رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ آغا حسین کمانڈر انچیف سیتاپور

سے دو ہزار فوج کے ساتھ نواب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دستگیری کی۔ دو سو نفوس اور ۲۴ بندوقیں اور روپیہ پیسہ سے مدد دی۔ تمام باغی نواب کے اردگرد جمع ہو گئے۔ سات ماہ تک کامل ضلع پر حکمرانی کی۔

احمد یار خاں ناظم محسن علی خاں باغیوں کے سردار تھے' جنھوں نے کل علاقہ سے جبریہ روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ مگر نواب کے اطاعت گزار تھے۔ بادشاہ دہلی نے اس کی نیابت سلطنت منظور فرمائی اور خلعت و سند سے نوازا' مگر ملک بگڑ چکا تھا۔ غداروں نے ہر جگہ دھوکے دیئے۔ آخر پانسہ الٹا پڑا۔ ۱۸۵۹ء میں نواب نے اپنے کو گورنمنٹ کے حوالے کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمہ قائم کر دیئے۔ میجر بیزور نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یورپین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے' جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر صاحب ہی سپیشل کمشنر مقرر ہوئے اور باغیوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ انہوں نے نواب پر جرم قائم کرکے پھانسی کا فیصلہ دیا۔ ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بھی سزایاب ہوئے۔ نواب نے میجر بیزور کو وعدہ یاد دلایا مگر توجہ نہ کی گئی۔ آخرش اپیل گورنر جنرل کے یہاں کی گئی (46)۔ گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹا دی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ کے علاقہ سے خارج البلد ہو جائیں اور اگر کبھی لوٹ کے آئے تو سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء نواب کو جہاز پر بٹھا کر عدن پہنچا دیا گیا۔ وہاں سے حجاز چلے گئے۔ مکہ میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تھے۔ نواب سے بھی ملے تھے۔ فقرا کی صف میں تھے۔ غرباء میں ان کا شمار تھا۔ نواب صاحب نے ایک جوڑا ان کو عطا کیا۔ آخرش نواب نے بحالت کلفت ۱۸۸۴ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ نواب کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بہادر کو پھانسی لگی اور بھی فرخ آباد کے حضرات اس ہنگامے کی لپیٹ میں آئے۔

منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ ذیل کا نواب سخاوت حسین خان بہادر کے لئے لکھا۔

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب — نہال باغ کرم زیب مسند شوکت
جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ — غلام آل نبی سروا قمر طلعت
سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں — ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اس کی جاں سے بڑھ کر — ہر ایک زبان پر اس کا وظیفہ ورجت
زمانہ اس کی مروت پر اس طرح شیدا — مشام روح ہو جس طرح عاشق نکہت
وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول — عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ — ہوا شہید امیر اسیر باہمت

۱۲۷۴ھ

فرخ آباد کے دو حضرات کو اور پھانسی دی گئی۔ منیر نے تاریخ لکھی ہے۔
تاریخ پھانسی نواب اقبال مند خاں بہادر و نواب غضنفر حسین خاں بہادر فرخ آباد۔

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں — دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جواں نیک امیران ذی حشم — مقتول تیغ تیر قضا آہ آہ ہائے
تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے

مولانا مولوی لیاقت علی دو آبہ کے رہنے والے تھے۔ فقر میں دخل تھا۔ ان کے تقدس کی بڑی شہرت تھی۔ چائل کے زمینداروں نے انہیں سراہا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مولانا نے بھی علم جہاد بلند کیا۔ چائل کے لوگ علم کے زیر سایہ جمع ہونا شروع ہو گئے تو الہ آباد گئے اور خسرو باغ میں آپ کا رائت جنگ لہرایا۔ دلی سے ابوظفر بہادر شاہ نے آپ کو الہ آباد کا گورنر مقرر کیا۔ مسٹر نیل نے بڑی سعی و بلیغ کی کہ مولانا کا اقتدار بڑھنے نہ پاوے مگر برطانیہ کا اقتدار گھن میں آ گیا تھا۔ مولانا کا زور بڑھتا ہی رہا۔ سرکاری آدمیوں کی خبر لی گئی۔ انہوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد پوری قوت سے سرکاری فوج نے ہلہ بول دیا۔ ۱۲ جون کو دریا گنج پر گولہ

باری ہوئی۔ سکھ فوج کے دباؤ سے مولانا کے ہمراہی بے سروسامانی کی بدولت پسپا ہونے لگے۔ چنانچہ کشتیوں کے پل کی درستی کرائی گئی۔ تاکہ دوسرے دن میجر اسٹیفن اور ایک سو آدمی مسٹر نیل کی فوج کے اس پر سے گزر سکیں۔ ۱۳ جون کو مسٹر اور بلاک جوئنٹ مجسٹریٹ کی ماتحتی میں اور جہاں جہاں ہنگامی اور بلوائی تھے ان سے مقابلہ ہوا۔ آخرش مولانا کو الہ آباد چھوڑنا پڑا۔ وہاں سے لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے سالہ خان بہادر عنایت حسین خاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کے پاس رہے۔ وہاں بھی انگریزی تسلط کی وجہ سے نہ رہ سکے تو(47) مولانا احمد اللہ مدراسی کے جھنڈے تلے جنرل بخت خاں کے ساتھ شریک ہو گئے۔

جنرل نیاز محمد خاں

جنرل نیاز محمد خاں نے اپنے علاقے کے بلوائیوں کو ساتھ لے کر سورج پور کے پاس گنگا کو عبور کیا اور پرگنہ کمبل پور میں داخل ہوا۔ تھانہ کھار پر ایک دو دن پڑا رہا۔ شمس آباد کے لوگ بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ ۲۷ جون کو بریگیڈیئر ہوپ گرانٹ نے یکایک اس پر ہلہ بول دیا مگر پسپائی ہوئی۔ باغی گنگا پار چلے گئے۔ تین ہزار کی تعداد تھی۔ آخرش پھر مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا۔ نیاز محمد خاں کو فرار ہونا پڑا۔ مکہ معظمہ گئے۔ ۱۸۷۲ء میں نواب جوناگڑھ کے یہاں آکر ملازمت اختیار کی۔ بمبئی آئے ہوئے تھے، جہاں گورنر جنرل کا قیام تھا۔ وہاں یہ پہچان لئے گئے، گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا، آخرش سزائے موت تجویز ہوئی مگر ہائی کورٹ نے کالا پانی تاحیات رکھا۔ چنانچہ انڈمان بھیج دیئے گئے وہیں پیوند خاک ہوئے۔

مولانا امام بخش صہبائی شہید

مولانا امام بخش فاروقی صہبائی ابن مولانا محمد بخش تھانیسری صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے۔ دلی میں کوچہ چیلاں میں مکان بنا لیا تھا۔ علوم فارسی

عربی عبداللہ خاں علوی سے تحصیل کئے۔ فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ علامہ کے اثر سے شعر گوئی سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اپنی ذاتی کاوش اور استاد کی توجہ سے تبحر کا درجہ حاصل ہو گیا۔ استاد نے وہ گر سکھائے کہ نوعمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھے جانے لگے۔

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ:-

"۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ٹامسن سیکرٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لیفٹیننٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے۔"

ڈاکٹر عبدالحق نے مرحوم "دہلی کالج" میں لکھا ہے:-

"مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور نے لیفٹیننٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں، ایک مرزا نوشہ۔ دوسرے حکیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی۔ لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا۔ مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے۔ انہوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ انہوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہوار قبول کر لی۔ بعد کو پچاس ہو گئے۔"

گارساں د تاسی فرانسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں:-

"مولانا صہبائی منشی کریم الدین کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرہ شعراء میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔"

مولانا صہبائی کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا۔ فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ حدائق البلاغت کا ترجمہ کیا۔ مولانا حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

صرف لکھنے کو ترجمہ ہے ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں منتقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب ہے۔

آپ کے فارسی کے کثیر التعداد رسائل کلیات میں شائع ہو گئے ہیں۔

واقعۂ شہادت

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی	وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی	کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

صہبائی کے ساتھی مولانا فضل حق۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ' وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے۔ ان کو بھی شرکت کرنی پڑی۔ قلعہ میں بہادر شاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ بھی بلائے گئے۔ جب پانسا الٹا پڑا' انگریز فاتحانہ طور سے دلی میں داخل ہوئے۔ جنرل بخت خاں وغیرہ میدان چھوڑ گئے۔

ظہیر دہلوی کہتے ہیں:-

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آب دار ہوئی	سنان نیزہ ہر ایک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی	ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی

ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا	ہر ایک قبلہء و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا	غرض خلاصہ یہ ہے اک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو زد میں گوروں کے آیا وہ گولی کا نشانہ ہوا۔ ان میں کئی اشخاص باکمال نامی اور فرد روزگار تھے۔ وہ بھی مارے گئے' جو دہلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے' جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہو گی' میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور کوچہ چیلاں کے بہت سے شریف خاندان لوگ' سنا گیا ہے کہ اس محلّہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راج گھاٹ کے دروازے سے دریا پار لے جا کر بندوقوں کی باڑیں مار دی گئیں اور لاشیں دریا پھینکوا دی گئیں۔

حضرت اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:-

وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل : ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

آخر میں ان کی دردانگیز شہادت پر ایک مرثیہ ملاحظہ ہو:-

ندانم کجا رفت آں نعش پاک	ملک بردیا ماند بر روئے خاک
ندانم کسے داد اورا کفن	دیا ماند جوں سایہ برخاک تن
ندانم چہ کرد است با اوسپہر	زجامہ کفن کر دیا تاب مہر
بخاکش نمودند اور انساں	دیا مرتفع شد سوئے آسماں
کے فاتحہ ہم برو خواندہ است	بعطر گلابی بر افشاندہ است
کدامی گل و بلبل و بادوشت	بخاکش بحسن عقیدت گزشت
الٰہی بیا مرزا مظلوم را	کلاہ شہی دہ بہ ملک بقا

بفردوس اعلیٰ بود جائے او
بہشت بریں باد ماوائے او (48)

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید:-

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ مودودی سہسوانی

۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم درسیہ دلی و لکھنؤ میں فرمائی۔ فن حدیث و فقہ سے خاص مناسبت تھی۔ بعد تکمیل دہلی میں چند سال قیام فرمایا۔

مولانا محمد عبدالباقی حیواۃ العلماء میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا طلبہ علم کو درس دیتے اس کے ساتھ فنون سپہ گری و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہسواری میں ان کو مہارت تامہ حاصل کراتے بعض بزرگان دین (مولانا سید احمد بریلوی) کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور شریک غزوہ ہوئے۔ کفار و مشرکین سے جنگ کی پھر وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ذکر و فکر و مجاہدہ میں لگ گئے۔"

ہنگامہ ۵۷ء میں شریک ہوئے اور بعمر ۳۹ سال وطن میں گولی کا نشانہ بنے۔ دست مبارک میں تسبیح اور لب پر کلمہء شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سبط پیمبر نیاز احمد کہ بود از آل احمد
چو روح پاک او در جنت آسود دخول خلد تاریخش برآمد (49)

مولوی رضی اللہ بدایونی:-

علمی گھرانے کے فرد تھے۔ علمائے عصر سے علوم تحصیل کے درس و تدریس شغل تھا۔ اکثر انگریز آپ سے فارسی عربی پڑھتے تھے۔ مسٹر کارمیکل آپ کا شاگرد تھا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں آپ نے بدایوں کے علاقہ میں کارہائے نمایاں کئے۔ بعد تسلط کے مولوی صاحب بھی گرفتار ہوئے۔ حسن اتفاق سے مسٹر کارمیکل عہدہ کلکٹری پر ممتاز تھے۔ ان کے سامنے مولانا کا مقدمہ پیش ہوا۔ مولانا طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ

"جب کلکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کلکٹر صاحب کو چونکہ اپنے استاد سے

ہمدردی تھی، اس لئے انہوں نے مقدمہ ملتوی کر کے مولوی صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر کلکٹر صاحب کو مجبوراً" سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا۔ کلکٹر صاحب اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا، اب بھی اگر آپ شرکت ہنگامہ سے انکار کر دیں تو میں آپ کو موت سے بچالوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ کیا میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کرلوں۔ یہ کہہ کر بخوشی جان دے دی" (50)۔

مفتی عنایت احمد:-

مفتی عنایت احمد نے علمائے عصر سے اکتساب علوم عقلیہ نقلیہ کیا اور سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد قانون پڑھا۔ گورنمنٹ نے منصفی پر نامزد کیا۔ مفتی صاحب جب منصف ہو گئے تو اجلاس میں ایک طرف طلباء اپنی کتابیں لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا سبق پڑھ لیتے۔

۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا مگر قبل اس کے کہ جدید عہدہ کا کام شروع کریں، ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا، جس میں آپ پر بغاوت کا الزام قائم ہوا اور جزیرہ انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ایک انگریز کی فرمائش پر مفتی صاحب نے تقویم البلدان کا ترجمہ کیا اور یہی ترجمہ ان کی انڈمان کی قید سے رہائی کا باعث ہوا۔ (51)

نواب ولی داد خاں بہادر:-

نواب ولی داد خاں بہادر رئیس مالا گڑھ نواب کے والد کا نام بہادر خاں ابن ملا داد خاں شاہ عالم کے زمانہ میں برن کے علاقہ میں عامل رہے۔ رہتورہ میں قلعہ

مالال بزرگ کے نام میں بنایا۔ بہادر خاں سے مرہٹوں سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا۔ ولی داد خاں کو ایک ہزار روپیہ ماہوار حکومت دیتی تھی(52)۔ ولی داد خاں بہادر شاہ سے ملنے گئے تھے، ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۶ مئی ۵۷ء کو نواب داد خاں بادشاہ نے سندھ صوبہ داری دو آبہ لے کر چند سپاہیوں اور تلنگوں اور رنگروٹوں کے ساتھ مالاگڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اول غازی نگر پہنچے، وہاں کا انتظام کیا۔ تحصیلدار اور تھانہ دار نے حاضر ہو کر نواب کو نذر گزرانی اور حکومت دو آبے کی مبارک باد دی۔ نواب نے وہاں کا انتظام کر کے سو سپاہی سڑک کی نگہبانی اور قصبہ کے انتظام کے واسطے تحصیلدار اور تھانہ دار متعین کئے۔ مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں امروہوی کو اپنے ساتھ لیا۔ موضع وادری آکر قیام کیا۔ تیسرے روز اپنے مستقر مالاگڈھ (ضلع بلند شہر) پہنچ گئے اور ضروری انتظام میں لگ گئے۔

دوسرے دن سائل پور کا نمبردار سو سواروں اور پچاس پیادوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بیٹے حامد خاں کو بغیر ثبوت جرم پھانسی کلکٹر صاحب نے دے دی تھی۔ وہ خار کھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے نواب سے آکر شکایت کی۔ اس کی دلجوئی کی گئی۔ کلکٹر صاحب کو خبر لگی۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ ”اگر تم نے سائل پور کے فسادیوں کا ساتھ دیا تو تم کو پھانسی پر لٹکنا پڑے گا۔“ اس تلخ بات نے نواب صاحب کو برافروختہ کر دیا اور انہوں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ پہلے سرکاری ڈاک روک لی۔ یہ رنگ دیکھ کر کلکٹر صاحب میرٹھ چلے گئے۔ اس کے بعد نواب نے میدان خالی پا کر محمد اسماعیل خاں کو پچاس سوار اور چالیس تلنگوں اور ایک توپ دے کر بلند شہر کے قبضہ و انتظام کے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے جاتے ہی قبضہ کر لیا۔ کلکٹر صاحب کسی ضرورت سے پھر لوٹ کر شہر آئے۔ اسماعیل خاں ڈٹے ہوئے تھے۔ ان سے اور ان سے چار آنکھیں ہوئیں۔ اسماعیل خاں نے سمجھایا مگر کلکٹر صاحب نے طمنچہ سے پہل کی۔ اس پر تلنگے بگڑ بیٹھے۔ آخرش ہاپوڑ معہ دو سو سواروں کے کلکٹر صاحب چلے

گئے(53)۔

نواب نے محمد اسماعیل خاں کو بلا کر ایمن گوجر جس کے ساتھ ایک ہزار گوجر تھے، اس کی ہمراہی میں موضع کلی بٹونہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محمد اسماعیل خاں زخمی ہوئے اور ایمن گوجر نے راہ فرار اختیار کی۔ مجبور ہو کر اسماعیل مالاگڈھ لوٹ آئے۔ نواب ولی داد خاں کے پاس سات ہزار سوار اور تین ہزار پیادے اور ضرورت کے لائق ہر قسم کا سامان بھی جمع ہو گیا تھا۔ اس اثناء میں مسٹر ترنیل دو سو گورے اور تین سو سوار دیسی اور چار توپیں لے کر ہاپوڑ کے میدان میں آ جمے۔ مالاگڈھ بارہ کوس پر رہ گیا تھا۔ نواب نے محمد اسماعیل اور حاجی محمد منیر خاں کی سرکردگی میں ساڑھے تین سو سوار اور دو سو پیادے موضع گلاؤٹی میں مورچہ روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ ترنیل صاحب اپنی فوج لئے ہوئے نواب کی فوج پر آ پڑا اور مقابلہ خوب رہا مگر اسماعیل خاں کو پسپا ہونا پڑا۔ نواب صاحب کو خبر لگی۔ اس دن امیر علی خاں و امراء بہادر پسران نواب مظفر علی خاں رئیس کھیلیا چھ سو سوار اور چار سو پیادے لے کر نواب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شیخ زین العابدین میاں ذکی شاعر کے بھائی بھی نواب صاحب کے پاس پچاس سوار کے رسالدار ہو کر آ لئے۔ غرضیکہ نواب سے اور انگریزوں سے مڈبھیڑ کچھ عرصہ رہی۔ آخرش دہلی فتح ہونے کے چند دن بعد ہی مالاگڈھ پر انگریزی فوج نے دھاوا بول دیا مقابلہ خوب رہا مگر شکست کا منہ دیکھنا ہی پڑا۔ رئیس کھیلیا اور نواب ولی داد خاں ۲۵ ستمبر کو بریلی پہنچے۔ انگریزی فوج نے مالاگڈھ کے علاقہ کو ضبط کر کے مالاگڈھ کے قلعہ کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔ بلند شہر کے کلکٹر نے خان پور اور خورجہ کے اکثر لوگوں کو گرفتار کر کے دار پر چڑھایا۔ نواب صاحب روپوش ہو گئے۔ بقیہ حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

میر نواب :۔ ابن میر تفضل حسین وکیل جو خزانہ انگریزی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ مرزا ابوبکر کے کار فرما تھے۔ جے پور سے پکڑے گئے پھانسی لگی۔

شاہ احمد سعید نواسہ شاہ غلام علی قدس سرہ کمال الدین لکھتا ہے کہ:۔

"موجو وبانی مبانی جہاد قبل از داخلہ فوج سرکار مقبرۂ نواب صدر جنگ میں جاکر رہے۔ اس کے مرید جاں فشاں خاں رسالدار ساکن سروٹھ پروانہ آزادی سرکار سے لے کر ان کو مع مولوی حیدر علی کے ساتھ کابل چلے گئے(54)۔ وہیں عمر گزار دی۔

حکیم محمد حسن خاں :۔ نبیرۂ نواب محبت خاں روہیلہ یہ بھی شاہجہانپور میں ان دنوں قیام پذیر تھے۔ ناظم شاہجہاں پور کے ہمنوا بن گئے۔ آخرش ہنگامہ کے نذر ہوئے۔(55)

ذوالفقار الدولہ :۔ محمد نجف خاں عرف آغا سلطان نواسہ نواب خان سرشتہ بخشی گیری پر مامور تھے۔ ہنگامہ کے بعد سے پتہ نہ لگا مارے گئے یا زندہ بچے۔

نائب کپتان :۔ میر نواب اور کپتان دلدار خاں اولاد مجد الدولہ بہادر کپتان قدیم شاہی دویم الذکر یہ لاپتہ ہوئے۔ میر نواب کرنل میں پکڑے گئے پھانسی دی گئی۔

میر اشرف علی خاں :۔ فیلبان شاہی خطاب فوجدار خاں تھا۔ پانی پت میں تین سال قید رہے۔ حکیم احسن اللہ کی سفارش سے آزاد ہوئے۔

نواب شرف الدولہ :۔ محمد ابراہیم خاں بہادر امرائے لکھنؤ سے تھے۔ محمد علی شاہ کے عہد میں عہدۂ وزارت پر مامور ہوئے۔ مگر امجد علی شاہ کے عہد میں ریذیڈنٹ کی سفارش پر اسی سے متعلق کر دیئے گئے۔ جب واجد علی شاہ سریر آرائے مسند ہوئے' ان کی دیوانی کا حق تھا مگر واجد علی شاہ ان سے خوش نہ تھے۔ علی نقی خاں کو مدارالدولہ خطاب دے کر دیوان مقرر کیا گیا۔ ان کے حاسدوں نے نواب سے کچھ سے کچھ جڑا۔ چنانچہ ۹ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ مرزا علی رضا بیگ کوتوال شرف الدولہ کے پاس آئے کہ آپ کے لئے اخراج کا حکم ہوا ہے۔ شرف الدولہ گاڑی میں سوار ہو کر ریذیڈنٹ کے پاس آئے۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ:۔

"شرف الدولہ مہتمم اہل اور اتالیق فردوس منزل ہے ان کی حفاظت اور کفالت و وکالت متعلق سرکار ہے۔ یہ امر موجب ہماری توہین کا ہوا"۔(56)

واجد علی شاہ نے سنا' فرمایا کہ ہمیں بہرحال خلاف مرضی نواب گورنر کوئی امر ملحوظ خاطر نہیں۔ لہٰذا ہم اپنا حکم واپس لیتے ہیں۔ مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد معزولی واجد علی شاہ کا حکم آیا اور اشتہار ضبطی اودھ شائع ہوا۔

دسویں فروری ۱۸۵۶ء

نقل اشتہار واسطے اطلاع سکنائے ملک اودھ بموجب حکم محکم بندگان نواب مستطاب معلی القاب گورنر جنرل دام اقبالہ' کے جاری ہوا۔

واقع تاریخ ہفتم فروری ۱۸۵۶ء بموجب اس عہد نامے کے جو ۱۸۰۱ء میں موئد ہوا۔ سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر سے حفاظت بقیہ ملک سرکار اودھ کی جملہ اندرونی و بیرونی سے اپنے ذمے قبول کر لی اور والی ملک اودھ اب سے سررشتہ بندوبست کے جاری کرنے کے واسطے معرفت اپنے اہلکاروں کے خود ذمہ دار ہوا کہ ان کے باعث سے رفاہ خلائق و حفاظت جان و مال ساکنان ملک اودھ کی حاصل ہووے۔ چنانچہ جو ذمہ داری اس عہد نامے کی رو سے سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر کو عائد ہوئی۔ زیادہ عرصہ پچاس برس سے تعمیل اس کی وعدہ وفائی ساتھ علی الاتصال ہوتی رہی۔ اگرچہ سرکار دولت مدار درمیان عرصہ مذکور کے جنگ و جدال متواتر میں مصروف رہی تاہم ملک اودھ کی زمین پر کوئی دشمن بیرونی قدم بھی دھرنے نے پایا اور کسی طرح کا فساد عظیم تخت اودھ کی پائے داری میں خلل انداز نہ ہوا۔ افواج سرکاری ہموارہ شاہ اودھ کے قرب و حضور میں حاضرباش رہی اور جب کبھی بہ نسبت اقتدار بادشاہی کے ناحق کسی نے دھمکی دکھلائی تو افواج مذکور سے اعانت دینے میں ہر گز دریغ نہ ہوا۔ باوجود اس معاہدۂ عظیم و استوار عہد نامہ مذکور کے جملہ والیان اودھ کی جانب سے برعکس اس کے علی الاتصال بالکلیہ تساہل و تغافل ہوتا چلا آیا اور

میثاق کے واسطے اجرائے ایسے سر رشتہ بندوبست کے ظہور میں آیا کہ وہ موجب حفاظت جان و مال رعایا و سکنائے ملک اودھ و منج راہ ان کے کے ہووے۔ تاہم گویا وہ دیدہ و دانستہ بطور رویہ اپنے کے اس سے تجاوز و انحراف کرتے رہے۔ بسبب انحراف اس میثاق کے ممکن تھا کہ سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اس سے کہیں پہلے عہد نامہ مذکور کو ناجائز گردانتی اور بہ نسبت خبر گیری والیان ملک اودھ کے انکار کرتی۔ مع ھذا تا الحال سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو اجرا ایسے امورات کا جو کہ مخل اختیار و اقتدار ایک دو دمان عالی شان کے ہو منظور نہ تھا۔ ہرچند انہوں نے رعایا کی نسبت کیسے ہی احکامات خلاف عدل و انصاف کئے ہوں مگر ہموارہ بہ نسبت کمپنی انگریز بہادر کی دوستی دواد پر قائم رہی تاہم کمپنی انگریز بہادر نے واسطے بچانے رعایائے ملک اودھ اس تعدی عظیم و پریشانی سے جو عائد حال رعایا کے علی الاتصال ہی بکمال کوشش توجہ کے بہت برس گزرے کہ گورنر جنرل بہادر لارڈ ولیم نیٹبنگ نے بنظر اس کے کہ جو جدوجہد واسطے بہتری احوال رعایائے ملک اودھ پیشتر ظہور میں آئی تھی اس کی مزاحمت یا تعرض ہوا۔ حسب سرشتہء دربار لکھنؤ اطلاع دی کہ ضرورتاً" تمام و کمال و انتظام ممالک اودھ کو باہتمام اہلکاران سرکار کمپنی کے داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ جو کلمات و تنبیہہ لارڈ ولیم نیٹبنگ کی جانب سے ظہور میں آئی۔ اس کو آٹھ برس کا عرصہ ہوا کہ لارڈ ہارڈنگ بہادر نے بذات خود اعادہ کیا۔ اس زبان میں والیء اودھ کو بڑے اصرار کے ساتھ سمجھایا گیا کہ آئندہ کیسا ہی واقعہ وقوع میں آوے۔ یہ بات تمام عالم پر روشن ہو گئی کہ بطور دوستانہ و بروقت مناسب تنبیہہ و آگہی دی گئی مگر بسبب تمردی و نالائقی و یا سہل انگاری وزرائے و بادشاہان اودھ کے مقاصد دوستانہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کا رایگاں ہوا۔ پچاس برس سے زیادہ عرصہ تک جو صلاح بے غرضانہ چشم نمائی ہائے غصبانہ مع تنبیہات و اعتراضات و تہدیدات متواتر و متوالی وقوع میں آئیں ان میں سے کوئی بھی اصلاح پذیر نہ ہوئی۔ عہد نامے کے اصل میثاق پر عمل نہ ہوا۔ شاہ اودھ کے وعدے کی تعمیل نہ ہوئی اور رعایائے ملک

اودھ اب تک بے چارہ مایوسانہ بسبب نالائقی و خیانت و تعدی برباد ہوتی ہے۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ شاہ اودھ مثل اکثر والیان پیشین ملک مذکور کے اس ملک کی مہمات کے انتظام میں ینبغی مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ تمام ممالک اودھ میں اختیار حکومت عموماً" یا تو مقربان کمین یا اشخاص جابر و خائن کو جو کارگزاری میں نالائق اور درجہء اعتبار سے ساقط ہیں تفویض ہوتا ہے۔ محصلان مالگزاری اپنے اپنے علاقہ جات میں سرخودی کے ساتھ حکمرانی کر کے رعایا سے بلا ماہ تعہد سابق یا حال کے جبراً" کوڑی پیشے تک مواخذہ کرتے ہیں۔ اکثر افواج شاہ اودھ بے ضبط و ربط و بسبب بد اعمالی بخشیاں افواج مشاہرے سے محروم ہیں اور اپنی معیشت کے واسطے دیہات کو گویا لوٹنے کے مجاز ہیں۔ یہاں تک کہ جس ملک کی حفاظت کے واسطے وہ متعلق ہیں اس پر وہی جابر و قاہر ہوتے ہیں۔ غول کے غول ڈاکوؤں کے علاقہ جات کو غارت کرتے ہیں۔ آئین عدل کا نام و نشان نہیں۔ ہتھیار باندھ کر خانہ جنگی اور خونریزی رات دن ہوتی رہتی ہے اور کسی جگہ لحظہ بھر بھی حفاظت جان و مال کی مطلق نہیں ہے۔ فقط اب وہ وقت آیا کہ سرکار انگریز بہادر زیادہ متحمل ان برائیوں اور خرابیوں کی نہیں ہو سکتی۔ جن کو بسبب تعلق ہونے سرکاری کے عہد نامہ مذکور کے رو سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے اور سرکار وہ خبر گیری والیان اودھ پر کہ جس کے باعث سے صرف وہ اقتدار کہ منج خرابیاں مذکور کا ہے' بحال و برقرار نہیں رکھ سکتی اور یہ بھی واضح ہوا کہ حفاظت سکنائے ملک مذکور کی اس تعدی عظیم سے جو کہ مدت سے لاحق ہے کسی صورت سے ممکن الوقوع نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انتظام کلی ممالک اودھ مستدام سرکار کمپنی انگریز بہادر کو مفوض ہووے اس غرض سے حسب الحکم خاص استرضائے آنریبل کورٹ آف ڈائریکٹرز یہ بات ٹھہری کہ عہد نامہ ۱۸۰۱ء میں کہ اس سے ہر ایک والی اودھ نے انحراف کیا ہے۔ آج کی تاریخ سے بتمامہ ناجائز و ساقط ہے۔ چنانچہ واجد علی شاہ' بادشاہ اودھ کو واسطے انعقاد ایک عہد نامہ جدید کے نصیحت کی گئی کہ جس کی رو سے دوام و مستدام نظم و نسق کل ملک اودھ کا بلا اشتراک غیر

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو تفویض کیا جاوے و مراتب ضروری واسطے بحال و برقرار رکھنے منزلت و دولت و توقیر شاہ اقربان کی کے ظہور میں آوے۔ معہذا شاہ موصوف نے اسی عہد نامہ دوستانہ کے انعقاد سے انکار کیا۔ فقط!

ازانجا کہ شاہ اودھ واجد علی شاہ مثل جملہ اہالیان پیشین ملک اودھ کے اسی میثاق استوار عہد نامہ ۱۸۰۱ء کی تعمیل میں سن کر یا سہل انکار یا غافل ہوا جس کی رو سے اجرا ایسے سررشتہ بندوبست کا اپنے ممالک میں کہ موجب رفاہ و خیریت رعایا کی ہو لازم گردانا گیا۔ وازانجا کہ عہد نامہ جس سے یوں ہی انحراف ہونا جائز و ساقط گردانا گیا اور چونکہ شاہ موصوف انعقاد عہد نامہ جدید سے جو کہ بجائے عہد نامہ سابق ملحوظ تھا منکر ہوا اور چونکہ شرائط عہد نامہ سابق جیسا کہ بحال تھے بہ نسبت مداخلت اہالیان کمپنی انگریز ملک اودھ میں مانع ہیں دبدون ایسے مداخلت کے اجرائے سررشتہ بندوبست شائستہ اس ملک میں ہی ممکن نہیں ہے۔ ان وجوہات سے تمام عالم کو واضح و ہویدا ہے کہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو سوائے دو صورت کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے یا تو ملک اودھ کی رعایا کو ترک کریں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس معرض ظلم و تعدی میں جو کہ ظاہرا سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بنظر شرائط منضبط عہد نامہ کو مدت تک روا رکھا یا سرکار موصوف اپنے اقتدار عظیم کو بجق ان لوگوں کے نفاذ کریں جن کی رفاہیت کے واسطے پچاس برس کے عرصہ سے دست اندازی کا وعدہ کیا گیا تھا اور تمام و کمال نظم و نسق و بندوبست ممالک اودھ ہمیشہ کے واسطے اپنے قبضۂ اختیار میں کر لیویں۔ ان دونوں صورتوں میں سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بلا تامل دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ آج کے دن سے نظم و نسق ممالک اودھ بلا شرکت غیرے دوام و مستدام بہ قبضہ اقتدار کمپنی انگریز بہادر کے آگیا۔ سب عامل و ناظم چکلہ دار و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہان دربار وغیرہ و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہان دربار وغیرہ و جملہ سکنائے اودھ کو لازم ہے کہ آئندہ

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کے اہلکاران کی اطاعت و فرماں برداری کلی کرتے رہیں۔ اگر کوئی اہلکار دربار جاگیر یا زمیندار یا دوسرا شخص ایسی اطاعت و فرمانبرداری سے اغماض کرے یا اگر کوئی مالگزاری کے دینے میں عذر لاوے یا اور کوئی طرح سے سرکار کمپنی انگریز بہادر کی حکومت میں تعرض و مزاحمت پہنچاوے تو شخص مذکور مفسد گنا جاوے گا اور بھی وہ معتبر نہ گنا جاوے گا اور جاگیر یا اراضی اس کی ضبط کی جاوے گی اور ان لوگوں کو جو فورا" بلا عذر تابعداری سرکار کمپنی انگریز بہادر کی قبول کریں گے عامل ہوں یا اہالیان دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا سکنائے اودھ سب سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ وہ حفاظت و لحاظ و التفات اہالیان کمپنی انگریز بہادر کے پاویں گے اور پاتے رہیں گے۔ تعین تعداد مالگزاری ازروئے انصاف بندوبست واجبی کے عمل میں آوے گا و بتدریج بابت آبادانی و آراستگی مالک اودھ کے جدوجہد برابر ہوتی رہے گی۔ ہر کسی کو بلا طرفداری احد سے عدل گستری ہوتی رہے گی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ہر ایک شخص اپنے حقوق واجبی پر بلا اندیشہ اور بلا دست اندازی کسی کے قابض و متصرف رہے گا۔ فقط!

اس اعلان نے محلات معلّی میں اور گھر گھر ماتم برپا کر دیا۔ نواب واجد علی شاہ نے نواب محسن الدولہ بہادر نواب منور الدولہ صحت الدولہ شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بھی بلائے گئے۔ مشورے ہوئے مگر سب بے سود رہا۔ آخرش نواب وزیر کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس واقعہ کا اثر تمام شہر کے خورد و کلاں نے لیا اور غم و غصہ کا اظہار ۵۷ء میں ظہور میں آیا۔ برجیس قدر کو تخت نشین کیا۔ نگراں حضرت محل ہوئیں۔ شرف الدولہ کو نیابت کا عہد تجویز ہوا انہوں نے کہا کہ:۔

"میں قدیم سے اس گھر کا دولت خواہ ہوں۔ کاروبار سرکار بجا لاؤں گا مگر خلعت نیابت نہ لوں گا" (57)۔

مجبور کیا گیا اور وزارت کا عہدہ سنبھالا اس کے بعد ہر ایک مشورہ میں شریک برجیس قدر کے رہے۔ حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑا۔ شرف الدولہ کے گھر اتریں اور

ان سے کہا، تم میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے عرض کیا، آپ تشریف لیجائیں۔ میں فوج جمع کر کے عقب میں حاضر ہوتا ہوں۔ ان کے جاتے ہی یہ گھر سے چلے۔ رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے۔ تلنگوں نے پکڑ لیا۔ اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور سے شہر پر قبضہ کر کے گشت کرتے ہوئے آنکلے۔ دو شخص تلوار لئے شرف الدولہ کو گھیرے کھڑے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ یہ نماز میں مشغول ہوئے۔ ایک نے گولی ماری، دوسرے نے تلوار کا وار کیا، کارنگی صاحب نے عنایت علی سے جو موجود تھا پوچھا یہ کس کی لاش ہے۔ اس نے کہا۔ نواب شرف الدولہ کی۔ حکم دیا خاکروب اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دیں(58)۔ غرضیکہ اس طرح یہ شہید وطن پیوند خاک ہوا۔

تاریخ شہادت نواب شرف الدولہ بہادر

۲شعبان ۱۸۷۴ء

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمنام جلیل
صاحب خلق و حیا منصف و فیاض حلیم
چوں بدر گاہ ضیا بار جناب عباس
شد قتیل ستم لشکر غدار لئیم
ماند بے گور و کفن جسم شریفش برخاک
شد رواں روح بہ لطفش سوئے فردوس مقیم
آرے آری شہدا راز عنایات خدا
کفن از صلہ بود غسل تو آب تسنیم
زمزم کعبہ ازیں واقعہ شد چشم پر آب
پشت محراب دو تا گشت ازیں رنج عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سیہ پوش حرم از الم ابراہیم

(59)

آغا مرزا اکمل پوش :- واجد علی شاہ کے زرہ پوشوں میں ملازم تھا۔ معزول بادشاہ سے ملول رہا کرتا کہ ہنگامہ رونما ہوا ان کے ہمراہ چھوٹے خاں رنگ پوش حوض علی وغیرہ شریک شورش ہوئے۔ آغا کے مکان کے برابر منڈسن کرانی محافظ دفتر گبنس صاحب فنیشل کمشنر کا آوردہ رہتا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا، آغا کس ہنگامہ ء فساد کی فکر میں ہو۔ عبث تمہارا گمان غلط ہے۔ کچھ تم سے نہ ہو سکے گا۔ آغا مرزا نے ترشی سے جواب دیا۔ جس پر منڈسن نے گولی چلائی۔ یہ بچ گئے، پھر تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ کام تمام کیا اور عیش باغ پہنچ کر جہاں پندرہ سو آدمی جمع ہو چکے تھے۔ نشان محمدی اٹھا کر چوک ہو کر امام باڑے نواب آصف الدولہ کے بہادر گئے۔ وہاں سے گاؤ گھاٹ کی راہ چلے اور حسین آباد پہنچے۔ یہاں سرکاری تلنگوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آغا مرزا مجروح ہوئے اور گرفتار ہو گئے۔ طالب یار خاں بھی شریک تھے۔ وہ بھی گرفتار ہوئے ان کے ساتھی عوض بیگ بھی تھے۔ اکبر دروازہ پر ان سب کو ۱۴ آدمیوں کے دار پر کھینچ دیا گیا۔

کاظم علی خاں کنبوہ :- فیض آباد میں تحصیلدار تھے۔ یہ ملیح آباد گئے۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی کپتان ویسٹن کو بچایا اور خزانہ بیلی گارڈ میں پہنچا مگر قومی جوش میں آکر دربار برجیس کے ایک رکن اور ناناراؤ پیشوا بٹھور کی طرف سے وکیل مطلق بن گئے۔ کرنیل چمبرلین نے بعد ہنگامہ ان کی سفارش کی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

چودھری حشمت علی :- سندیلہ کے رئیس تھے۔ برجیس قدر کی معاونت کے لئے ایک ہزار فوج لے کر آئے اور انگریزوں کے مقابلہ میں داد شجاعت دیتے رہے ان کے شریک میر منصب علی رسول آبادی اور راجہ دیبی بخش سنگھ رئیس گونڈہ آنندی اور خوشحال زمیندار گوسائیں گنج، راجہ سکھ درشن سمروتھ دس ہزار کی فوج سے ہمنوا

ہوئے۔ سہراب بخش نے بھی ساتھ دیا۔ راجہ مال مادھو سنگھ بہادر تعلقدار متھی، رانا بینی مادھو بخش سنگھ پنواڑہ یہ سب لوگ اپنی اپنی فوج سمت چودھری حشمت علی کے شریک ہوئے بعد تسلط انگریز اکثر کو پھانسیاں بعض کو کالا پانی ہوا اور جائیدادیں ضبطی میں آئیں۔

عباس مرزا :۔ ابن میر احمد داماد مرزائی بیگم مصاحبہ حضرت محل کو سفارت دہلی پر مقرر کیا۔ سازوسامان کے ساتھ لکھنؤ سے دہلی پہنچے۔ نواب زینت محل صاحبہ کی معرفت بحضور ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی پیش ہوئے۔ برجیس قدر کا عریضہ ملاحظہ سے گزرنا۔ تحفہ تحائف نذر کئے حضور والا نے درخواست پر نسپل سے خود ارقام فرمایا۔

"فرزند ارجمند برجیس قدر شاہ اودھ آفرین ہو کہ چھوٹے سے سن میں تم نے بڑا نام کیا۔ پیچھے سے تمہارے واسطے مہر اور خطاب بھیجے جائیں گے۔ خاطر جمع رکھو جو ملک قدیم تمہارا تھا اس سے زیادہ عطا ہو گا(60)۔

سفیر صاحب کی باریابی کے چند روز بعد ۲۸ محرم ۷۴ھ کو بادشاہ قلعہ سے مقبرہ ہمایوں تشریف لے آئے۔ انگریزی قبضہ پر ہونے لگا۔ عباس مرزا بسیار خرابی لکھنؤ آئے۔ حضرت محل سے تمام حالات گوش گزار کئے۔ یہاں کی بساط الٹ چکی تھی یہ بھی انگریزی شکنجہ میں آئے۔ عتاب نازل ہوا آخر کار جان سے گئے۔

معین الدولہ :۔ عمدۃ الامراء صدر الملک سید ذوالفقار الدین حیدر نظارت خاں بہادر ذوالفقار جنگ المشہور حسین مرزا ابن مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ رئیس دہلی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ معین الدولہ کے روابط مرزا غالب سے بہت تھے۔ ۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔ حسین مرزا کے بھائی آغا حیدر مرزا ناظر بہادر شاہ کے داماد تھے۔ ناظر صاحب کے انتقال کے بعد نظارت کا کام حسین مرزا کے سپرد ہوا۔ ہنگامہ کے بعد ان کے بزرگوں کا اثاثہ بے طرح لوٹا گیا۔ حسین مرزا سخت پریشانی میں مبتلا رہے۔ مرزا غالب ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کے ہی بھانجے یوسف مرزا تھے۔

منشی رسول بخش :۔ قصبہ کاکورے کے رہنے والے تھے۔ ان کے صاحبزادے میر عباس تھانہ دار یہ بھی انگریزوں سے مخاصمت رکھتے تھے اور اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے ایک ساتھی صوبہ دار نے کارنگی صاحب کو خبر کر دی۔ محمود خاں کوتوال پہنچے، ان کو گرفتار کر لیا اور دار پر چڑھا دیا اور مال و اسباب ضبط ہوا، جس کا نیلام کیا گیا۔ مرزا فرخندہ بخش شاہزادے نے جس کو خرید کیا(61)۔

نواب احمد قلی خاں :۔ ابن نواب عباس قلی خاں امرائے دہلی سے تھے۔ نواب زینت محل ان کی صاحبزادی تھیں۔ دربار بہادر شاہی کے رکن تھے۔ کچھ عرصہ وزارت بھی کی۔ بادشاہ کی نظربندی کے بعد پانی پت چلے گئے۔ وہیں گرفتار ہوئے۔ دہلی آکر قید کئے گئے۔ وہیں قید ہستی سے آزاد ہوئے۔ لاکھ روپیہ کا گھر ضبط سرکار ہوا۔

نواب عبدالرحمٰن خاں :۔ جھجر کے نواب تھے۔ علمی ذوق و شوق رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق کو پانصد روپیہ ماہوار پر اپنے پاس بلایا۔ ان کے والد بھی علماء کے قدر دان تھے۔ جنگ آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ آخر گرفتار ہوئے کچھ عرصہ دیوان عام میں قید رہے پھر دار کے سزاوار ہوئے۔ ان کے سسر عبدالصمد خاں ڈھائی سو سواروں

کے افسر بادشاہی فوج کے ساتھ رہ کر انگریزوں سے نبرد آزمائی کرتے رہے۔ پھر لاپتہ ہو گئے۔

محمد علی خاں :- خلف نواب شیر خاں چیلوں کے کوچہ میں سکونت تھی۔ نواب بہادر جنگ کے پرگنہ کے رئیس تھے۔ گولی کا نشانہ بنے۔

نواب اکبر خاں :- ابن فیض اللہ خاں بنگش اور ہنگامہ کے بعد چلتے ہوئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں لا کر دار پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب مظفر الدولہ :- اور حسین مرزا ابن نواب حسام الدین حیدر ابن آغا محمد شفیع حسین مرزا ناظر العہدہ نظارت قلعہ میں متعلق تھے۔ مظفر الدولہ الور چلے گئے، وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں میں گولی کا نشانہ بنے ان کے برادر زادہ طالع یار خاں اصغر یار خاں خلف حسین مرزا ناظر نوجوان اور خوبصورت الور میں گرفتار ہوئے۔ ایک سو آٹھ قیدیوں کے ساتھ دہلی لا کر قید کیا اور دو ماہ بعد بلاقصور دار پر چڑھا دیئے گئے(62)۔

نواب میر خاں :- خلف نواب مرتضیٰ خاں جاگیردار پلول معہ اپنے نوجوان صاحبزادے عثمان الور میں گرفتار ہوئے۔ نواب میر خاں گڑ گاؤں لائے گئے۔ بحکم مسٹر مورٹ کلکٹر نشانہ تفنگ اجل ہوئے(63)۔

مرزا عبداللہ :- صاحب عالم کے دربار کے رکن رکین تھے اس بناء پر پھانسی دی گئی۔

امیر مرزا خلف محمد :- حاجی جان صاحب عالم مرزا مغل سپہ سالار اعظم کے مشیر کار تھے کوچہ چیلاں میں قیام تھا الور سے گرفتار ہوئے گوڑ گاؤں میں مارے گئے۔

میر محمد حسین خلف :- میر خیراتی سرشتہ دار محکمہ ایجنسی الور مرزا مغل بیگ کے ملازم ہو گئے پہلے جنرل بخت خاں کی سرکار میں منسلک تھے۔ الور میں گرفتار ہوئے۔ دہلی لا کر کوتوالی میں دو ماہ قید رکھا پھر پھانسی دی گئی۔

حکیم عبدالحق :- ابن حکیم حسن بخش بلب گڈھ کی دیوانی پر مقرر تھے یہ بھی دار پر چڑھا دیئے گئے۔

قاضی فیض اللہ :- کشمیری صدر الصدور کی کچہری میں سرشتہ دار تھے۔ ہنگامہ کے زمانہ میں کوتوال دہلی گئے تھے اس جرم پر پھانسی دے دی گئی۔

نواب محمد حسین خاں :- ابن نواب ارتضا خاں مرزا خضر سلطان کے نائب تھے۔ جھجر میں گرفتار ہوئے پھر پھانسی کی سزا ہوئی۔

عبدالصمد خاں :- ابن علی محمد خاں بادشاہ کی فوج میں رسالدار تھے۔ پھر واجد علی شاہ کے یہاں افسر فوج ہوئے پھر الور گئے وہاں سے دلی آئے اور گولی کا نشانہ بنے۔

دلدار علی خاں :- کپتان ساکن دہلی پانی پت سے گرفتار ہو کر لائے گئے اور ۱۷ جون ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔

میاں حسن عسکری :- صوفی شاہ سلیمان قدس سرہ کے خلفا سے تھے۔ بادشاہ بہت معتقد تھے۔ بخت خاں جنرل کو تلوار بطور تبرک عطا کی۔ پندرہ شوال ۱۲۷۴ھ کو پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب احمد علی خاں :- رئیس فرخ نگر اپنے بھائی علی خاں ابن نواب مظفر علی کی جگہ گدی نشین ہوئے تھے۔ انہوں نے بہادر شاہ کی روپیہ سے مدد کی تھی۔ اس بناء پر علاقہ ضبط ہوا اور ستمبر ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔ ان کے چچا نواب غلام محمد خاں ٹونک سے گرفتار کر کے لائے اور قید ہوئے۔

نواب مجید الدین احمد خاں :- عرف نواب مجو خاں خلف نواب محمد الدین احمد خاں مراد آبادی مکاتیب غالب کے نوٹ میں مولوی ممتاز علی خاں صاحب عرشی لکھتے ہیں۔

"ان کے آباؤ واجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھے

یہ نواب عصمت اللہ خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عہد عالمگیری میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب مجو خاں بھی بہت بڑی جاگیر کے وارث تھے۔"

نواب مجو خاں میں جہاں امارت تھی' اس کے ساتھ تہور اور شجاع بھی تھے۔ دولت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے دیگیں بھری رہتیں' جو تہہ خانوں میں رکھی رہتیں۔ سید محسن علی برادر منشی ولایت علی انجم مراد آبادی بیان کرتے تھے کہ نواب مجو خاں کا دربار لگا کرتا۔ تمام عمائد شہر شریک ہوئے۔ آئے دن ان کے یہاں بڑے پیانہ پر دعوت ہوا کرتی۔ نواب صاحب مخیر بہت تھے۔ ان کے ایک بھائی نواب سعید الدین احمد خاں صاحب تھے۔ مرزا غالب مراد آباد گئے تو انہیں کے پاس ٹھہرے۔ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

"سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی میرے ارزش سے زیادہ تھی" (64)۔

نواب مجو خاں کے ایک مخلص دوست تھے' چودھری عبدالقادر۔ عرب خاندان سے تھے۔ پہلوانی کا شوق تھا اور اپنے معاصر پہلوانوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ نواب صاحب اور چودھری صاحب ایک جان دو قالب تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مراد آباد میں ان ہر دو بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔ بہت کچھ چپقلش رہی۔ آخرش ہنگامہ فرو ہوا تو نواب صاحب تہہ خانہ میں سات تالوں میں روپوش ہوئے اور چودھری صاحب معہ اہل خاندان کے اپنے محلہ اصالت پورہ سے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ فوج ڈھونڈتی ہوئی پہنچی زنان خانہ میں گھس رہی تھی۔ چودھری صاحب کمرے سے اتر آئے اور کہا میں موجود ہوں اور اپنے کو سپرد کر دیا۔ ان سے دریافت کیا نواب کہاں ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب کے مکان پر جا کر کہا' چودھری گرفتار ہو چکا۔ اب تم بھی پردہ میں نہ رہو۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب تالے کھولتے ہوئے آگئے اور حراست میں لے لئے گئے۔ چودھری صاحب

اور نواب صاحب کو پھانسی دی گئی اور جائیداد ضبط ہوئی۔

شاہزادہ محمد عظیم :- ابن جہاں اختر ابن شاہزادہ سنجر بن احمد شاہ درانی رہتک میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس ہنگامہ میں شریک ہو کر بادشاہ سے فوج لے کے رہتک پر قبضہ کیا۔ حکام نے ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے ہانسی بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان کو طلب کیا اس کے دوسرے دن حضور شاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے۔ یہ فوج ہمراہی کو لے کر متھرا ہوتے ہوئے بریلی گئے اور وہاں سے حضرت محل کے پاس ہوتے ہوئے تلیٹی نیپال چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا مرے یا جئے۔

نواب موخاں بہادر

میر واجد علی موخاں الملقب علی محمد خاں بہادر داروغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ برجیس قدر کو تخت پر بٹھانے میں موخاں کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہے۔ عزل واجد علی شاہ سے انگریزوں سے اس کو عناد قلبی تھا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جو کچھ ہنگامہ آرائی رہی اس میں حضرت محل مولوی احمد اللہ شاہ اور موخاں کی سعی کو دخل ہے۔ ان پر حضرت محل پورا بھروسہ کرتی تھیں اور اس نے بھی قیام حکومت برجیس کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ جب حضرت محل مقابلہ سے ناکامیاب ہوئیں اور نئے کوٹ میں داخل ہوئیں۔ موخاں ساتھ تھے۔ جنگ بہادر سپہ سالار نیپال نے حضرت محل اور برجیس قدر کو تو اپنے پاس رکھا۔ باقی ہمراہیوں کو رخصت کر دیا۔

نواب موخاں اس خیال میں رہے کہ جناب عالیہ حضرت محل نے میرے لئے اجازت لے لی ہوگی۔ تو نیپالیوں کے کیمپ کے قریب آگئے۔ نیپالی ایک گھاٹی پر مقیم تھے۔ [illegible]م بہادر بھائی مہاراجہ جنگ بہادر معہ پلٹن کے وہاں تھا۔ وہ موخاں کے آگے [illegible] مانع آیا اور ان کو ٹھہرا لیا اور کہا جنگ بہادر کو لکھتے ہیں' اجازت پر آپ کو آگے جانے دیا جائے گا۔ موخاں مطمئن ہو گئے۔ جنگ بہادر خود آیا ان سے ملاقات

کی۔ اتنے میں بیل صاحب کمان افسر تھوڑی فوج سے لباس عربی میں آکودے اور ان کو جنگ بہادر کے اشارے پر گرفتار لیا۔ ساتھی جنگلوں میں چلتے ہوئے۔ ۱۷دسمبر ۱۸۵۹ء کو داخل جیل خانہ ہوئے۔ مقدمہ چلا' پھانسی کی سزا تجویز ہوئی۔ اپیل کیمبل صاحب جوڈیشنل کمشنر نے سنی اور حکم پھانسی منسوخ کرکے حکم دریائے شور دیا۔ جزیرہ انڈمن روانہ کردیئے گئے۔ دوکان کرلی تھی۔ یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔ وہیں انتقال ہوا(65)۔

میر محمد حسین خان گورکھپوری

میر محمد حسین خاں ناظم گونڈہ و بہڑائچ تھے۔ لکھنؤ سے ہنگامہ کی خبر سن کر گورکھ پور جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کرنیل منیتہ صاحب معہ میم اور بچوں کے فیض آباد بھاگ کر آگئے اور ایک جگہ چھپ گئے۔ میر علی حسین داروغہ اور میر احمد علی ماموے میر مہدی حسین خاں کو معلوم ہوا۔ ناظم کے پاس گئے ان سے حال کہا۔ انہوں نے کہا ان سب کو لے آؤ چنانچہ وہ آگئے تو کرنیل صاحب کو اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور کھانا گھر میں سے منگوا کر سب کو کھلوایا اور ایک مکان خاص رہنے کو دیا مگر لباس ہندوستانی تبدیل کرنے کو کہا۔ کچھ عرصہ بعد اعظم گڑھ سب کو بھیج دیا۔ وہاں سے شکریہ کی چٹھی آئی۔ مسٹر برڈ صاحب ڈپٹی کمشنر گورکھپور نے ان کو مطلع کیا۔ سات لاکھ روپیہ ہمارے پاس ہے۔ یہاں چلے آؤ اور سارے علاقے کا بندوبست تمہارے ذمہ ہے۔ میر محمد حسین نے توجہ نہ کی' بلکہ پانچ ہزار فوج سپاہ کی جمعیت سے گورکھپور کو کوچ کیا۔ خلیل آباد دس کوس پر ہے۔ وہاں سے اور آگے پہنچے۔ برڈ صاحب مضطرب ہو کر ۶ ہزار فوج اور کرانچی میں خزانہ لے کر اعظم گڑھ کی راہ لی۔ ہر دو میں ایک مقام پر مڈبھیڑ ہوگئی۔ ناظم صاحب غالب آئے۔ مسٹر برڈ خزانہ چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ اس کے ہمراہی ٹوٹ پڑے اور دشمن کی طرف سے غفلت برتی۔ برڈ صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شب خون مارا۔ ناظم صاحب کے سپاہی کثیر التعداد

کھپت رہے۔ آخرش' جان بچا کر بقیہ فوج کو لے کر گورکھپور آئے۔ مسٹر برڈ دوبارہ خزانہ لے کر اعظم گڑھ چلتے ہوئے۔ یہاں میدان خالی تھا۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین نے کارگذاری کی تھی مگر جنرل بخت کے بلانے پر دہلی چلے گئے۔ کوئی انتظام کرنے والا نہ رہا۔ ناظم صاحب نے آکر گورکھپور پر اپنی حکومت قائم کی۔ ۲۵ ہزار ہندو بھی ملازم رہے۔ جیل خانہ سے تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور ہر ایک کو کام پر لگایا اور کارخانے کھول دیئے۔ جیل خانہ میں میگزین رکھا گیا۔ ۸۰ یا ۱۰ توپیں بھی حاصل کرلیں۔ ۲۶ ہزار روپیہ یومیہ خیرات پر تقسیم کیا جاتا۔ دربار جمنے لگا۔ ایک درخواست سرکار برجیس قدر کی خدمت میں بھیجی گئی۔ وہاں سے خلعت سرفرازی مع خطاب مقرب الدولہ میر محمد حسین خاں عنایت ہوا۔ ناظم نے چند روزہ دادو ستد کی۔ لکھنؤ سے بھاگ بھاگ کر کثرت سے لوگ آگئے۔ ان کو عزت و توقیر سے رکھا۔

تیاری میگزین و قلعہ دوہس کی ہونے لگی۔ ہزار مزدور کام پر لگائے گئے۔ وکیل مہاراجہ شیر جنگ بہادر وزیر اعظم و سپہ سالار ملک نیپال سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ الگ تھلگ رہا۔ مگر تلنگوں نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ناظم کی کوئی بات نہ چلی۔ یہاں کی بدنظمی سے اطلاع پاکر مسٹر ونیگفیلڈ کمشنر بہرائچ اور برڈ صاحب کلکٹر گورکھپور کے پاس فوج راجہ بلرام پور کے ساتھ ہوئی اور مہاراجہ جنگ بہادر نے بھی اپنے کارواں بھیج دیئے۔ سب نے مل کر ناظم صاحب پر ہلہ بول دیا۔ مہاراجہ جگن بہادر کی طرف غافل تھے۔ آخرش سخت مقابلہ ہوا اور ناظم صاحب نے شکست پائی۔ راجہ مان سنگھ نے کچھ دستگیری کی مگر انہوں نے بھی نگاہیں یکایک بدل لیں۔ آخرش نادر مرزا کو ساتھ لے کر لانڈی میں حضرت محل کے پاس چلے آئے۔ وہ نیپال جا رہی تھیں۔ غرضیکہ جنگل کا رستہ لیا۔ اعلان اماں بخشی پر میر مہدی حسن خاں اور ناظم صاحب میر دوست علی وغیرہ نمودار ہوئے۔ ناظم صاحب پر مقدمہ چلا۔ لازم تھی پھانسی لگے گی' مگر کرنل صاحب مذکور نے احسان کا بدلہ دیا اور ان کی جاں بخشی ہوئی۔(66)

لال بہادر خاں میواتی

لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار علاقہ الور کا رہنے والا تھا۔ راجہ الور کے یہاں ملازم رہا۔ پھر گورنمنٹ میں بھی ملازمت کی۔ اس کے رشتہ دار فتح پور سیکری میں رہتے تھے۔ وہ الور سے فتح پور ہنگامہ میرٹھ سن کر آیا۔ ادھر ۳۰ مئی ۵۷ء کو دو پلٹنیں رجمنٹ نمبر ۴۴۔۶۷ سے تعلق رکھتی ہیں، خزانہ کی محافظت کے واسطے متھرا کو گئیں۔ کھلم کھلا باغی ہو کر دہلی کو چلتی ہوئیں۔ ۱۵ جون کو گوالیار میں ہنگامہ ہوا۔ ۳ جولائی کو انگریز مصلحت سے تعداد ۵۸۰۰ یورپین عیسائی قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ دو دن بعد نیمچ اور نصیر آباد کے فوجی آگرہ آئے۔ موضع سو چلیہ پر ایک مختصر انگریزی فوج سے جھڑپ ہوئی جو پسپا ہوئی پھر شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کی۔ انہی دنوں میں لال خاں آگیا۔ قلعہ تک پہنچ کر لوٹا۔ لیفٹیننٹ گورنر جان کوب کو ہیضہ ہوا۔ قلعہ میں دفن ہوئے۔ ماہ ستمبر میں بعد غلبہ دہلی کرنیل گریٹھد صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آگئے۔ یہاں سے ہنگامی فتح پور میں مورچہ جما کر لڑے۔ ۲۰ نومبر تک ان کا تسلط رہا۔ میواتی جانباز نکلے۔ آخرش ۴ فروری ۵۸ء کو انگریزی تسلط ہوا(67) اور میواتیوں کو انگریزی فوج نے تباہ و برباد کر دیا۔ آگرہ سے سرگروہ دولہ شاہ تارکش تھے۔ ان کو پھانسی لگی لال بہادر ہاتھ نہیں لگا۔

غلام فخر الدین :۔ ابن علی بخش خاں انجور مرزا غالب کے بھائی مرزا یوسف خاں کے داماد تھے۔ بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قاسم کے ناظم تھے۔ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ ان کے متعلق مرزا صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"غلام فخر الدین خاں کی دو روبکاریاں ہوئیں ہیں۔ صورت اچھی ہے، خدا چاہے تو رہائی ہو جائے" (68)۔ چنانچہ رہا ہو گئے۔

کوتوال شرف الحق فاروقی :۔ وطن تھانیسر تھا، دلی آ رہے۔ دربار شاہی سے منسلک تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں شہر کے کوتوال مقرر ہوئے۔ بڑے تخلخہ سے شہر کا انتظام

کیا۔ بعد تغلب یہ بھی عتاب کے نذر ہوئے۔

نواب زینت محل :۔ نواب احمد قلی خاں ابن نواب عباس قلی خاں کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے دادا شاہ ولی داد خاں وزیر احمد شاہ ابدالی تھے۔ حسن میں نور جہاں ثانی تھیں۔ بہادر شاہ کی محبوب بیوی تھیں۔ جواں بخت ان کے صاحبزادے تھے۔ زینت محل بڑی عاقل خاتون اور سیاست ملکی خوب سمجھتی تھیں۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مشورہ میں شریک رہیں۔ مرزا الٰہی بخش کے کہنے میں اکثر مصیبتیں مول لیں۔ آخرش ۲۸ مارچ چہار شنبہ ۱۲۷۵ھ بحراست فوج انگریزی چھ سوار گورے ایک توپ خانہ نواب زینت محل بادشاہ کے ساتھ رنگون گئیں۔ نواب تاج محل۔ خیرا" بائی۔ ظہورا" بائی۔ مرزا جواں بخت بہادر شاہزادہ، مزار شاہ عباس مرزا قیصر موسوم .خلاح قبر پر ستار شاہ مرزا سلیمان شکوہ نواب شاہ آبادی بیگم زوجہ مرزا نوجوان بخت اور ان کے سالے ولایت علی بیگ مرزا عبداللہ بطن خیرا" بائی سے تھے۔ احمد بیگ آبدار باسط علی ۱۶ نفوس زن و مرد بادشاہ کے ساتھ رنگون گئے۔ ۲۷ ہزار اہل اسلام کو پھانسی لگی۔ کمال الدین حیدر نے قیصر التواریخ میں لکھا ہے:۔

"فوج باغی ۸ ہزار، فوج انگریزی ۱۸ سو اور ۵ ہزار گورے ۲۵ ہزار ہندوستانی اس ہنگامہ میں مارے گئے" (70)۔

بہادر شاہ بادشاہ ۷ نومبر ۱۸۶۲ء مطابق ۱۴ جمادی الاول بروز جمعہ (71) کے دن قید فرنگ و قید جسم سے آزاد ہوئے۔ ان کی خاتون نے بھی رنگون میں انتقال کیا۔ بادشاہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

تاج محل وغیرہ کے متعلق مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"تاج محل (بیگم بہادر شاہ مرحوم) مرزا قیصر اور مرزا جواں بخت کے سالے ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ ان سب کی الہ آباد رہائی ہو گئی۔ دیکھئے کیمپ میں رہیں یا لندن جائیں۔"

نواب حامد علی خاں :۔ اعتماد الدولہ میر فضل علی وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ

کے داماد تھے۔ اعتماد الدولہ کے بعد دہلی چلے آئے۔ بیوی کے ترکہ سے ۹ لاکھ روپیہ ملا تھا۔ خزانہ میں داخل کرا دیا اور ساڑھے چار ہزار ماہانہ ملتا تھا۔ غدر میں ان پر بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ جائیداد ضبط ہوئی اور محل سرا اور کوٹھی ڈھا دی گئی(72)۔ ۱۳ ماہ حوالات میں رہے فروری ۱۸۵۹ء میں رہائی ہوئی۔

ضیاء الدولہ :۔ ابن حکیم رکن الدولہ پانسو روپیہ کی املاک قرق ہوئی' تباہ و برباد ہوئے۔ پانی پت چلے گئے۔ وہاں سے گرفتار ہو کر آئے۔

میر احمد حسین میکش :۔ مرزا غالب کے عزیز شاگرد تھے۔ مرزا صاحب ۷ فروری ۵۸ء کے ایک خط میں میکش کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"سلطان' جی میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میرو زیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

"احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ مخنوق ہوا (یعنی پھانسی پا گیا)(73)۔

مولانا رشید احمد :۔ بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش انصاری گنگوہی ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ننھیالی سلسلہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ملتا ہے۔ ابتدائی کتب مولوی عنایت احمد سے پڑھیں۔ مولوی محمد بخش رام پوری قاضی احمد الدین جہلمی دہلوی اور مولانا مملوک علی سے فراغت علمی کی۔ مولانا محمد قاسم ہم سبق تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں یہ بھی آگئے۔ قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے مولانا کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا۔ مولانا اپنی دادھیال قصبہ رام پور چلے گئے۔ وہاں حکیم ضیاء الدین کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ چند دن گذرے تھے کہ گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی طور ضلع سہارنپور مخبر

کو ستر سواروں کے ساتھ لے کر گنگوہ پہنچا۔ آپ کے غمگسار ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر جو صورت وضع میں مولانا سے مشابہت رکھتے تھے' مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا:۔

"چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے۔"

مظلوم ابوالنصر کو پکڑ لائے اور کہا گھر کی تلاشی دلوا' کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک ابوالنصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں کہا میں نہیں ہوں اور نہ یہ کہ مولوی رشید احمد کہاں ہیں۔ حاکم کو اندازہ ہوا' ملزم یہ نہیں ہے۔ یہاں سے دوڑ رام پور پہنچی۔ حکیم ضیاء الدین کے مکان سے مولانا کو گرفتار کیا گیا۔ ۱۲۷۵ء کا آخر حصہ تھا۔

مولانا کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا۔ تین چار یوم کال کوٹھری میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا' تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند چند پڑاؤ کر کے پا پیادہ مظفر نگر لائے اور حوالات کے اندر بند کر دیئے گئے۔ چھ ماہ قید رہے' آخرش چھوڑ دیئے گئے اور وطن لوٹ آئے۔

قاضی عنایت خاں :۔ ابن قاضی سعادت علی خاں رئیس اعظم زمیندار تھانہ بھون ضلع مظفر نگر قاضی سعادت علی خاں کے مرنے پر ریاست کا کام سنبھال رکھا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خاں سہارنپور گئے۔ ایک بنئے نے نبکھی صاحب جو انتظام سہارنپور پر مامور تھے ان سے کہا عبدالرحیم بادشاہ دہلی کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہے۔ اس پر نبکھی صاحب نے ایک گارڈ بست سرائے روانہ کیا اور عبدالرحیم خاں معہ ہمراہیوں کے الزام بغاوت میں دھر لئے گئے' جیل بھیج دیا اور پھانسی پر چڑھا دیا۔ عنایت علی خاں کو یہ خبر لگی جوش حزن و ملال میں اتفاقاً" چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں لادے سہارنپور سے کرانہ

کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب بمع چند ساتھیوں کو لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور کارتوس لوٹ لئے۔ اس کے بعد تحصیل شاملی کو لوٹ لیا۔ چند ماہ بعد دہلی کے فتح ہو جانے کی خبر سے قاضی صاحب معہ ہمراہیوں کے تھانہ بھون آئے۔ پھر نجیب آباد چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ سرکاری فوج نے تھانہ بھون کی انیٹ سے اینٹ بجا دی(74)۔

مرزا عاشور بیگ :- مرزایان دہلی سے تھے۔ آپ کے والد کا نام مرزا اکبر بیگ تھا۔ عربی فارسی میں فرد فرید علوم ریاضیہ ہیئت و ہندسہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مرزا عاشور بیگ بہادر شخص تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں دستار کمر بستہ بادشاہ کے پاس گئے۔ ان سے فوج طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم کو شوق جنگ ہے تو اس فوج کے افسروں سے معاملہ کر لو۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ایک دو پلٹنیں لے کر وہ شہر کے باہر نکلے۔ بانک پت پر گوروں سے مقابلہ ہوا اور کئی چھکڑے غنیمت لوٹ کر گھر واپس آئے۔ مرزا کے سامنے نواب ضیاء الدولہ گھر واپس آئے مرزا کے سالے نواب ضیاء الدولہ شاہی طبیب تھے۔ جب تغلب و استیلا انگریزوں کا دلی پر ہوا' مرزا عاشور بیگ معہ اپنے فرزند اکبر مرزا احمد بیگ گوروں کی جمعیتہ سے مقابل ہوئے۔ سر تھافلس مٹکاف ساتھ تھا۔ مرزا احمد بیگ نے میان سے تلوار نکالی۔ عاشور بیگ نے ان کو روک دیا اور کہا بس اب شہادت کے لئے تیار ہو جاؤ اور کلمہء توحید ورد کرو۔ سر تھافلس نے عورتوں بچوں کو جو ان کے ساتھ تھے علیحدہ کھڑا کر دیا اور مردوں کی برہن بستہ قطار کھڑی کر دی اور حکم فائر کر دیا۔ برہن بستہ قطار مثل مرغان مذبوح لوٹنے لگے(75)۔

مرزا عاشور بیگ بہت حسین و جمیل آدمی تھے۔ نہایت گورے ببھوکا رنگ' آنکھیں سنہری مائل' کرنجی ریش و بروت و موے سر گہرے بھورے اور سنہرے تھے۔ قد نہایت بلند و بالا دوہرا جسم کسرتی سانچے میں ڈھلا ہوا۔ عربی فارسی ہیئت و نجوم و ہندسہ میں مثل اپنے والد کے مشہور آفاق تھے۔ غصہ ان کے مزاج میں کمال درجہ کا تھا۔ مرید حضرت شاہ رفیع الدین کے تھے۔ محلہ کش گنج میں دفن کئے گئے۔

نواب ضیاء الدولہ :- فرزند حکیم نواب رکن الدولہ وزیر بہادر شاہ لحیم و شحیم میانہ قد' گندمی رنگ' ریش و بروت و موے سر سیاہ و سفید خوش مزاج وسیع الاخلاق کثیر الاملاک مگر ہنگامہ میں تمام گھر لٹ گیا۔ تلنگوں اور گوروں نے تنکا تک نہ چھوڑا اور املاک و جائیداد بجرم بغاوت بحق سرکار ضبط ہوئی۔ جان بچ گئی۔ لکھنؤ مرزا عباس بیگ کے پاس چلے گئے۔

راجہ تجمل حسین خاں :- تعلقدار بھٹوامئو برجیس قدر کے ہمدردوں میں سے تھے۔ راجہ صاحب دبلے سوکھے سبزہ رنگ میانہ قد سادہ مزاج اس زمانہ کے مطابق تعلیم یافتہ' ایام غدر میں اکثر راجگان ہندو و مسلمان بادشاہ کی نمک خواری کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ راجہ صاحب معہ اپنے ملازمین اور اہل قرابت جنرل اوٹرم کو روکنے کے واسطے عیش باغ میں صف آراء ہوئے دھوم کی لڑائی ہوئی راجہ زخموں میں چور اور گرد کثیر التعداد کشتگان مردوں میں بے ہوش پڑے رہے جب ہوش آیا در ب باغ کے اندر پہنچے۔ کچھ دن بعد جنرل ہیرو نے ان کو گرفتار کیا۔ باہم جواب ترکی بہ ترکی ہوئے۔ راجہ نے بکمال جواں مردی کہا کہ ہم پر ادائے حقوق نمک خواری فرض تھا۔ رئیس اودھ کا نمک کھایا تھا لڑے' اگر تمہارا کھائیں گے تمہارا ساتھ دیں گے۔ جنرل ان کی جواں مردی پر فریفتہ ہو گیا اور ان کے لئے سفارش کی۔ آخر بری ہو گئے(76)۔

جنرل محمود خاں :- نجیب آبادی ابن نواب معین خاں ابن نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ بہادر امیرانہ طور طریق سے زندگی بسر کی۔ ۵ جون ۵۷ء کو نجیب آباد میں اپنی امارت کا اعلان کیا۔ احمد اللہ خاں نے محمدی جھنڈا لہرایا اور جلال آباد کے قریب حریت نوازوں کو ہمراہ لے کر مورچہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شفیع اللہ خاں نے چار ہزار سپاہ فراہم کی اور احمد اللہ خاں کے ہمنوا ہو گئے۔ جنرل صاحب کا تمام قرب و جوار میں اخلاقی اثر بہت زیادہ تھا۔ بہادر شاہ نے امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر

مظفر جنگ خطاب سے سرفراز کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد پر حملہ آور ہوئے۔ نجیب آباد سے فوج ان کے معاون ہو گئی۔ آخرش انگریز سے اور نواب سے مقابلہ ہوا۔ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حب الوطنی کے جرم میں پھانس لئے گئے۔ مقدمہ چلا' کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی مگر قید فرنگ میں سوتے کے سوتے رہ گئے۔ اس طرح زندگی کا خاتمہ ہوا۔(77)

محمد شفیع بریلوی :- آٹھویں سواروں کی رجمنٹ کے افسر تھے۔ مسٹر میکن زئی نے بہت چاہا محمد شفیع وطن پرستوں کی دستگیری نہ کریں مگر انہوں نے توپ خانہ بریلی پر قبضہ کیا اور علم سبز لہرا دیا اور نواب خان بہادر خاں کے ساتھیوں میں ہو کر انگریز سے لڑتے رہے(78)۔ آخری زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

نواب اصفریاب خان :- اور ان کے بھائی نواب صدر یار خاں خلف نواب طالع یار خاں شہزور اور سپاہیانہ روش کے تھے۔ ان کے والد نواب وزیر الدولہ کے اتالیق رہے۔ یہ ہر دو بھائی دلی آگئے اور بہادر شاہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ ۵۷ء میں اصفریاب خاں نے ریذیڈنیٹ کو سخت کلامی پر جو اس نے بادشاہ سے کی تھی ثمن برج پر چڑھتے ہوئے گولی سے ٹھنڈا کر دیا۔ جب بادشاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے یہ دونوں بھائی الور پہنچے۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ مرزا ذکریا بیگ نے انعام کے لالچ میں الور سے گرفتار کرا دیا۔ دلی لائے گئے مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے (مرزا حنفل بیگ صاحب نے یہ حالات سنائے)۔

نواب مرزا ماہ رخ بیگ خاں :- (داماد طالع یار خاں) ابن نواب مرزا بیگ خاں عماد جنگ مرزا مغل کے ساتھی تھے۔ یہ بھی الور سے گرفتار ہو کر آئے اور اپنے سالوں کے ساتھ پھانسی پائی۔ لال کنواں اور فراشخانہ کی جائیداد ضبط ہوئی۔

مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی

مولانا شاہ عبدالقادر ابن مولانا عبدالوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم

و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر ۱۷۹۶ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے اور دلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے ہیں۔ تکمیل کی اور تربیت روحانی پائی۔ ۱۸۲۵ء میں واپس وطن لوٹے اور رشد و ہدایت میں لگ گئے (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے مولوی عزیز الرحمٰن جامعی سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شاہ شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے۔ وہ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہء اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمٰن۔ مولانا محمد مولانا محمد عبداللہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز' نے سرکت حصہ لیا۔ مولانا معہ اہل و عیال اور اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لائے اور مسجد فتح پوری کے حجروں میں قیام کیا۔ یہیں ان کی زوجہ محترمہ کا وصال ہوا۔ جو صحن مسجد میں دفن ہوئیں۔ مگر پانسہ الٹ چکا تھا۔ مولانا پھر واپس وطن ہوئے۔ مگر خلوت نشین ایک عرصہ تک رہے۔ گورنمنٹ نے تلاش بہت کرائی مگر خدا نے بچائے رکھا۔ آپ نے نیشنل کانگریس کی شرکت کے لئے فتویٰ شائع فرمایا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبداللہ اور شیخ احمد جان تاجر دہلوی جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ حکومت نے افغانستان سے سازباز کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ شیخ صاحب جیل میں سدھارے۔ یہ لوگ مقدمہ سے بری ہو گئے۔ مولانا محمد کے صاحبزادے مولانا محمد زکریا تھے۔ جن کے خلف الرشید فخر احرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ہیں۔ جن کی سیاسی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد عبدالحفیظ صاحب' ابن مولانا عبداللہ' نواسہ مولانا عبدالعزیز جو ایک عرصہ تک

مجلس احرار دہلی کے صدر رہے، مولانا شاہ عبدالقادر نے ۱۲۷۸ھ میں انتقال کیا زنانہ (پٹیالہ) میں دفن ہوئے۔

مولوی شاہ محمد حسن :- پٹنہ کے صاحب اثر حضرات میں سے تھے۔ ان کے ہمنوا مولوی احمد اللہ اور مولوی واعظ الحق جانباز لوگوں میں سے تھے۔ بہار کے راجہ کنور سنگھ صاحب نے بہار میں سیاسی سرگرمی عمل دکھائی۔ ان بزرگوں نے بھی اس کا اثر لیا۔

راجہ کنور سنگھ جگدیش :- پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار رئیس تھے(79)۔ پہلی جنگ آزادی میں ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ سر بکف میدان میں اتر آئے۔ انقلابی فوج کے سردار بن گئے۔ آرہ کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ لارڈ کنگ گھبرا گئے۔ بنارس آکر لارڈ مارک کی فوج سے بھڑے۔ راجہ مثل بجلی کے ادھر سے ادھر کوندتے پھرتے تھے۔ بلیا کے قریب ایک ہاتھ میں گولی لگی۔ اس کو اپنی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیا۔ آٹھ ماہ جنگ کرنے کے بعد اپنی راجدھانی پر قبضہ کیا۔ مگر قسمت سے پانسہ الٹ گیا۔ ان کو بھی نیپال کی ترائی میں جانا پڑا۔ وہیں عالم غربت میں انتقال کر گئے۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۹۳)
ہنگامہ کے دوران میں مسٹر ٹیلر نے ان تینوں شاہ محمد حسن وغیرہ کو بلا کر دھوکے سے جیل خانہ بھیج دیا۔ مجسٹریٹ مولوی محمد مہدی تھے۔ ان کو یہ واقعہ ناگوار گزرا اور مسٹر ٹیلر کے خلاف ہو گئے۔ جس کی بناء پر ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس افسر وارث علی کو یہ حرکت بار خاطر ہوئی اور انہوں نے خفیہ وطن پرستوں کی امداد کی۔ مسٹر ٹیلر سے غداروں نے جا لگائی۔ ۲۳ جون کو یہ بھی پکڑے گئے۔ علی کریم رئیس پٹنہ ان صاحبوں کے ہمنوا تھے۔ پکڑا دھکڑی دیکھ کر ٹیلر کے روبرو ہاتھی پر سوار ہو چلتے ہوئے۔ ہنگامہ ختم ہوا۔ سب کو بڑی بڑی سزائیں ہوئیں۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

راجہ بنی مادھو بخش :- تعلقدار نظامت بیواڑہ حضرت محل کی رفاقت میں رہے۔ میدان جنگ میں کام آئے(80)۔

راجہ ناہر :- بلبگڈھ کے رئیس تھے۔ بہادر شاہ کے دربار کے رکن تھے پھانسی پائی۔ بیس لاکھ روپیہ ضبطی میں آیا(81)۔

کمانڈر ہیرا سنگھ :- دلی، الور سے فوج لے کر آئے تھے۔ ان کو پھانسی ہوئی(82)۔ ان کے ساتھی سردار غوث محمد خاں صوبہ دار اور گردھاری لال تھے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی ناناراؤ پیشوا کے رفیق کار تھے۔

قادر بخش صوبہ دار :- سفرمینا فوج دہلی کو انڈمان کی سزا ملی۔ راجہ مادھو سنگھ رئیس گڈھ امیٹھی نے دو ہزار سپاہی سے مقابلہ کیا۔ آخر میں روپوش ہو گئے۔

راجہ دیبی سنگھ :- بہادر شاہ کے درباری تھے۔ سالگ رام۔ نواب موسیٰ خاں۔ نواب احمد مرزا۔ حکیم عبدالحق یہ لوگ مل کر فوج کے لئے غلہ اور روپیہ کا انتظام کرتے تھے۔ کوئی پھانسی چڑھا کوئی انڈمان گیا۔(83)

نواب علی :- رئیس گجرات، تلارام رئیس ریواڑی۔ مکند لال۔ میر منشی بہادر شاہ مہاراجہ بال کرشن۔ رفیق برجیس قدر۔ نرت سنگھ رئیس، ان کو سزائیں ہوئیں۔

مرزا بیدار بخت :- بہادر شاہ کے پوتے تھے۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ خاں کے مشورہ سے ایک اخبار دلی سے نکالا "پیام آزادی" نام تھا۔ اس اخبار نے ۵۷ء میں بڑی خدمت انجام دی۔ انگریزی تسلط پر ان کو پکڑ لیا گیا اور جسم پر سور کی چربی مل کر پھانسی دے دی گئی۔

مولوی جلال الدین

مولوی جلال الدین احمد بن مولوی عبدالاعلیٰ بنارسی اپنے والد مولوی احمد اللہ

بنارسی کے شاگرد تھے۔ سند حدیث مولوی عبدالحق بنارسی سے لی۔ عامل بالحدیث و متبع سنت نبوی و قانع و متقی تھے۔

"جید الحافظ آنچنان بود کہ دریک روز یک پارہ کلام مجید حفظ نمود وقت شب بارمضان تراویح می خواند(84)۔

آپ نے بھی ہنگامہ ۵۷ء میں حصہ لیا، مگر حکومت کے شکنجہ سے بچ گئے۔ زبدۃ القوانین (صرف و نحو) و شرح کافیہ یادگار سے ہے۔ بنارس کالج میں پہلے مدرس تھے۔ ۱۲۷۹ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی۔

سید حسین علی :- ابن سید مدد علی نبیرۂ حضرت بھلے شاہ سادات نو محلہ سے تھے۔ یہ میرٹھ میں سرکاری فوج میں رسالدار تھے۔ جو فوج حکومت سے منحرف ہوئی تھی۔ اس کے سرگروہ ہو کر دلی آئے۔ مرزا مغل کے ساتھ رہے۔ آخری مورچہ میں کام آئے۔ ان کے بھائی میر فیض علی نے معہ اپنے اہل خاندان کے نواب خان بہادر خاں کا ساتھ دیا۔ پانسہ الٹا پڑا۔ اپنی ماں بہنوں کو آمادہ کیا کہ وہ سادات کی لاج رکھتے ہوئے کنوئیں کی نذر ہوں۔ چنانچہ بخوش دلی ہر سیدانی نو محلہ کی مسجد کے کنوئیں میں کود پڑی۔ یہ آگرہ آئے۔ ان کی بیوی کے بھائی مولوی صفدر علی شکوہ آبادی کو ایک انگریز کے قتل پر امر سنگھ گیٹ پر پھانسی دی جا چکی تھی۔ بیوی، شکوہ آباد میکے مقیم تھیں۔ ان کو آگرہ بلالیا۔

ملک باقر علی :- بلہوری زمیندار بھی ہنگامہ سے ترک وطن کرکے آگئے تھے۔ ان کے ساتھ اپنی ایک دختر منسوب کی۔ دوسری دختر مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب تصویر الشعراء سے بیاہی گئیں۔ سید سبط حسن صاحبزادے تھے (ان کی صاحبزادی زندہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

امراؤ بہادر :- برادر دوندے خاں جاگیردار گڑھی علی گڈھ پچاس بہادر سپاہی لے کر دلی آگئے اور عمر شاب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان دونوں

سرداروں کے نام افسران کی حیثیت سے شاہی فہرست میں لکھ لئے گئے(85)۔ ہر دو نے بڑی بہادری دکھائی اور میدان مصاف میں کام آئے۔(86)۔

داروغہ شیخ محمد بخش :- ساکن بستی تحصیل دہلی ان کے صاحبزادہ شمس العلماء شیخ ضیاء الدین دہلوی تھے۔ بوقت تسلط انگریزی فوج کے سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوئے (87)۔

بہادر شاہ کا آخری فرمان

(تمام راجگان ہند کے نام جاری ہوا)

جمیع راجگان و رؤسائے ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم بہ وجوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر و العلوم ہو اور تمہاری حسن حمایت طرز اور فہم اور ہدایت سے مذہب ہندوستان کی اعانت ہے۔ لہٰذا از راہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور ان پر ثابت قدم رہو۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک اور دولت اور حکومت اسی واسطے بخشی ہے کہ تم ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب میں رخنہ اندازی کریں۔ غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے ان کے مذاہب کے دشمنوں پامالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب بدلنے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے، جو خاص و عام پر روشن ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستان کے تعلل مذاہب کے واسطے انہوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں

کے ہاتھ سے سب ملک میں تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔

اول یہ کہ جب ایک مرد مر جاوے تو اس کی بیوہ دوبارہ شادی کرے۔

دوسرے یہ کہ ستی ہونے کی ایک رسم مذہبی قدیم تھی، جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے عام خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ ان کا مذہب قبول کر لیں گے تو سرکار میں ان کی توقیر ہو گی اور یہ بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جا کر وعظ سنو۔ علاوہ اس کے انہوں نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشین ہو گی اور گود لی ہوئی اولاد کا کچھ حق نہ ہو گا۔ حالانکہ از روئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث سلطنت ہو سکتے ہیں۔ اس تدبیر سے ان کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ آخر تمہاری ریاستیں اور جاگیریں چھین لیں۔ جیسا کہ انہوں نے فی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا۔ ورائے ازیں ایک اور تدبیر انہوں نے یہ بھی کی قیدیان جیل خانہ کو جبراً" پکی ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا اور اکثر قیدیوں نے تو یہ امر قبول نہیں کیا، بھوکے مر گئے اور بہتوں نے ناچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا اور اپنا مذہب کھو دیا۔

جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو انہوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملائیں تاکہ لوگ اس کو بلا کسی ظن اور شبہ کے کھا کر اپنا ایمان کھو دیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے جانوروں کے ساتھ ملوا کر سر بازار بکوایا۔ علاوہ اس کے انہوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت ہوں۔ انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداء میں اہل، فوج اسی معاملہ مذہبی میں پیرو رائے انگریزان ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی انہیں کی رائے کے مطابق کاربند ہو گا۔ انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ

کہ چاہ کنندہ را چاہ در پیش۔ برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو ان کارتوس کے کاٹنے کا جن کے بنانے میں چربی لگی تھی، حکم دیا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے کاٹنے سے مذہب ہنود کا صرف جاتا رہے گا لیکن تاہم انہوں نے ان کے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب ان سپاہیوں کو جنہوں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا، انگریزوں نے توپ سے اڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھ کر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی و امداد سرمدی بالفعل ان تدابیر میں مشغول ہیں۔ جیسے کہ چند انگریز جو کہیں باقی رہ گئے ہیں، وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دیں گے۔ ہر چند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں۔ ان کے حال پر بخوبی غور کیا گیا تو بھی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ ان کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا۔ اس اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنا ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے؟۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ ہم سب کو ہندو اور مسلمانوں کو بہتری پیش نظر ہے اور انگریز، دونوں فرقوں کے دشمن ہیں۔ لہٰذا ہمارے مذہب کی حمایت کا پاس اور خیال کر کے اور بنظر اندفاع اعدائے دین بذریعہ اس فرمان مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن شریف کی قسم ہے کہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کو یہاں سے نکال دیں۔

حوالہ جات

1:- تاریخ وطنیت

2:- تاریخ وطنیت صفحہ ۴۴

3:- تاریخ وطنیت

4:- تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنوی

5:- ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد دو صفحہ ۶۰۴

6:- قیصر التواریخ و تاریخ شاہجہانپور

7:- تذکرہ علماء از مولوی اکرام اللہ گرپاموی (قلمی)

8:- سوانح احمدی از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

9:- تاریخ منتیاں گوپاموسو صفحہ ۳۰

10:- آثار الصنادید

11:- مہتاب اجمیرو اولیائے ہند مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ

12:- داستان تاریخ اردو از پروفیسر حامد حسن قادری

13:- انشائے بیخبر صفحہ ۲۱

14:- انشائے بیخبر مطبوعہ مرتضائی پریس آگرہ

15:- مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۸۰ بار چہارم

16:- اسعد الاخبار نمبر ۲۸ جلد اول ۱۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ مولوی قمرالدین خاں ایڈیٹر ۱۸۰۵ء

17:- مولانا غلام امام شہید کا ۱۲۹۴ھ میں انتقال ہوا (حیات شہید مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ)

18:- گارسان و تاسی صفحہ ۳۴

19:- گارسان و تاسی صفحہ ۳۶

20:- غدر کی صبح و شام

21:- روزنامچہ مسٹر مارٹن سن سپل (مصنف مارچ ۱۳ ۱۸۴۳ء) سرگذشت محمد علی خاں بریلوی صفحہ ۱۳۶

22:- گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۴۰

23:- ہسٹری دی انڈین منیوٹنی جی ڈبلو فارسٹر

24:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۴۳

25:- مولانا محمد حسین مرحوم۔

26:- قیصر التواریخ سید کمال الدین حیدر حسنی الحسینی جلد دوم صفحہ ۲۶۷

27:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹

28:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹

29:- صحیفہ زرین مطبوعہ نو لکشور پریس لکھنؤ۔

30:- تاریخ شاہجہانپور۔

31:- تواریخ احمدی منظوم از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

32:- پنج آہنگ از مرزا غالب۔

33:- مولانا فضل حق و عبدالحق از انتظام اللہ مطبوعہ ذوالقرنین پریس بدایوں۔

34:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۱۷

35:- تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔

36:- کلیات شیفتہ و حسرتی صفحہ ۱۰ از مولانا نظامی بدایونی اور مفصل تذکرہ "غدر کے چند علماء" میں ہے۔

37:- غدر کا آخر نتیجہ۔

38:- داستان تاریخ اردو صفحہ ۷۳ و نقش سلیمانی

39:- حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ نظامی پریس

بدایوں۔

40:- غدر کی صبح و شام

41:- داستان غدر صفحہ ۹۷

42:- دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صفحہ ۲۳۶۔

43:- تراجم علمائے حدیث صفحہ ۲۲۳۔

44:- سرگذشت ایام غدر از خان بہادر عنایت حسین خان الہ آبادی (الناظر ۳۵ء)

45:- فرخ آباد اردن صفحہ ۲۰۰ تاریخ فرخ آباد ولی اللہ فرخ آبادی قلمی ملک مولوی سید الطاف علی بریلوی۔

46:- گزٹیر فرخ آباد صفحہ ۱۵۰۔

47:- سرگذشت ایام غدر (الناظر ۱۹۳۶ء) و "غدر کے چند علماء"۔

48:- رسالہ مصنف (مولانا امام بخش صہبائی) صفحہ ۵۵ تا ۶۹ از انتظام اللہ شہابی۔

49:- حکایت العلماء صفحہ ۵۲۔ ۵۳

50:- روشن مستقبل صفحہ ۱۳۲۔ از مولانا سید طفیل احمد منگلوری۔

51:- استاذ العلماء از نواب صدر یار جنگ بہادر صفحہ ۹۷ روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹۔

52:- روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹۔ کیفیت بلند شہر صفحہ ۲۴۱۔

53:- دہلی کی سزا صفحہ ۲۷

54:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۳۴۳۔

55:- تاریخ اودھ صفحہ ۴۶۷۔

56:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۹۹۔

57:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔

58:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۵۷۔

59:- شیخ بہادر علی شجاع لکھنؤی قیصر التواریخ صفحہ ۴۵۔

60:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۳۲۔

61:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۰۷

62:- دلی کی سزا صفحہ ۵۱

63:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵۸۔

64:- مکاتیب غالب صفحہ ۶۶۔

65:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۶۸ جلد دوم۔

66:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۰۷

67:- مرقع اکبر آباد صفحہ ۳۱۔ ۳۲۔

68:- اردوئے معلیٰ۔

69:- تواریخ اودھ صفحہ ۴۵۴۔

70:- تواریخ اودھ صفحہ ۴۵۴ جلد ۲۔

71:- اردو معلیٰ۔

72:- اردوئے معلیٰ و غالب ۱۹۷۔

73:- غالب صفحہ ۲۲۰۔

74:- تذکرہ شہید صفحہ ۴۷۔

75:- کارنامہ ء سروری صفحہ ۱۷۔ ۳۲۔

76:- کارنامہ سروری صفحہ ۵۹۔

77:- ضیاء الملک جنرل محمود خاں از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (مصنف اکتوبر ۴۶ء)

78:- بغاوت ہند صفحہ ۱۸۲۲۔

79:- تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۷۶۸۔

80:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۳۷۳۔

81:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۶۵۶۔

82:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۳۔

83:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰۔

ہماری مطبوعات
غازی علم الدین شہیدؒ
باتصویر / اضافہ شدہ
سازشوں کا دیباچہ (قادیانیت)
مقرر بنیئے (چھٹا ایڈیشن)
گلاب ہونٹوں کے دائرے (محبت و وفا)
شعور
زیر طبع
(بڑے لوگوں کے افکار و نظریات سے متعلق انسائیکلوپیڈیا)
ناقابلِ تردید
(زیر طبع)
تاریخی حقائق پر مشتمل بے رحم انکشافات
قادیانیت کا فکری پس منظر
طلباء کی تقریریں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے۔

لال قلعہ سے
لال مسجد تک

مؤلف

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

ویب سائٹ: imamahmadraza.net

عنوان	....	لال قلعہ سے لال مسجد تک
مؤلف	....	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
سنِ اشاعت	....	۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء
تعداد	....	ایک ہزار
صفحات	....	۶۴
قیمت	....	ہدیہ درود وسلام بر نبی الخیر الانام ﷺ

☆☆☆ .... ☆☆☆

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

۲۵۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی ۷۴۴۰۰،

اسلامی جمہوریہ پاکستان فون: 0092-21-2725150 فیکس: 0092-21-2732369

ای۔میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: imamahmadraza.net

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

نگران، مرکزی مجلس رضا، لاہور

محترم سید وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدہٗ کی نوکِ قلم سے ''لال قلعہ سے لال مسجد تک'' کی تاریخ جس انداز سے سامنے آئی ہے وہ حقائق کا ایک شاندار مرقع ہے۔ ملکِ عزیز کی اندرونی سازشوں کو انہوں نے بڑی خوبی سے بے نقاب کیا ہے اور ان بدعقیدہ ٹولوں کے عزائم کو طشت از بام کر کے اپنے قارئین کی راہنمائی فرمائی ہے اور مستقبل میں ہونے والے دینی فتنوں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ میرا خیال ہے، معارفِ رضا کے قارئین سید صاحب کے اس انداز کو پسند کریں گے۔

بایں احساس انہوں نے نہایت اہم مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے لال قلعہ کی سازش اور اسلام آباد کی لال مسجد کے ''برقعہ پوشوں'' کا تجزیہ کیا ہے اور پھر بڑی تفصیل سے پاکستان کے خونخوار طبقات کی نشاندہی کی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ مضمون ''جہانِ رضا'' کے علاوہ تمام سُنّی رسالوں میں چھپے تاکہ ہم خوابیدہ سنیوں کے معلوم ہو کہ ہمارے ملک عزیز کو کن لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ کیا ہم سُنّی خود ان خونخواروں کا مقابلہ کریں گے یا ملٹری کے سپاہیوں کی پناہ میں بیٹھے رہیں گے؟ جرائدِ اہلسنّت اگر اس مضمون کو اپنے اپنے رسائل میں شائع کر دیں تو اس کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے۔

مولانا حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی

قابلِ صد احترام حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری صاحب مدظلہ العالی کا تحریر کردہ مضمون بعنوان ''لال قلعہ سے لال مسجد تک'' پڑھا۔ ماشاء اللہ انہوں نے برصغیر میں

وہابیت کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا بڑے احسن انداز میں تجزیہ فرمایا۔ لال مسجد کے قضیہ سے حکومت جیسے نپٹی، اس نے عوام میں ان کے لیے ہمدردانہ جذبات پیدا کر دیے اور غازی برادران کے مذموم مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

صاحبزادہ صاحب نے بڑے تحقیقی اور علمی طریقے سے ان مذموم مقاصد کی جھلک دکھائی ہے اور ساتھ ہی یہ واضح کیا کہ وہابیت کی تاریخ ایسے مسلم دشمن اور وطن دشمن واقعات سے بھری پڑی ہے۔

مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی

مدیر اعلیٰ، ماہنامہ ''کاروانِ قمر'' کراچی

واجب الاکرام جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب کا مضمون ''لال قلعہ سے لال مسجد تک''، مفصل اور مدلل تو ہے ہی، جاندار اور شاندار مقالہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے جس جرات، جس محنت، جس ہمت سے اسے تحریر کیا ہے لگتا ہے ''قلعہ'' فتح کر لیا ہے۔ مجلسِ ادارت ماہنامہ ''کاروانِ قمر'' آپ کو ہدیۂ سپاس پیش کرتی ہے۔

مولانا محمد سہیل احمد سیالوی

استاذ فقہ و عربی ادب، جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ

حضرت قبلہ مولانا سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی نے جس جرأت اور حکمت سے حقائق کے رُخ سے پردہ اٹھایا ہے وہ یقیناً نوجوان نسل پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان معلومات میں سے بہت سی باتیں ایسی تھیں جو پہلی دفعہ پڑھنے میں آئیں۔

ماہِ جولائی میں لال مسجد کا سانحہ پاکستان کی تاریخ کی ایک ایسی ٹریجڈی ہے جس کے دُوررس اثرات بے حد و بے حساب ہیں۔ مسلمانانِ پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لیے بھی یہ بات نہایت ہی قابلِ افسوس اور سخت صدمے کا باعث ہے کہ ایک عبادت گاہ (مسجد) کو گولہ بارود کے ذخیرہ خانہ یا جنگی قلعے میں تبدیل کیا گیا، لال مسجد اور ملحقہ مدرسہ حفصہ سے جدید اسلحہ کی نہ صرف نمائش کی گئی بلکہ معصوم طالب عالم بچوں، بچیوں، مرد اور عورتوں کو یرغمال بنا کر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کا بدترین مظاہرہ کیا گیا۔ مملکت کے اندر ایک مملکت بنائی گئی، حکومتِ وقت کی رٹ کو چیلنج کیا گیا۔ اپنی من پسند کی شریعت نافذ کرنے کے لیے خواتین اور مرد طلباء کی ڈنڈا بردار اور پستول بردار ''پولیس'' ٹولیاں بنائی گئیں، جو لال مسجد کے اردگرد کے علاقوں اور بازاروں میں گشت کرتی تھیں، ملکی اور غیر ملکی خواتین، مردوں اور پولیس کو بازاروں، شاہراہوں، دکانوں اور حتیٰ کہ گھروں کے اندر گھس گھس کر اغوا کیا گیا اور انہیں لال مسجد میں حبسِ بے جا میں رکھا گیا۔ لال مسجد میں قائم عدالت سے سزائیں سنائی گئیں، سکیورٹی فورسز پر فائرنگ کی گئی، پبلک عمارات کو آگ لگائی گئی، جس پر مجبوراً سکیورٹی فورسز نے گھیراؤ کر کے ایک ہفتہ تک

انہیں وارننگ دی۔ پھر مذاکرات کی ناکامی پر وہ کچھ ہوا جو پاکستان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا جس کی تمام تر ذمہ داری لال مسجد کی انتظامیہ اور وفاق المدارس کے کرتا دھرتا اور پسِ پردہ حکومتی اداروں میں ان کے ہمدردوں پر عائد ہوتی ہے۔ نتیجتاً سیکڑوں بے گناہ معصوم جانوں کو آگ اور خون کے دریا کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے مقدس نام پر کیا گیا۔ نام نہاد ''جہاد'' میں فتح سے قبل ہی دہشت پسندوں کے دونوں سرداروں عبد العزیز اور عبد الرشید نے ''غازی'' کے لفظ کا لاحقہ اپنے نام کے آگے لگا لیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

دونوں ہی ننگِ ملت، دونوں وطن کے باغی

عبدالعزیز ''برقع''، عبدالرشید ''غازی''

پھر دنیا نے براہِ راست ٹیلی ویژن (Live Media) اسکرین پر دیکھا کہ لال مسجد کے ''مجاہدین'' کا کمانڈر انچیف، ''خیالی اسلامی حکومت'' کا ''امیر المؤمنین''، ''خود ساختہ اسلامی عدالت'' کا ''قاضی القضات''، جس نے ''شہادت'' کا جامِ شیریں پینے اور جنت کی حوروں کے استقبال کے تین سو سے زیادہ مبشرات بیان کئے تھے، جامعہ حفصہ سے نکلنے والی نوجوان طالبات کے جھرمٹ میں بزدلوں کی طرح برقع پہن کر فرار ہوتے ہوئے پکڑا گیا۔ بھلا گستاخانِ رسول ﷺ کو کبھی مبشرات ہو سکتے ہیں؟ ہاں شیطانی الہامات ہوں تو تعجب نہیں!

جب ہی اللہ تعالیٰ نے خود اس کو اپنے مبشرات کے جھوٹے ہونے کی دلیل بنا دیا

اوراس نے خودبھی پوری دنیا کے لیے میڈیا اسکرین پر ''نقابِ رُخ'' الٹ کرقرآن مجیدفرقان حمید کی آیاتِ کریمہ:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ O تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ O

(ترجمہ: اور کتنے مونہوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔[عبس: ۸۰/ ۴۰، ۴۱]) کی عملی تفسیر اپنا اصل چہرہ دکھا کر پیش کی، وہ چہرہ جس کی تصویر آج سے قبل دنیا کی کسی بھی الیکٹرونک میڈیا کا کیمرہ نہ اتار سکا، آج اس نے خود اپنے اترے ہوئے چہرے کی اصل تصویر دکھا کر ملت اسلامیہ کو افسردہ وشرمندہ اور ملت کفر کو فرخندہ'' بآں میوۂ رسیدہ'' بنادیا۔ پھر کیا تھا، ملتِ کفر نے جسے عصرِ حاضر کی زبان میں ''صیہونی لابی'' کہتے ہیں، اپنے ہر چینل پر اس ننگِ دین، ننگِ وطن، ننگِ ملت کے چہرۂ غَبَرَة قَتَرَة کی ہر ہر زاویئے سے خوب خوب تصویر کشی کی اور ہر تجزیہ نگار حافظ علیہ الرحمۃ کے اس شعر کے بموجب:

بس شُکر باز گویم در بندگیِ خواجہ
گراوفتد بدستم آں میوۂ رسیدہ

اس ''میوۂ رسیدہ'' کے حصول پر خوب خوب بغلیں بجاتا اور منحوس چہرہ کو ملتِ اسلامیہ اور علماءِ ملت اسلامیہ کا اصلی چہرہ قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا اور اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کے لیے دور دور کی کوڑی لاتا اور ان تبصروں کو بار بار نشر کر کے مسلمانوں کا خون کھولاتا۔ لال مسجد اور اس کے ملحقہ مدرسہ حفصہ سے گولہ

بارود کا جو ذخیرہ نکلا، کلاشنکوف، مشین گن، ہینڈ گرینیڈ، راکٹ اور راکٹ لانچر پیڈ، مائینز، دیسی بم بنانے کے سامان، مدرسہ حفصہ کی وسیع وعریض عظیم چھ منزلہ عمارت میں تہہ خانہ در تہہ خانہ، اس کی قلعہ نما دیواریں کہ ڈائنامائٹ لگانے سے بھی نہ گر پائیں، ان سب نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ لال مسجد اور غصب شدہ زمین پر اس کی اسلحہ کے زور پر توسیع اور مدرسہ حفصہ کی سی۔ڈی۔اے سے بلا اجازت منظوری تعمیر، ایک سوچے سمجھے طویل المدت منصوبہ کا حصہ تھی جس کا مقصد کسی بھی سازگار وقت میں اسلام آباد پر قبضہ کر کے ''امیر المؤمنین عبدالعزیز برقع'' کی امارت اور ایک دیوبندی وہابی اسٹیٹ کے قیام کا اعلان تھا۔ لال مسجد کے سانحہ اور اس کے بعد کے حالات و واقعات سے اب یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی اور ملکی غیر ملکی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں بار بار دہرائی گئی اور اب بھی کہی جا رہی ہے کہ نہ صرف لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کی انتظامیہ اور اس میں تعَیُّنات مسلح دہشت گرد طالبان کا تعلق پاکستان میں نجدی عقائد کے ناشر فرقہ دیوبندیہ سے ہے کیونکہ لال مسجد، مدرسہ حفصہ، مدرسۂ فریدیہ اور لال مسجد کی انتظامیہ سے ملحقہ دیگر ۲۸ مدارس جن کے متعلق حکومت جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کی سیکرٹ ایجنسیوں کی خفیہ رپورٹ اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ان سب کا الحاق دیوبندی مدارس کی تنظیم وفاق المدارس سے ہے۔ خود وفاق المدارس کی مجلس عاملہ نے نہ صرف اسے تسلیم کیا بلکہ لال مسجد پر سیکیورٹی فورسز کے پولیس ایکشن سے قبل اور بعد انہوں نے لال مسجد انتظامیہ کی حمایت میں زوردار بیانات جاری کئے اور

"برقع برادران" اور دیگر دہشت گردوں کو "محفوظ راستہ" فراہم کرنے کے لیے وزیرِ اعظم، صدرِ مملکت اور حکومتی نمائندوں پر اثر انداز ہونے کی بھرپور کوشش بھی کرتے رہے۔ یہ بات اخبارات کی فائلوں اور الیکٹرونک میڈیا کی سی۔ڈی میں ریکارڈ ہے۔ اس سے وہی انکار کرسکتا ہے جو دن کو نصف النہار کے وقت آسمان پر سورج کے چمکنے کا انکار کرے۔ لہٰذا جتنے بھی کلاشنکوف بردار طالبان نظر آتے ہیں ان سب کا تعلق دیوبندی فرقہ سے ہے اور وہ انہی کہ مدرسہ سے پڑھے ہوئے ہیں، وہیں کے پروردہ ہیں یا اب بھی وہاں بطور طالبعلم پرورش وتربیت پا رہے ہیں جبکہ الحمدللہ اہلِ سنت و جماعت کی تنظیم، تنظیم المدارس سے ملحقہ کسی بھی دارالعلوم کا کوئی طالبعلم چھری بردار بھی نظر نہیں آئے گا۔

یہاں ہم یہ بھی وضاحت کردیں کہ "ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں"۔ ہم نہ حکومت وقت کے حریف ہیں نہ حلیف اور نہ ہمارے کوئی اور سیاسی عزائم ہیں۔ ہم دین حقہ کے خدمت گذار ہیں۔ ہم نے ہر غلط کام پر حکومت کی تنقید کی ہے۔ خواہ وہ کشمیر کی آزادی کا معاملہ ہو، آزادیٔ خواتین بل کا یا ملک میں نفاذِ شریعت کا یا نام نہاد "روشن خیالی" کے فروغ کا یا پاکستان کے استحکام کا، معارفِ رضا کے اداریئے اور مضامین اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور بے مثال قربانیاں دیں جو تاریخ میں مرقوم ہے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے آزاد مسلم مملکت کی تحریک شروع کی گئی تو پاکستان کی

تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرتے وقت اس کا ہراول دستہ ہم ہی تھے۔ اس لیے جس تحریک یا اقدام سے استحکامِ پاکستان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا مملکتِ خداداد کے حصول کے مقاصد میں رخنہ آئے، یا قرآن و سنّہ کے خلاف آئین سازی کی کوشش کی جائے، ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ لہٰذا لال مسجد کے واقعات کے پسِ پردہ جو عوامل سامنے آئے ہیں ہم اس پر بھی اسی نکتۂ نظر سے روشنی ڈالیں گے تاکہ قارئین کرام اس کے پسِ منظر اور پیشِ منظر کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہوسکیں اور انہیں اپنی رائے قائم کرنے میں آسانی ہوجائے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حادثۂ لال مسجد (Lal Masjid Episode) کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟

۱۔ زعمائے فرقۂ وہابیہ نجدیہ

۲۔ حکمران

۳۔ حکومتی ایجنسیاں

۴۔ بیرونی حکومتیں اور ایجنسیاں

جب ہم تاریخ کے تناظر میں وہابیہ نجدیہ کا تحقیقی اور معروضی جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کی بنیاد ہی شدت پسندی، فتنہ وفساد، دہشت گردی اور قتل وغارت گری پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک وہند کی ایک نہایت معتبر ومستند اور غیر جانبدار شخصیت جن کا سُنّی، دیوبندی، وہابی سب ہی احترام کرتے ہیں، یعنی

حضرت علامہ مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی مجددی نقشبندی علیہ الرحمۃ (پ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (پ ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء یا ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء۔ ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء) جو وہابیہ فرقہ کے بانی ہیں، پر سب سے زیادہ نکیر (مخالفت) دو باتوں کی وجہ سے کی گئی ہے:

ایک: صرف تلفیقاتِ بلا دلیل کے (جھوٹی باتوں کو بنا کر بیان کر کے) اہلِ جہاں کو کافر قرار دینا اور اس سلسلے میں علامہ سید داؤد بن سلیمان نے انصاف کے ساتھ ان کا رد لکھا ہے۔

دوم: بغیر کسی حجت اور دلیل کے معصوم خون کا بہانہ اور اس کام میں ان کا توَغُّل۔ [۱]

حضرت زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مذہب کی تحقیق اس وقت کے دو اماموں علامہ بدر الملۃ سید محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی اور شیخ مربد التمیمی نے کی۔ ان کا بیان ہے کہ ''ہمارے پاس محمد عبدالوہاب کے بعض رسالے بھی پہنچے ان رسالوں میں اہلِ ایمان کو کافر قرار دینے اور ان کو قتل کرنے اور ان کے مال لوٹنے کا بیان ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کے رسالوں کو پڑھ کر اور ان کے احوال سن کر ہم کو یقین ہو گیا اس شخص کو شریعت کے صرف ایک حصہ کا علم ہے اور وہ بھی (اس نے) دقیق نظر سے نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی با کمال سے پڑھا ہے کہ وہ اس کو صحیح راستہ پر لگاتا اور مفید علوم سے آگاہ کرتا اور تفقہ اور دقیق سنجی کی راہ پر لگاتا۔'' [۲]

اور سید محمد امین بن عمر معروف بہ ابنِ عابدین نے ''درمختار'' کی شرح ''ردالمحتار'' مطبوعہ ۱۲۴۹ھ کی تیسری جلد ''باب البغات'' ص ۳۰۹ میں لکھا ہے:

''جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پیش آیا ہے کہ نجد سے عبدالوہاب کے پیروان نکلے اور انہوں نے حرمین پر قبضہ کیا۔ وہ اپنے کو اگرچہ حنبلی کہتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں، جو بھی ان کے عقائد کے خلاف ہو وہ مشرک ہے بنا بریں انہوں نے اہلِ سنت اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح قرار دیا ہے۔ تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت اور طاقت توڑی، ۱۲۳۳ھ میں مسلمان افواج کو ان پر فتح دی اور ان کا وطن برباد کیا۔'' [۳]

امام عبداللہ بن عیسیٰ بن محمد صنعانی نے ۱۲۱۸ھ میں کتاب ''السيف الهندی فی أبانة طريقة الشيخ النجدی'' لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب، عبدالعزیز نجدی کے محلّہ میں فروکش ہوئے، عبدالعزیز نے بیعت کی اور وہاں کے لوگ ان کے مددگار رہوئے۔ ان لوگوں نے درعیہ کے قرب و جوار کے بستیوں میں اپنا مسلک پھیلایا۔ جب محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ ایک قوی جماعت ہو گئی: قَرَّرَ لَهُمْ أَنَّ مَنْ دَعَا غَيْرَ اللّٰهِ أَوْ تَوَسَّلَ بِنَبِيٍّ أَوْ مَلَكٍ أَوْ عَالِمٍ فَإِنَّهُ مُشْرِكٌ شَاءَ أَوْ أَبٰى یہ قانون نافذ کر دیا کہ جو شخص غیر اللہ کو آواز دے یا کسی نبی، یا فرشتے یا عالم کا وسیلہ لے، وہ مشرک ہے، اس کا ارادہ شرک کا ہو یا نہ ہو۔

محمد بن عبدالوہاب کے اس قول کی وجہ سے عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آتی ہے

اوراسی پر وہ مسلمانوں سے لڑے ہیں۔'' [۴]

نواب صدیق حسن خاں نے ''ابجد العلوم'' میں کچھ تفصیل سے محمد بن عبد الوہاب نجدی کا حال لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ولادت عینیہ میں ہوئی، قرآن مجید پڑھا اور حدیث کی سماع کی اور اپنے والد سے جو کہ حنبلی فقیہ گھرانے میں سے تھے، پڑھا، پھر حج کیا اور مدینہ منورہ گئے۔ وہاں شیخ عبداللہ بن ابراہیم نجدی تلمیذ ابوالمواہب بعلی دمشقی سے پڑھا، پھر اپنے والد کے ساتھ نجد آئے اور جریمل میں قیام کیا، والد کی وفات کے بعد عینیہ آ گئے۔ وہاں اپنی دعوت پھیلائی، پھر کسی وجہ سے درعیہ آ گئے۔ وہاں امیر محمد بن سعود آل مقرن از اولاد بنی حنیفہ (از ربیعہ) نے ان کی اطاعت کی۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۱۵۹ھ کا ہے، اس کے بعد محمد بن عبدالوہاب کی دعوت نجد میں اور جزیرہ عرب کے مشرقی حصوں میں عمان تک پھیلی۔'' [۵]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ محمد ابن عبدالوہاب نے اپنے مذہب کی بنیاد جمہور ائمہ اربعہ کے مذہب کے خلاف پر رکھی اور اول روز سے جبر، ظلم اور دہشت گردی کا سہارا لے کر عامۃ المسلمین کو بالجبر اپنا ہمنوا بنانے اور اربعہ امام کے مذہب کو ترک کر کے نجدی عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا کیونکہ جو ان کا عقیدہ و مذہب اختیار نہیں کرتا تھا، وہ اسے کافر و مشرک قرار دے کر قتل کر دیتے تھے اور دنیا کی سب سے بڑی مسلم سنی اسٹیٹ سلطنتِ ترکیہ کو جو اس زمانے میں دنیا کی سپر پاور تھی، انگریزوں

کی ملی بھگت سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی اور آخر کار تقریباً سو سال کے بعد ۱۹۲۴ء میں حکومت برطانیہ کی مدد سے وہ اس عظیم الشان مسلم قوت کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو گئے تو عبدالعزیز آل سعود نے ۱۹۲۴ء میں انگریزوں کی فوجی اور سیاسی مدد و حمایت سے مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ کو تاراج کیا، مثلاً اسلامی آثار، مسجدوں، مدرسوں، صحابہ کرام اور اہلِ بیت کے مزارات اور ان سے منسوب مکانات اور مساجد اور دیگر تبرکات کی بے حرمتی کی گئی، ان کو ڈھا کر ان پر گدھوں کے ہل چلائے گئے۔ طائف، مکۃ المکرّمہ اور پھر مدینۃ المنورہ میں سیکڑوں کی تعداد میں علمائے کرام اور ہزاروں کی تعداد میں اہلِ سنت کو تہہ تیغ کیا گیا۔ حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کی تصنیف تاریخِ نجد و حجاز میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ برطانیہ اور یورپ کی دیگر عیسائی حکومتوں کی سلطنتِ ترکیہ اور مسلمانوں کے خلاف اقدامات اور خفیہ سازشوں کی مزید تفصیل اس دور کے ایک برطانوی جاسوس ''ہمفرے کے انکشافات'' نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے جو اول جرمنی کے جریدے ''سی گل'' میں شائع ہوئی۔ پھر عربی میں ترجمہ ہو کر بیروت سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ ہوا۔

پہلی بار ۱۲۲۰ھ میں نجدیوں نے ترکی صوبہ حجاز کے شہر طائف پر اچانک حملہ کیا، خلقِ خدا کو قتل کیا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مسجد گرائی اور پھر وہاں سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ایک مختصر رسالہ ''ردّ الاشراک'' مکۃ المکرّمہ

ارسال کیا گیا کہ اہلِ مکہ اربعہ امام کا مذہب (جو بقول ان کے معاذ اللہ) مشرکوں کا
مذہب ہے، چھوڑ کر نجدیوں کا مذہب اختیار کرلیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔
اسی دوران (۱۲۲۱ھ میں) یہ مختصر رسالہ ''ردّ الاشراک'' تمام ممالکِ اسلامیہ میں پہنچایا
گیا، چنانچہ یہ ہندوستان بھی پہنچا اور حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی حیات میں دہلی
پہنچا اور مولوی اسماعیل نے جزوی ردّ وبدل کے ساتھ ''تقویت الایمان'' کے نام سے
شائع کیا۔ [۶]

یہ عجب اتفاق ہے کہ جس طرح نجدی کے رسالہ ''ردّ الاشراک'' کا سب سے
پہلا ردّ ان کے بھائی علامہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نجدی نے ''الصوائق الالھیۃ فی
ردّ علی الوہابیہ'' علمی انداز میں لکھ کر کیا بالکل اسی طرح اسماعیل دہلوی کے چچازاد بھائی
حضرت مولانا مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی نے ''معید الایمان''
اور ''حجۃ العمل'' کے نام سے تقویت الایمان کا ردّ لکھ کر کیا اور وہ تقویت الایمان کو ''تفویت
الایمان'' یعنی ایمان کو فوت کرنے والی کتاب کہتے تھے۔ [۷]

حضرت علامہ مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کے استفسار پر مولانا مخصوص
اللہ ابن مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی علیہما الرحمۃ نے ''تحقیق الحقیقہ'' کے نام سے ایک
رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کے مندرجات سے تقویت الایمان اور خود اس کے مصنف
آنجہانی اسمٰعیل دہلوی کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے ایک سوال کے
جواب میں لکھا ہے: ''میرے نزدیک اس کا رسالہ عمل نامہ برائی اور بگاڑ کا ہے اور

بنانے والا فتنہ گر اور مفسد اور غاوی اور مغوی ہے۔'' [۸] غالباً تقویت الاسلام کی اسی
فتنہ انگیزی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کی اشاعت اور مفت تقسیم میں حصہ لیا۔
(ملاحظہ ہو، مقالہ ڈاکٹریٹ عربی، ''العلامۃ فضل حق خیر آبادی، تحریر: ڈاکٹر قمر النساء،
ناشر: عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، دکن، ص: ۵۲) یہی نہیں بلکہ انگریزوں نے مسلمانانِ
ہند کے دلوں سے محبتِ رسول ﷺ کے چراغ کو گل کردینے اور سوادِ اعظم کے پختہ
دینی عقائد کو متزلزل اور اسلامی افکار کو تبدیل کرنے کے لیے ایک اسلام دشمن اسکیم
کے تحت اسمٰعیل دہلوی کی جماعت سے بعض کرائے کے مولویوں کو ۱۸۴۸ء میں
پچاس پچاس روپے یا اس سے بھی زائد رقم دے کر اس کام پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں
کے سوادِ اعظم میں انگریزی مشنری کی طرف سے تیار کردہ ایک ''اسلامی نصاب'' کے
مطابق قرآنی آیتوں اور احادیثِ مبارکہ کی من مانی تفسیر وتشریح سنا سنا کر سید
عالم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور ان کی سچی پیروی کا جذبہ مسلمانوں کے دل سے محو کروائیں۔
انگریزوں کی اس نہایت سنگین اور خطرناک سازش کا انکشاف اس دور کے (۱۸۴۸ء)
کے ایک سنّی عالم مولانا سید اشرف علی، گلشن آبادی (ناسک، مہاراشٹر، انڈیا) نے اپنی
ایک کتاب ''تحفۂ محمدیہ''، مطبوعہ لیتھو برقی پریس، نئی سڑک، کانپور، ص: ۳۲، ۳۱ پر کیا
ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: محمد نجم مصطفائی، منزل کی تلاش، ناشر: ادارۂ
تحقیقاتِ اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد، پنجاب، ای میل: najamustafai@yahoo.com،

ص:۱۸ تا ۲۰)۔انگریز اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔انگریزوں کے تنخواہ دار مولویوں اور سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی جیسے جعلی پیروں کے ماننے والے جھوٹے پیرؤوں کی تبلیغ سے بے شمار مسلمانوں کے صحیح عقائد خراب ہوئے، پھر نئے اور پرانے عقائد والوں میں آپس میں جھگڑا فساد شروع ہوگئے۔مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ کر تتر بتر ہوگئے اور آج آپس کے ان جھگڑوں نے اس قدر شدت اختیار کرلی کہ کھلے عام ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے، دلائل کی جگہ پستول اور بندوق نے لے لی۔انگریز اور صیہونی طاقتیں جو چاہتی تھیں، وہ ہی ہوا۔مسلمانوں کی اجتماعی قوت ختم ہوکر رہ گئی۔ یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے ہی تھا۔انھوں نے ان کے اندر اپنے ایجنٹوں سے خلفشار پیدا کرکے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔مسلمان ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف اپنوں کی غداری کے سبب ناکام رہے اور بعد میں حکومتِ برطانیہ کے خلاف جہاد کی جرأت نہ کرسکے۔

حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی صاحب، اسماعیل دہلوی کی شخصیت کا ایک تجزیاتی اور نفسیاتی پسِ منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند میں انتشار وافتراق، فتنہ پردازی، ضرب وفساد اور گردن کشی (دہشت گردی) کی روایت دلی کے لال قلعہ کے اردگرد جامعہ مسجد دہلی سے شروع ہوتی ہے۔

''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے یتیم پوتے شاہ اسمٰعیل دہلوی اس کام

کے لیے استعمال ہوئے جو اپنے اعمام (چچا حضرات، مثلاً حضرت شاہ عبد العزیز محدثِ دہلوی، حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ) سے کبیدہ خاطر تھے۔بعض خانگی اور شخصی معاملات پر ناراضگی کو دیرپا بنانے کے لیے محمد بن عبد الوہاب نجدی کی متابعت میں ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے ایک اختلافی رسالہ لکھ کر میدان میں لے آئے جس میں انہوں نے بعض معمولی ''افکار وافعال'' کو شرک اور حرام قرار دیا۔۔۔''

''اس طرح شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنے علمی و دینی خاندان سے شخصی اختلاف کا بدلہ لے کر مسلمانوں کو سو سالہ غلامی کے اندھیرے میں دھکیل دیا گویا شاہ اسماعیل دہلوی نے مسلمانوں میں مذہبی منافرت پیدا کی جس سے مسلمان حکومت کمزور ہوئی اور ایک مقامی طاقت اور حکومتِ پنجاب کو کمزور کرکے انگریز کی گود میں ڈال دیا۔بس ان کے دو ہی کارنامے ہیں۔'' [۹]

مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی تحریک وہابیت کے تاریخی پسِ منظر اور برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے عقائد ان کی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق پر اس کے مضمرات کے حوالے سے علامہ حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ معرکۃ الآراء تصنیف ''مولوی اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان'' پر ماہر رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی صاحب نے ایک بھرپور مقدمہ تحریر کیا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں اس تحریک کے اصل چہرہ اور ان کے کریہہ مقاصد پر بھرپور انداز

میں روشنی ڈالی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس بات کا احساس اجاگر ہوتا ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی اور کسمپرسی کے اصل ذمہ دار کون لوگ ہیں۔

غرض کہ تاریخی تواتر اور شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے جاہل پیر سید احمد بریلوی انگریزوں کے وفادار تھے۔ بقول سرسید احمد خاں علیگڑھی، ''سید احمد بریلوی اور شاہ صاحب (اسماعیل دہلوی) کی عملی زندگی سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے انگریزوں سے جیسے اچھے تعلقات تھے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔'' (ملاحظہ کیجئے: مقالاتِ سرسید، ص:۳۱۹، حصہ شانزدھم، اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منزل کی تلاش، مصنفہ: محمد نجم مصطفائی، مکتبۂ تحقیقاتِ اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد، پاکستان، ص:۶۵)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ وہ دور ہے جب مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا ہے، عملاً انگریز پورے ہندوستان پر مسلط ہے، مگر پنجاب اور صوبۂ سرحد پورے طور پر اس کے قابو میں نہیں ہے۔ پنجاب میں سکھ ایک طاقتور قوم اور انگریزی اقتدار کے حریف کے طور پر ابھر رہی ہے، اُدھر سرحد کے علاقہ میں غیور مسلمان پٹھان قبائل متحد ہو کر انگریزی اقتدارِ اعلیٰ کے لیے چیلنج بن رہے ہیں۔ فرنگی پریشان ہے کہ ان دونوں سے کیسے نمٹا جائے۔ اِدھر دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خانوادہ ایک ایسا علمی خانوادہ ہے جس کا اثر و رسوخ عوام، علماء اور لال قلعے کے اندر مغل بادشاہ اور اس کے درباریوں پر بھی ہے لہٰذا انہوں نے اسی خانوادہ کے ایک فرد

اسمٰعیل دہلوی کو مسلمانوں پر اثر و رسوخ ڈالنے کے لیے استعمال کیا کہ لوگ (مسلمان) ان کی بات سنیں گے اور اسے وہابیت کی تبلیغ کے لیے نہ صرف کھلی چھوٹ دی بلکہ وسائل بھی مہیا کیے۔ یہاں تک کہ ان کی کتاب ''تقویت الایمان'' فورٹ ولیم کالج پریس، کلکتہ سے شائع کر کے مفت پورے ہند میں تقسیم کی گئی [۱۰] اور پھر موصوف کو مسلمانانِ سرحد اور سکھوں کی قوت کو توڑنے اور منتشر کرنے کے لیے خوب اچھی طرح استعمال کیا۔ اگر اسمٰعیل دہلوی واقعی سکھوں سے جنگ کرنا چاہتے تو امرتسر کی طرف سے حملہ آور ہوتے نہ کہ سندھ اور بلوچستان سے گذر کر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے سب سے پہلی جنگ یاغستان کے امیر یار محمد خان سے کرتے۔ (ملاحظہ ہو، تذکرۃ الرشید، ج:۲، ص:۲۷۰)

انگریزوں نے اس مہم میں اپنی عیارانہ سیاست سے تین مقاصد حاصل کیے:

۱۔ سکھوں اور انگریزی عملداری سے آزاد خود مختار صوبۂ سرحد کی قبائلی مسلم ریاستوں کی فوجی قوت کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنا۔

۲۔ مغلیہ سلطنت کے حدود پر انگریزوں کی روز افزوں کسی نہ کسی بہانے یلغار کے خلاف ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی بے چینی اور اندر ہی اندر ان کی چیرہ دستیوں کے خلاف جہاد کی جو تحریک جنم لے رہی تھی، اس کا رخ سکھوں کی طرف موڑ کر ان کے اس جذبہ کو سرد کر کے رفتہ رفتہ ختم کرنا۔

۳۔ مسلمانانِ ہند، جن کی اس وقت تک نوے فیصد آبادی اہلسنّت و جماعت پر

مشتمل تھی، ان میں فرقہ پرستی کا بیج بو کر داخلی طور پر ان میں انتشار، افتراق اور شکست و ریخت پیدا کر کے آپس میں دست و گریباں کرنا تا کہ وہ اجتماعی طور پر متحد ہو کر انگریزوں سے لڑنے کے قابل نہ رہ جائیں۔

واضح ہو کہ انگریز اپنی اس حکمت عملی (اسٹریٹجی) میں بہت حد تک کامیاب رہا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اسمٰعیل دہلوی کے پیروکار، جنہیں عرف عام میں وہابی اور انگریزوں کے بنائے ہوئے قانون کی اصطلاح میں ''محمدی'' کہا جاتا ہے، انگریزوں کے حلیف اور مجاہدینِ جنگ آزادی کے حریف بنے، کچھ جو خاموش رہے، انہوں نے انگریزوں کی خفیہ سی۔ آئی۔ ڈی کی خدمات انجام دیں۔ جنگِ آزادی میں ناکامی کی جہاں اور وجوہ تھیں، ان میں ایک اہم وجہ اپنوں کی غداری بھی تھی۔ اس غداری کے عوض انگریزوں نے انہیں سیاسی، مالی اور قانونی تحفظ فراہم کیا جس کے مثال ایسے وقت میں جبکہ ایک طرف انگریز ہزاروں علماء حق کا قتلِ عام کر رہا ہو اور سینکڑوں کی تعداد میں دینی مدارس کو بلڈوز کیا جا رہا ہو، دیو بند میں (مقلد) وہابیوں کے لیے ایک مدرسہ کا قیام اور اس کی سالانہ مالی گرانٹ[۱۱] اور غیر مقلد وہابیوں کو ''وہابی'' کہنے پر انگریزوں کی طرف سے قانونی پابندی اور ملک و بیرونِ ملک کے تبلیغی اسفار کے لیے ہر طرح کی سہولیات کی فراہمی ہے۔[۱۲] آگے چل کر ان ہی دیوبندی (مقلد) وہابی علماء کے فتاویٰ کی بنیاد پر فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت نے سر اٹھایا اور اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیان (مشرقی پنجاب، انڈیا) سے انگریزوں کے ایک

زرخرید غلام نے جھوٹی نبوت کا اعلان کر کے مسلمانانِ ہند کی جمعیت کو مزید کمزور کرنے کی کوشش کی۔ عجب اتفاق ہے کہ بساطِ تاریخ کے اسی منظر نامہ پر ٹھیک اسی عہد میں انگریزوں اور نجدیوں کی آپس کی ملی بھگت سے جبکہ سلطنتِ ترکیہ مغرب میں زوال پذیر ہو رہی تھی، فلسطین کی مقدس سرزمین پر ایک یہودی اسٹیٹ کے قیام کا خفیہ منصوبہ روبہ عمل آیا۔ انگریزوں نے غدار مسلمانوں کے تعاون سے مسلمانوں کے جسد میں دو اطراف سے ''قادیانیت'' اور ''یہودیت'' کے ایسے ناسور بنا دیے ہیں جن کا اندمال بظاہر قیامت تک نظر نہیں آتا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اہلِ اسلام کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے۔

ذرا محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں اور ہندوستان میں نجدی تحریک کے بانی اسمٰعیل دہلوی کے پیروکاروں میں انگریزوں اور اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ اشتراک عمل ملاحظہ!

کسے کہ لا الہ را در گرہ بست
زبندِ مکتب و ملّا بروں جست
بآں دین و بآں دانش مپرداز
کہ از ما می برد چشم و دلِ دوست

(اقبالؔ)

ناقابلِ تردید تاریخی دستاویزات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ انگریزوں

نے اپنے غاصبانہ قبضہ کو قائم رکھنے اور جہاد کو روکنے کے لیے ایسے زر خرید مولوی تیار کئے جنہوں نے ہندوستان پر ان کے ناجائز تسلط کو مستحکم اور مضبوط کیا۔ یہ عمل جاہل پیر سید احمد بریلوی اور اس کے مرید جانی اور عظیم علمی و روحانی خانوادۂ دہلی، ولی اللّٰہی کی ناخلف و باغی اولاد شاہ اسمٰعیل دہلوی سے شروع ہوا اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا قیامِ پاکستان تک اور پھر اس کے بعد تیسرے مرحلے میں بھیس بدل کر لال مسجد کے واقعہ تک جاری رہا اور اب کہیں دہشت گردی اور کہیں پٹرول وڈالر (نجدی ایڈ) کی مدد سے دینی مدارس، غصب شدہ زمینوں پر سرعتِ رفتار سے تعمیر مسجد پروگرام تبلیغی اسفار اور چلوں کی صورت میں اور کہیں مزاراتِ اولیاء کے توڑ پھوڑ کے لبادے میں جاری ہے۔ ۱۸۲۶ء سے لے کر آج تک برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے کروڑوں مسلمان ان نام نہاد وہابی مولویوں اور ان کی تبلیغی جماعت کے دامِ فریب میں مبتلا ہو کر گروہ در گروہ بٹ گئے۔ اس طرح ان دو ضمیر فروش نام نہاد مولویوں سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کی تعلیم و تربیت اور تقریر و تحریر سے برصغیر میں فرقہ واریت کا آغاز ہوا۔ عالم ماکان و مایکون مخبر صادق سید عالم ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق سرزمینِ نجد سے قرن الشیطان برآمد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نحوست نے مشرق و مغرب کے امن پسند علاقوں کو فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری کی آماجگاہ بنا دیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تحریکِ پاکستان میں دیوبندی وہابیوں نے من حیث القوم (باستثناء چند) گاندھی اور کانگریس کی حمایت اور بابائے قوم جناب محمد علی جناب

اور مسلم لیگ کی کھل کر مخالفت کی لیکن حیرت و استعجاب اس بات پر ہے کہ آج ان کے اخلاف یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ پاکستان کی تحریک کا ہراول دستہ علماء دیوبند تھے اور پاکستان کا قیام دیوبندی حضرات کی حمایت سے ہی روبہ عمل ہو سکا اور بہت سے ایسے بھی کانگریسی اور احراری علماء پاکستان ہجرت کر کے آ گئے جن کا تقسیمِ ہند سے قبل دعویٰ تھا کہ پاکستان پلیدستان ہے اور وہ اس کی ''پ'' بھی نہیں بننے دیں گے۔ [۱۳]
ان علماء نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنے گماشتوں کے ذریعہ حکومت کے مختلف محکموں میں رسوخ حاصل کیا اور ایوانِ حکومت تک رسائی حاصل کر کے مراعات وصول کیں۔ اپنے مدارس کے لیے مفت زمینیں حاصل کیں، غصب شدہ زمین پر مساجد تعمیر کیں اور اہلِ سنت کے مساجد پر ڈنڈوں اور بندوق کے زور پر فتنہ و فساد مچا کر قبضہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں جماعتِ اسلامی بھی جو خود مسلکاً وہابی ہیں، دیوبندیوں سے پیچھے نہ رہی۔ ۱۹۸۸ء میں ہمارے ادارہ کے فائنانس سیکریٹری جناب منظور حسین جیلانی صاحب نے کراچی شہر کے پارکوں میں غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ سو (۱۰۰) مساجد کا ایک جائزہ مرتب کیا تھا۔ اس وقت کراچی شہر کی میونسپلٹی کے سربراہ جماعت اسلامی کے آنجہانی لیڈر عبدالستار افغانی صاحب تھے۔ تقریباً اَسّی فیصد مساجد کا تعلق دیوبندی مسلک، پندرہ فیصد کا جماعتِ اسلامی اور پانچ فیصد کا اہلِ حدیث مسلک سے تھا۔ ان مساجد میں اہلِ سنت کی ایک مسجد بھی نہیں تھی۔ بعض علاقوں میں اہلِ سنت و جماعت کی چند مساجد (تین یا چار) پارک سے ملحقہ زمین پر بنی ہوئی تھیں۔ وہاں کی انتظامیہ

نے کراچی کے میئر آنجہانی عبد الستار افغانی کو تحریری درخواست دی تھی کہ ان کی مساجد بہت چھوٹی ہیں، نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر پارک کا کچھ حصہ (تقریباً ۱۰۰ / ۲۰۰ مربع گز) الاٹ کر دیا جائے تو نمازیوں کو سہولت ہو جائے گی۔ تو ان کو جواب دیا گیا کہ پارک کی جگہ مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اس سے اہلِ سنت کے خلاف بغض وعناد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ملک میں مذہبی و مسلکی معاملات میں جبر اور شدت پسندی کو فروغ ملنے لگا۔ اِدھر یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جماعتِ اسلامی کی طلبہ تنظیم نے ''تھنڈر اسکواڈ'' کے نام سے دہشت گردی کو پہلی بار متعارف کرایا۔ پھر الیاسی تبلیغی جماعت کا طریقۂ ارشاد والدعوۃ، دیوبندی وہابیوں کی اس شدت پسندی میں مزید اضافے کا سبب بنی۔ اخباری خبروں کے مطابق تبلیغی جماعت کے اجتماع میں متعدد بار ایسے واقعات ہوئے کہ بھولے بھالے سنّی پہلی بار ان کے دامِ تذویر میں پھنس کر رائے ونڈ کے اجتماع میں گئے۔ حسبِ عادت جوش میں آ کر انہوں نے ''یارسول اللہ'' (ﷺ) کا نعرہ لگایا تو نہ صرف ان کو روکا گیا بلکہ اس ''شرک'' کے بدلے میں انہیں الٹا لٹکا کر مارا پیٹا گیا۔

سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی نے وہابیت کے جو زہریلے جراثیم اپنے دور میں صوبۂ سرحد اور اردگرد کے دوسرے علاقوں میں چھوڑے تھے، قیامِ پاکستان کے بعد دیوبندی علماء اور ان کی تبلیغی جماعت نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے ملک پاکستان بالخصوص صوبۂ سرحد اور بلوچستان کی فضاؤں کو پوری طرح مسموم

کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پذیرائی انہیں صوبۂ سرحد میں ملی۔ وہیں سے عسکریت پسندی، تشدد اور دہشت گردی کا مزاج وہابی مدارس اور تبلیغی جماعتوں کی تعلیم و تربیت سے عام اور سادہ مسلمانوں میں در آیا۔ اہلسنّت کی مساجد و مدارس پر جبر و تشدد کے ذریعہ قبضہ ہونے لگا۔ بے شمار اولیاء کرام کے مزارات کو زمین بوس کیا گیا۔ بہت سوں کا نام و نشان بھی مٹا دیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں افغانستان میں روس کے خلاف جہاد شروع ہوا۔ بے شمار خاندان ہجرت کر کے پاکستان صوبۂ سرحد اور صوبۂ بلوچستان کے علاقہ میں آ گئے۔ دیوبندی اور تبلیغی علماء صدر ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ انہوں نے صدر کی تائید سے اپنے مدارس کے دروازے افغانی طلباء پر کھول دیے۔ یہ مدارس میں تعلیم حاصل کرتے، پھر علاقۂ غیر میں عسکری تربیت حاصل کرتے اور بعدہٗ افغانستان جا کر جہاد میں شریک ہو جاتے۔ ان علماء دیوبند میں لال مسجد اسلام آباد کے مولوی عبد اللہ، ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ انہوں نے اس جنگ میں ضیاء الحق صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ انہوں نے خود بھی عسکری تربیت حاصل کی اور اپنے صاحبزادگان عبد الرشید اور عبد العزیز کو بھی عسکری تربیت دلوائی مجاہدینِ افغانستان اور حکومت پاکستان کے درمیان ایک طرح کے رابطہ (Liasoning) کی خدمات بھی انجام دیں۔ جب ضیاء الحق کے بعد افغانستان میں طالبان کا دور آیا تو یہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ ملٹری انٹیلی جنس دیگر حکومتی خفیہ ایجنسیز سے ان کے ٹھیک ٹھاک تعلقات استوار ہوئے۔ یہیں سے ان کی زندگی

میں نیا موڑ آیا۔ آنجہانی مولوی عبداللہ کے حکومتی حلقوں اور حکمراں جماعت مسلم لیگ (ن) اور مسلم لیگ (ق) دونوں میں ہمدرد اور دوست بھی پیدا ہوگئے۔ مولوی عبداللہ نہایت متعصب، متشدد اور غالی قسم کے وہابی تھے، اہلِ سنت کے خلاف بالعموم اور شیعوں کے خلاف بالخصوص جارحانہ تقاریر کرتے تھے اور غالباً اسی پاداش میں اپنے ''لال قلعے'' یعنی لال مسجد کے صدر دروازے کے سامنے گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہوئے۔

ان کی ہلاکت کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز نے ان کی جگہ لے لی اور اپنے چھوٹے بھائی عبدالرشید کو جنہیں مولوی عبداللہ نے اپنی زندگی میں ان کی ناشائستہ اور غیر اسلامی حرکتوں کی بناء پر عاق کر رکھا تھا، اپنا دستِ راست بنایا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے والد کے قتل کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور اپنے نام کے آگے لفظ ''غازی'' کا اضافہ کیا۔

اسی دوران جنرل پرویز مشرف کی حکومت آ گئی اور پھر ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد حکومتِ پاکستان نے افغانستان کی طالبان حکومت کی حمایت سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے اپنی خارجہ پالیسی کو یوٹرن دیا اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور یورپین برادری کی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ اس پسِ منظر میں ملٹری انٹیلی جنس اور دیگر حکومتی خفیہ ایجنسیوں کے سربراہان بھی تبدیل کیے گئے جس سے ''غازی'' برادران کے لیے مشکلات کا آغاز ہوا۔ مولوی عبدالعزیز پر اسلحہ کی اسمگلنگ کے سلسلے میں متعدد

مقامات قائم ہوئے، اس سلسلے میں رنگے ہاتھوں پکڑے بھی گئے۔ لیکن چونکہ حکومتی حلقوں اور خفیہ اداروں کی نچلی سطح پر ان کے ہمدرد موجود تھے، اس لیے یہ گرفتاری سے گریز کرتے ہوئے لال مسجد میں قلعہ بند ہوگئے اور پھر باہر نہیں آئے تاآنکہ لال مسجد پر پولیس ایکشن کے وقت برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

مولوی عبدالعزیز حکومتِ وقت کی دہشت گردوں اور مقامی اور بیرونی طالبان کے خلاف فوجی مہم اور اپنے اوپر دہشت گردی و ناجائز اسلحہ کی اسمگلنگ کے سلسلہ میں قائم شدہ متعدد مقدمات سے سخت نالاں اور برہم تھے لہٰذا انہوں نے حکومتِ وقت بالخصوص جنرل پرویز مشرف پر دباؤ ڈالنے کے لیے اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا تاکہ عوام الناس کو یہ باور کرایا جا سکے کہ ان پر جو دہشت گردی اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی اور اس کی بیرونِ ملک سے اسمگلنگ کے جو الزامات حکومت کی طرف لگائے گئے ہیں، وہ ان کی شریعتِ اسلامی کے نفاذ کے لیے جدوجہد اور مطالبہ کی بنیاد کی پاداش میں لگائے گئے ہیں۔ ''غازی برادران'' نے ایک نہایت منظّم اور منضبط طریقہ پر حکومت وقت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا اور مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسہ حفصہ کے تقدس کی آڑ میں اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی اور طلباء اور نمازیوں کے بھیس میں مسلح دہشت گردوں کی آمدورفت کا سلسلہ تیز سے تیز تر کیا۔ لال مسجد کو لال قلعہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ افسوسناک اور باعثِ شرم امر یہ ہے کہ اپنے ذاتی مفاد میں معصوم طلباء و طالبات کو استعمال کیا گیا، غصب شدہ زمینوں پر اسلحہ کے زور پر دن

دھاڑے قبضہ کر کے مساجد و مدرسہ قائم کئے گئے۔ طالبات کی ایک ڈنڈا بردار فوج بنائی گئی جس نے غازی برادران کے نفاذِ اسلام اور غصب شدہ زمینوں پر مساجد بنوانے کا مطالبہ منوانے کے لیے مدرسہ حفصہ سے ملحقہ حکومت کی قائم کردہ چلڈرن لائبریری پر راتوں رات قبضہ کرلیا۔ لال مسجد کی حفاظت کے نام پر اس کے اطراف میں طلباء کے بھیس میں کلاشنکوف بردار دہشت گردوں کا پہرہ مقرر کیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا کہ لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کے اطراف کی سڑکوں سے کوئی فرد پا پیادہ یا کار/ اسکوٹر سوار بغیر تلاشی دیئے گذر نہیں سکتا تھا۔ حتیٰ کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد کو بھی گذرنے نہیں دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ مولوی عبدالعزیز کی ہمتیں بڑھیں، پولیس اور رینجرز کے افراد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس علاقہ میں راہ چلتے ڈنڈوں اور کلاشنکوف کی بٹوں سے زدوکوب کر کے اغوا کیا جانے لگا۔ حکومتی جماعت میں ان کے ہم مسلک اور ہمدرد افراد جو وفاق المدارس (دیوبندی مدارس کے الحاق کا وفاق) کے علماء اور تبلیغی جماعت کے زیرِ اثر ہیں، ہمیشہ آڑے آتے رہے اور غازی برادران کے خلاف کسی قسم کے قانونی اقدام سے گریز کیا جاتا رہا۔ غازی برادران حکومتی حلقوں اور خفیہ ایجنسیوں میں اپنے ہمدردوں کی پسِ پردہ حمایت پر اس قدر پُر اعتماد تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے خلاف کوئی پولیس ایکشن نہیں کیا جا سکے گا اور وہ حکومت پر دباؤ کے ان ہتھکنڈوں سے نہ صرف اپنے اوپر قائم مقدمات سے خلاصی حاصل کرلیں گے بلکہ غصب شدہ زمین پر مساجد اور مدرسوں کی

صورت میں انہوں نے جو اپنی ذاتی جائیدادیں بنائی تھیں وہ بھی مفت میں ان کے حوالے کر دی جائیں گی نیز یہ کہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو بھی اسلام آباد میں آئندہ حکومت آئے گی وہ مساجد، مدارس کی تعمیر و توسیع، اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے شرعی نکات کی تشریح و توضیح اور دارالحکومت اسلام آباد میں امن و امان کے سلسلہ میں ''غازی برادران'' اور ان کی ''ملیشیا'' سے مصالحت کی محتاج رہے گی۔ ''لال مسجد'' پر ۱۰/ جولائی ۲۰۰۷ء کے پولیس ایکشن سے قبل پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں جو حالات تھے وہ آج سے تقریباً پونے دوسو سال قبل (۱۸۲۵ء) کے مغل سلطنت کے دارالحکومت دلّی سے ملتے جلتے تھے۔ بادشاہِ وقت کی حکومت کی عملداری لال قلعہ کے اطراف تک محدود ہو چکی تھی۔ انگریز پورے ہندوستان پر عملی تسلط حاصل کر چکا تھا۔ دلّی کے اردگرد جاٹ اور مرہٹہ اور سکھوں کے دہشت گرد دندناتے پھرتے تھے۔ رات کو شب خون مارتے، دن دہاڑے جس کو چاہے لوٹ لیتے، جسے چاہے اغوا کر لیتے اور بادشاہِ وقت کے عمال سے تاوان الگ وصول کرتے رہتے تھے۔ دلّی کے لال قلعہ کے اردگرد یہی حالات اور ماحول تھے جس سے انگریزوں کی ایما پر مولوی اسمٰعیل دہلوی نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اگر وہ دلّی میں بیٹھ کر اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہو جاتے اور مرتدین اہلِ سنت (وہابیوں) کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی اور بادشاہِ وقت ان کا مسلک اختیار کر لیتا تو ان کا سلوک اور اگلا قدم اسی جہاد کا ہوتا جو محمد بن عبدالوہاب نجدی نے عامۃ المسلمین کے

ساتھ کیا۔ یعنی ان کے عقیدہ ومسلک سے اختلاف رکھنے والوں کا قتلِ عام اوران کی عزت وآبرو اور مال ومتاع کی بربادی۔ لیکن چونکہ اس وقت دلّی میں جیّد علمائے وقت بشمول ''شہید لیلٰیِ نجد'' اسمٰعیل دہلوی کے محترم چچا حضرت شاہ عبد العزیز محدث بریلوی علیہم الرحمۃ موجود تھے اور عامۃ المسلمین کی غالب اکثریت متصلب قسم کی سنی المذہب تھی نیز بادشاہِ وقت خود متصلب قسم کا سنّی تھا لہٰذا بادشاہی مسجد میں خانوادۂ ولی اللّٰہی اور دلّی کے دیگر جیّد علماءِ اہلِ سنت کے ساتھ مناظرہ میں شکست کے بعد اسمٰعیل دہلوی نے انگریزوں کے مشورے پر بہار، بنگال اور کرناٹک کا رخ کیا جہاں انہوں نے اپنے عقیدے کی تبلیغ اور سکھوں سے جہاد کے لیے عامۃ المسلمین کو تشویق و ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ انگریزوں سے وفادار رہنے اور ان کے خلاف جہاد نہ کرنے بلکہ ان کی طرف سے ان کی حمایت میں جہاد کرنے کے بھی فتوے دیئے۔[۱۴]

غرض کہ عبد العزیز غازی اس دور میں اسلام آباد میں اسی اسمٰعیلی نجدی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے سرگرم تھے۔ وہ دارالحکومت اسلام آباد کو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے کا دلّی بنانا چاہتے تھے جہاں چاروں طرف انارکی پھیلی ہوئی تھی اور حکومت کی رٹ ختم ہو چکی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر وہ سید احمد بریلوی کی طرح ایک وہابی اسٹیٹ کا ''امیر المومنین'' بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا حشر ۱۸۳۲ء میں بالاکوٹ میں ہونے والے واقعہ سے زیادہ عبرتناک بنادیا۔ سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کی تو انگریزوں نے حمایت کی اور

مالی وفوجی تعاون کیا۔[۱۵] لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ''برقع برادران'' اور لال مسجد کے دہشت گردوں کی پشت پناہ کون سی طاقت تھی یا اب بھی ہے؟ یہی بات سمجھنے اور سمجھانے کی ہے! یہ جدید اسلحہ جات (Sophisticated Wepons) پاکستان میں نہیں بنتے۔ روس، امریکہ اور یورپ میں بنتے ہیں، وہیں سے خریدے جا رہے ہیں اور یہ نہایت مہنگے داموں پر ملتے ہیں۔ چونکہ یہی اسلحے پاکستان کی افواج کے پاس بھی ہیں تو ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس قدر مہنگے ہیں۔ ان اسلحہ جات کی خریداری کے لیے ایک طاقتور فائنانسر کی بھی ضرورت ہے۔ آخر بلین ڈالر کہاں سے آرہے ہیں؟ سوال ٹیڑھا ہے لیکن جواب بالکل آسان اور سیدھا سادھا۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اسمٰعیل دہلوی کے وقت میں فرنگی (برطانیہ) سپر پاور تھا۔ وہی ان کے لائحہ عمل کا منصوبہ بندی کرنے والا اور وہی ان کا فائنانسر بھی تھا۔ برطانوی جاسوس ''ہمفرے کے انکشافات'' نامی کتاب میں اس کی ساری تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ آج کے دور میں سپر پاور امریکہ ہے جس کا دوسرا نام ''صیہونی لابی'' ہے۔ آج یہی صیہونی لابی مسلمان ملکوں بشمول پاکستان میں ہمارے اندر کے منافقین کے ذریعہ دہشت گردی، فرقہ واریت اور تشدد پسندی کو فروغ وترغیب دینے کی کوشش کر رہی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی تکمیل کے لیے اسلحہ اور فنڈ بھی مہیا کر رہی ہے۔ یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے!

اُس وقت سلطنتِ ترکیہ مسلمانوں کی عظیم اور طاقتور سلطنت تھی۔ اور لطف کی

بات یہ ہے کہ وہ ایک سنّی اسٹیٹ تھی۔اس کے جتنے سربراہ (خلیفہ) گذرے ہیں، وہ سب آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ کی نعل پاک اپنے سروں پر لے کر چلنے والے تھے۔

دشمنانِ اسلام بالخصوص صیہونی فکر والوں کو سب سے زیادہ بغض اور نفرت ان مسلمانوں سے ہے جو نبی کریم سید عالم ﷺ کی ذات مقدسہ سے وارفتگانہ لگاؤ اور آپ کی محبت میں فدا کارانہ جذبہ رکھتے ہیں۔ایسے افراد پر مشتمل قوم بزورِ شمشیر بھی زیر نہیں کی جاسکتی۔لہٰذا اس کا توڑ انہوں نے ابلیسی نظریہ سے سیکھا کہ ان کے دلوں سے حُبِّ رسول ﷺ کو نکالدو پھر ان سے جو چاہو کروالو، جو چاہو لکھوالو۔لیکن ایسی تعلیم اور ایسے نظریات کو عام کون کرے گا؟ ایک منافق ہی ایسی جسارت کرسکتا ہے۔ سلطنت ترکیہ کے زوال کے لیے فرنگیوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں کو منتخب کر کے استعمال کیا اور ہندوستان میں مسلمانوں میں انتشار وافتراق کے لیے انہوں نے رائے بریلی کے ایک قزاق [۱۶] اور جعلی و جاہل پیر سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی ناخلف اولاد مولوی اسمٰعیل دہلوی کو استعمال کیا اور اپنے ''حسنِ انتخاب'' پر دشمنانِ اسلام سے داد لی۔

دورِ حاضر میں مسلم ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا اور آج فوجی بالخصوص جوہری توانائی کے اعتبار سے تمام مسلم ممالک میں سب سے زیادہ طاقتور تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر اس ملک کی اکثریت اپنے نبی و آقا و مولیٰ ﷺ سے والہانہ محبت رکھتی ہے۔اس لیے دشمنانِ اسلام کی نظر میں یہ کھٹک رہا ہے۔اگر چہ

اس کا ایک بازو ۱۹۷۱ء میں ''صیہونی لابی'' کی سازشوں کی بدولت ہم سے الگ کردیا گیا لیکن بحمداللہ! آج بھی پاکستان اپنے خطہ کا مضبوط ترین ملک ہے۔صیہونی لابی اب عراق اور افغانستان کے بعد (معاذ اللہ) ہمارے پیارے ملک کے اندر خلفشار پیدا کرنے اور اسے دولخت کرنے کی منصوبہ بندی کرتی نظر آرہی ہے۔لال مسجد کا واقعہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔اس کے لیے آج پھر اسمٰعیل دہلوی تحریک کے کارکنان اسے مل گئے ہیں۔لال مسجد اپی سوڈ (Episiode) سو فیصد اسمٰعیل دہلوی کے نظریات کو مسلط کرنے کی ایک تحریک تھی جو اب صوبۂ سرحد کے دور دراز علاقۂ غیر تک پھیل چکی ہے جس کا مقصد اسلام آباد سمیت پورے صوبۂ سرحد میں ایک وہابی اسٹیٹ کا قیام ہے۔اس صوبہ میں متحدہ مجلس عمل کی حکومت کے قیام کا امریکہ کی طرف سے خیر مقدم بھی اسی مہم کا ایک حصہ ہے۔گویا پاکستان کے اندر ایک وہابی اسٹیٹ کے قیام کی ریہرسل ہو رہی ہے۔بالکل اسی طرح جس طرح عراق میں صیہونی لابی نے بظاہر اس ملک کو تقسیم نہ کرنے کے اعلان کے باوجود شمالی عراق میں ایک سوشلسٹ کرد اسٹیٹ قائم کردی ہے اور بقیہ ملک کو سُنّی اور شیعہ حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔حالانکہ کُرد خود بھی مذہباً سُنّی ہیں۔

''لال مسجد'' کا سانحہ ہمارے لیے ایک وارننگ ہے۔ پاکستان کی بقا اور مسلم ممالک کے اتحاد و اتفاق کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ اپنے نبی پاک آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبتوں کی استواری اور ان کی سچی اطاعت و پیروی

اوران تمام باطل عقائد ونظریات کے ترک کا جوعقیدۂ توحید کی تعلیم کی آڑ میں ہمیں سید عالم ﷺ سے اپنی تمام نسبتیں منقطع کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا گستاخ اورنافرمان بنا کر ہماری دنیاوآخرت برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس دنیائے فانی میں آنے کے مقاصد کی تکمیل اور یہاں سے کامیابی وکامرانی سے کوچ کرنے کا ایک یہی راستہ ہے جس کی نشاندہی عصرِ حاضر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے یوں فرمائی ہے ۔

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

یابقولے علامہ اقبالؔ:

بمصطفیٰ برساں خویش را کردیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

سیاسی وفوجی مقاصد:

لال مسجد سانحہ سے قبل گذشتہ ۶ ماہ کے دوران لال مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے میڈیا انٹرویو اوراخباری بیانات کے ذریعہ بار بار یہ بات کہی گئی کہ ان کے کوئی سیاسی و فوجی مقاصد نہیں ہیں، وہ صرف حکومت کی غلط پالیسیوں کی اصلاح، معاشرے کا سدھار چاہتے ہیں۔ چونکہ گذشتہ کئی برسوں سے حکومت نے ان کی بات نہیں سنی اور شریعت کا مکمل نفاذ نہ کرکے آئینِ پاکستان کی خلاف ورزی کی ہے، معاشرے کے

بگڑے ہوئے افراد نے ان کے طلباء وطالبات کے بار بار کے انتباہ کے باوجود فحاشی وبے حیائی کے خلاف اپنا رویہ نہیں بدلا اس لیے ارشادِ رسول ﷺ کی روشنی میں بزورِ طاقت شریعت کا نافذ کرنا اور معاشرے سے برائیوں کو ختم کرنا ان پر فرض ہو گیا ہے اور وہ یہ کام کرگذریں گے۔ ظاہر ہے کہ لال مسجد کی برقع پوش انتظامیہ کے اس بیان سے اور وفاق المدارس سے وابستہ علماء واساتذہ کی طرف سے ان کے مطالبے کی مکمل تائید سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کے سیاسی اور فوجی دونوں عزائم تھے (اور اب بھی ہیں) اور وہ ملک خصوصاً دارالحکومت اسلام آباد کی مرکزی جگہ پر قبضہ جما کر، معاشرے میں انتشار پھیلا کر اور لوگوں کو اغواء کے واقعات اور اسلحہ کی نمائش سے خوف زدہ و دہشت زدہ کرکے اپنے ان عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے۔

اس کی تائید اور دستاویزی شہادت ان دو کتابچوں سے بھی ہوتی ہے جو لال مسجد انتظامیہ نے اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع کیے تھے جس کا انکشاف معروف صحافی اور اخبار ''جنگ'' کے کالم نگار جناب حامد میر نے مذکورہ اخبار کی ۲/اگست کی اشاعت میں '' قول وفعل کا تضاد'' کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ اس کالم میں موصوف نے ملک کے جید دیوبندی علماء اور ان کے ہم مسلک فرقہ ''جماعتِ اسلامی'' کے امیر ترین ''امیر'' جناب قاضی حسین احمد صاحب کے لال مسجد میں محصور دہشت گردوں اور ان کے سردار ''برقع برادران'' کے ساتھ منافقانہ رویہ کا ذکر کیا ہے۔ حامد میر صاحب کو یہ کتابچے لال مسجد کے نائب خطیب نے اس وقت دیئے تھے جب اپریل ۲۰۰۷ء

میں ان کا انٹرویو لینے وہاں گئے تھے۔ان میں ایک کتابچہ پاکستان میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے متعلق ''تحریک طلباء و طالبات'' کے عنوان سے تھا اور دوسرا کتابچہ ''تحریک طلباء طالبات کے مقاصد'' کے بارے میں تھا۔اس کتابچے میں ملک بھر کے معروف ۸۸ دیوبندی علماء کے ناموں کی ایک فہرست شائع ہوئی جنہوں نے ''برقع'' برادران اور لال مسجد کے طلباء و طالبات کے مطالبات اور لائحہ عمل کی مکمل حمایت کا اعلان کیا تھا۔لیکن جناب حامد میر صاحب نے غالباً بعض مصلحتوں کی وجہ سے یا شاید اخبار جنگ نے اپنی پالیسی کے تحت صرف ۱۸ علماء کے نام کالم میں درج کیے ہیں، ۷۰ ناموں کو حذف کر دیا گیا ہے۔اس کتابچے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ۱۵ر فروری ۲۰۰۷ء کو قاضی حسین احمد صاحب لال مسجد آئے اور انہوں نے مسجد میں موجود طلباء کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے لیے نفلی اعتکاف کیا اور طلباء کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو حضرات بڑی راتوں مثلاً لیلۃ القدر، لیلۃ الاسریٰ وغیرہ میں مسجدوں میں نفلی اعتکاف اور شب بیداری کو بدعت سیّہ قرار دیتے نہیں تھکتے، وہ لال مسجد میں نفلی اعتکاف کے ثواب کا زبردستی مزہ لوٹنے جا رہے ہیں۔ پھر ''الاعمال بالنیات'' کے تحت اگر واقعی قاضی صاحب اعتکاف کی ہی نیت سے گئے تھے تو صرف اعتکاف کرکے واپس آ جاتے اور سیاسی مذاکرات نہ کرتے۔جب دُنیوی سیاسی مقصد کی تکمیل کی خاطر ''برقع'' برادران سے محوِ گفتگو ہو گئے تو اب اعتکاف کیسا اور اس کا ثواب کیسا؟ کاش کہ قاضی صاحب نے مجددِ عصر حضور مفتیِ اعظم

مصطفیٰ رضا خاں نوری قدس سرہٗ جیسے بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہوتا تو انہیں آدابِ بندگی سے آگاہی ہوتی۔ایک طرف آپ نے کائنات کے سردار اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو معاذ اللہ ''عرب کے ایک چرواہے'' کا لقب دینے والے پیروکار کا عمل ملاحظہ کیا۔اب دوسری طرف ایک رہبرِ شریعت و طریقت، مجدد وقت، مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی پیروی کا حال سنیں، اپنے ایمان کو جلا بخشیں اور شریعت کا مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ایک مرتبہ آپ حرم شریف میں بعد طواف بیٹھے ذکر اذکار فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے انہیں زمزم شریف نوش کرنے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے جزاک اللہ فرمایا اور فوراً گلاس لے کر مسجدِ حرام کے دروازے کے باہر تشریف لے گئے، زمزم شریف پیا، پھر واپس تشریف لا کر اپنی نشست پر تشریف فرما ہو گئے۔زمزم لانے والے صاحب نے دریافت کیا حضرت آپ نے اتنی زحمت کیوں فرمائی، یہیں زمزم شریف پی لیتے۔آپ نے فرمایا، بات یہ تھی کہ میں نے مسجد شریف میں داخل ہوتے وقت سنّتِ اعتکاف کی نیت نہ کی تھی، اس لیے باہر جا کر زمزم شریف پیا اور اب اعتکاف کی نیت کرکے آیا۔انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، آپ اعتکاف کی نیت فرما لیتے، پھر یہیں زمزم شریف پی لیتے۔آپ نے فرمایا کہ آپ نے جس وقت زمزم شریف پیش کیا مجھے سخت پیاس لگی تھی اگر اب میں اعتکاف کی نیت کرتا تو اصل نیت تو پیاس بجھانے کی ہوتی، اعتکاف کا اجر نہ ملتا چونکہ پیاس

بجھانے کی خاطر ایسا کرتا جبکہ اعتکاف خالصاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔

قاضی صاحب! یہ آدابِ بندگی وزندگی وہی حضراتِ قدس سکھا سکتے ہیں جو اہل اللہ ہیں، جو شریعت وطریقت دونوں کے مجمع البحرین ہوتے ہیں، جو لوگ اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل اور جان و مال کی حفاظت کی خاطر ہمہ وقت مسلح دستوں اور ڈنڈا بردار پولیس کے حلقوں میں گھرے ہوتے ہیں، وہ خود اپنے عمل سے اپنے مجرم ہونے اور اللہ مالک ومولیٰ کی ذات پر ایمان کامل نہ ہونے کے مُقِر ہوتے ہیں، وہ انسانیت دشمن ہیں۔ وہ خود کو اور اپنے پیروکاروں کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوتے ہیں، یہ بھٹکے ہوئے کسی کی کیا رہبری ورہنمائی کر سکیں گے ؎

ادھر آ ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں

فلک کو یاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے

تعجب ہے کہ جناب قاضی صاحب برس ہا برس حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب کی صحبت میں رہے اور انہیں بہانگِ دہل اپنا امام اور پیر ورہنما کہتے رہے لیکن نہ آدابِ فرزندی سیکھے نہ بندگی کا سلیقہ۔ شاید وہاں بھی اپنے گروہ کی روایتی پالیسی مداہنت و منافقت کا شکار رہے۔

غصب شدہ زمین پر تعمیر مدرسہ ومسجد:

لال مسجد کرائسس کے دوران ''برقع برادران'' اور ان کے حمایتی دیوبندی فرقہ کے علماء کی طرف سے دیگر مطالبات کے علاوہ جو اہم مطالبہ سامنے آیا اور جو اس

کرائسس کے سنگین تر ہونے کا فوری سبب بھی بنا، وہ ان آٹھ مساجد کی تعمیرِنو اور ان کا لال مسجد کی انتظامیہ کے حوالے کرنا تھا جو سی۔ڈی۔اے (Capital Development Authority) نے اس بنا پر گرادی تھیں کہ وہ غصب شدہ زمین پر ناجائز طریقہ پر بنائی گئی تھیں۔

لال مسجد وہ مسجد ہے جو اسلام آباد میں غالباً ۱۹۶۰ء/ ۱۹۶۱ء میں صدر ایوب خاں کے دور میں سرکاری طور پر بنائی گئی تھی جب شروع شروع دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا تھا۔ یہ مسجد محکمہ اوقاف کی تحویل میں تھی، امام وخطیب کی وہاں ضرورت تھی۔ اس زمانے میں پیر دیول شریف مرحوم کو صدر ایوب خاں کا بڑا قرب حاصل تھا۔ مشہور یہی ہے کہ وہ صدر ایوب کے پیر تھے۔ ''برقع برادران'' کے ابا جان عبداللہ ایک عام سے غیر معروف دیوبندی مولوی تھے، بے روزگار بھی تھے۔ لال مسجد اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد تھی لہٰذا ایک پلاننگ کے تحت ان کو پیر دیول شریف مرحوم سے مرید کرایا گیا۔ موصوف ان کے آگے پیچھے خادم کی طرح رہنے لگے۔ مداہنت اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر خود کو سنّی ظاہر کرتے تھے۔ پیر صاحب کی ذکر وفکر اور میلاد شریف کی محفل میں شریک ہو کر تمام معمولات ادا کرتے تھے۔ عبد اللہ صاحب نے پیر صاحب سے سفارش کی حضرت میں بیروزگار ہوں، آپ صدر ایوب سے کہہ کر لال مسجد کی امامت وخطابت دلوادیں۔ پیر دیول شریف مرحوم سیدھے سادے انسان تھے وہ انہیں پہچانے نہیں، ان کی سفارش کر دی اور یہ لال مسجد کی مسندِ

امامت وخطابت پر مامور ہوگئے۔ پھرانہوں نے صدر مملکت کے حضور رسوخ حاصل کرلیا، محکمہ اوقاف میں بھی دخیل ہوگئے۔ گریڈ پر گریڈ بڑھواتے رہے۔ صدر ایوب کی برطرفی کے بعد بلّی تھیلے سے باہر آگئی۔ اب کھل کر اپنے عقیدۂ مسلک کی تبلیغ کرنے لگے۔ صدر ضیاء الحق کے زمانے میں ان کے بھاگ کھل گئے۔ افغانستان پر روسی حملہ کے بعد صدر ضیاء الحق نے امریکہ کی شہ پر وہاں کے مجاہدین کے حمایت میں پاکستانی فوج بھیجنے کے بجائے یہاں سے مجاہدین بھیجنے کا فیصلہ کیا تو مولوی عبد اللہ صاحب صدر ضیاء الحق کے ہر طرح سے کام آئے۔ پہلے علماء سے جہاد کے حق میں فتویٰ لیا، افغان مہاجرین کے طلباء (طالبان) کا پاکستان کے تمام بڑے دیوبندی مدارس میں داخلہ کا بندوبست کیا، ان کی تعلیم وتربیت کے علاوہ ان کی ''جہادی'' تربیت کی ذمہ داری بھی نبھائی، اسلحہ کی کھیپ کی کھیپ ان کے پاس آنے جانے لگی۔ ضیاء الحق صاحب ان سے بہت خوش ہوگئے اور انہیں ان ''خدماتِ جلیلہ'' کے صلہ میں خوب خوب نوازا۔ پھر صدر ضیاء الحق کے بعد جتنی بھی حکومتیں اور صدور آئے، ان کو اپنی افغان پالیسی کی حمایت کے لیے عبداللہ صاحب کی ضرورت رہی۔

اس دوران چونکہ ان کے عسکری اور خفیہ ایجنسیوں کی اعلیٰ شخصیات سے روابط مضبوط ہوگئے، انہوں نے لال مسجد کی حدود کو ملحقہ غصب شدہ زمین پر وسیع سے وسیع تر کرکے اپنی جائیداد بنانا شروع کردی۔ مدرسہ حفصہ محکمۂ تعلیم کو الاٹ شدہ وسیع و عریض رقبہ کی غصب شدہ زمین پر قائم کیا گیا اور اس کی چھ منزلہ عمارت قلعہ کی طرز پر

بنائی گئی۔ اس طور پر موجودہ حکومت کی خفیہ رپورٹ کے مطابق اسلام آباد اور اس کے اطراف میں ان کے ۲۸ مدارس اور لال مسجد کے علاوہ آٹھ دیگر مساجد ان کے قبضۂ اثر میں آگئی تھیں۔ کشمیر میں وہابی جہادی تنظیموں، لشکرِ طیبہ، حرکۃ المجاہدین، حرکۃ الانصار، جیش محمدی وغیرہم کی طرف سے نام نہاد جہادِ کشمیر میں حصہ لینے اور افغانستان میں طالبان کی حکومت کے قیام کے بعد ان کے رابطے مذکورہ وہابی جہادی تنظیموں اور طالبان افغانی حکومت سے مزید مضبوط ہوگئے۔ اب طالبان مجاہدین کی کھلے بندوں ان کے پاس آمد ورفت شروع ہوگئی۔ کشمیر میں جہاد کرنے والی کالعدم وہابی تنظیمیں اپنے مجاہدین کو فوجی تربیت کے لیے افغانستان بھیجنے لگیں۔ آنجہانی مولوی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک طرف ان وہابی جہادی تنظیموں کی حمایت حاصل ہوگئی تو دوسری طرف ان تنظیموں کو پاکستان کے دارالحکومت کے عین قلب میں لال مسجد کی صورت میں ایک پناہ گاہ میسر آگئی۔ ان جہادی تنظیموں کا پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کا کیا منشور تھا، اس کے لیے ملاحظہ ہو، روزنامہ ''پاکستان''، لاہور، مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۹۶ء، اور ماہنامہ ''اہلِ سنت'' گجرات، ماہِ دسمبر ۱۹۹۸ء۔ مثال کے لیے صرف ایک کالعدم جہادی تنظیم ''لشکرِ طیبہ'' کے مقاصد کی، جس کا فوجی ہیڈکوارٹر مرید کے میں ہوا کرتا تھا، ایک رپورٹ ملاحظہ ہو:

''آج پاکستان بھر میں سنی مسلمانوں کو کشمیر کے جہاد کے بہانے لشکرِ طیبہ، حرکۃ المجاہدین، حرکۃ الانصار، حزب المجاہدین، تحریک المجاہدین، البدر، جیش محمد اور دیگر

وہابی تنظیموں میں شامل کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ وہ تنظیمیں ہیں جن کے بڑوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کیا اور ہندوؤں کا بھرپور ساتھ دیا۔ آج وہابی دیوبندی تنظیمیں جہاد کے نام پر ہندوستان کو اپنا دشمن ظاہر کر رہی ہیں۔ ذرا سوچئے اگر یہ واقعی دشمن ہیں تو پھر بھارتی حکومت اپنے دشمنوں کے عالمی مرکز مدرسہ دیوبند کا محاصرہ کیوں نہیں کرتی؟ دہلی کی جامع مسجد کے دیوبندی امام بخاری کو گرفتار کیوں نہیں کرتی؟ دہلی میں تبلیغی جماعت کے عالمی مرکز کو مسمار کیوں نہیں کرتی؟ کیا یہ ساری حقیقتیں انڈین حکومت کے علم میں نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں مگر ایسا سب کچھ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور ہندو اور یہود کے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے بعد ان کے بناوٹی جہاد سے دور رہیں۔۔۔''

''ملک کو مکمل تہس نہس کرنے اور یہاں نیا دین، نئی شریعت اور نیا کلچر رائج کرنے کے لیے مذہب کے نام پر ایک دہشت گرد عسکری تنظیم خفیہ طور پر مکمل تیاری میں مصروف ہے جو منافقت اور دھوکہ فریب کے پردوں اور جعلی جہادِ کشمیر کے لبادوں میں لپٹی اپنی تیاری مکمل کر رہی ہے۔ اس دہشت گرد تنظیم کا نام لشکرِ طیبہ ہے اور ''مرید کے'' میں اس کا ہیڈ کوارٹر ہے جس کی سرپرستی بعض بیرونِ ملک کی ایجنسیاں کر رہی ہیں۔ اس تنظیم کے مقاصد کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ مضبوط ترین عسکری قوت بننا جو وقت آنے پر افواجِ پاکستان سے نبرد آزما

ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہادِ کشمیر کو حیلہ بنانا اور عوام کو جہاد کا چکمہ دے کر اپنے تربیتی اداروں اور کیمپوں میں لے جا کر انہیں جبراً وہابی اہلِ حدیث بنانا، جو نہ مانے اس کو قتل کر کے بڑے خاص انداز سے یہ مشہور کرنا کہ یہ ہمارا مجاہد ہے جو جہاد میں شہید ہو گیا ہے۔ پھر اس کے بارے میں اخبارات میں جھوٹی خبریں چھپوانا اور غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا۔

۲۔ افواجِ پاکستان میں دھڑے بندی، مذہبی منافرت اور مذہبی گروہ بندی بنانا تاکہ فوج انتشار کا شکار ہو کر کمزور ہو جائے اور وقت آنے پر فوج کے اندر ان کی تیار لابی ان کا ساتھ دے اور فوج کے جو گروہ ان کے مخالف نظریات رکھتے ہوں، ان کو مار بھگایا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فوجی اداروں میں اپنے مکتبۂ فکر کے آفیسر اور خطیب مقرر کرانا اور انہیں اپنے نظریات کے پرچار کے لیے فوج میں فری ہینڈ دلوانا۔

[خصوصی نوٹ: اس کی زندہ مثال تبلیغی جماعت کے اجتماع میں شرکت کے لیے افواجِ پاکستان کے تینوں شعبے، آرمی، ائیر فورس اور نیوی کے جوانوں اور افسروں کو نہ صرف فری ہینڈ دینا بلکہ ان کو اجتماع میں شرکت کے لیے تبلیغی وہابی افسروں کی طرف سے باقاعدہ تشویق و ترغیب دینا اور ٹرانسپورٹ مہیا کرنا ہے۔ لیکن کوئی جوان سنّی تبلیغی جماعت ''دعوتِ اسلامی'' کے اجتماع میں اگر چھٹی لے کر بھی جانا چاہے تو اس کے خلاف فوجی تنظیمی قوائد کی خلاف ورزی کی شق لگا کر تادیبی کاروائی کی دھمکی دینا، اسی طرح کراچی کی ایک ائیر بیس (Air Base) میں ایک سینئر آفیسر کے لیے اپنا ہیڈ کوارٹر

چھوڑ کر نہ جانے کی پابندی ان کے ایک تبلیغی کمانڈنگ آفیسر نے اس لیے لگادی تھی کہ وہ ایک اعلیٰ پایہ کے سنّی عالمِ دین اور مفتی تھے اور میلاد النبی ﷺ کے جلسوں میں فی سبیل اللہ خطاب فرماتے تھے۔ فوج میں فرقہ پرستی اور تعصب کی ایک اور مثال کارساز پر بخاری شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار سے متصل مسجد اور مدرسہ پر، جو گزشتہ ۲۵ سال سے قائم تھا، راتوں رات قبضہ اور پھر مدرسہ کو نیوی کی تحویل میں دینے کے بجائے شہر کی ایک متعصب وہابی تنظیم ''عالمگیر ویلفیئر ٹرسٹ'' کی انتظامیہ کے حوالہ کرنا ہے۔ اسی طرح ملیر کینٹ بازار میں اہلِ سنت کی ایک نیک فیاض خاتون کی اپنے پیسوں سے تعمیر شدہ مسجد پر دیوبندی کمانڈنگ آفیسر کی طرف سے جبراً قبضہ کر کے آرمی انتظامیہ کے حوالے کرنا اور پھر وہاں دیوبندی مسلک کے خطیب و امام کی تقرری ہے۔
یہ صرف چند مثالیں ہیں، ایسی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔]

۳۔ پاکستان کو نجدی اسٹیٹ بنانا جس کو عرب ممالک کی طرح انگریز مغربی ممالک کی سرپرستی حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک میں سرِ عام نجدیت کا پرچار کرنا اور مختلف حیلوں سے لوگوں کے ایمان خراب اور عقیدہ تباہ کرنا تاکہ وقت آنے پر عربوں کی طرح ان کی غیرتِ ملی اور حمیتِ دینی مردہ ہو چکی ہو اور وہ چپ چاپ سب کچھ برداشت کر جائیں۔

۴۔ مسلمانوں کے دلوں سے انبیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور عقیدت مختلف طریقہ ہائے واردات سے ناپید کرنا تاکہ وہ دین کی برکات سے

محروم ہو کر بے دست و پا ہو کر رہ جائیں اور ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی مرضی سے ہانکا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انبیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور عقیدت کو کفر اور شرک قرار دینا اور ان پاک ہستیوں کے خلاف تقاریر اور لٹریچر کے ذریعے منافرت پھیلانا تاکہ وقت آنے پر ان ہستیوں کے مزارات و آثار کو نیست و نابود کیا جاسکے (جو اسلامی قوت کا سرچشمہ و مرکز شمار ہوتے ہیں)۔

۵۔ سرکاری اور نجی اداروں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا تاکہ ہر سطح پر حصولِ مقاصد میں آسانی پیدا ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر ادارے میں اپنے ایجنٹ ایڈجسٹ کرانا۔

۶۔ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف مختلف پروپیگنڈے کر کے اس کو ختم کرنا اور یہاں انگریزوں کی خود ساختہ نجدی شریعت نافذ کرنا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے ہم نظریہ مولویوں کی مکمل سرپرستی کرنا اور جو علماءِ اہلِ سنت ان کے خلاف لوگوں کو آگاہ کریں، ان کو قتل کرادینا۔ صوبۂ سرحد کے سابق صوبائی اسمبلی نے نفاذِ شریعت کے لیے جو حسبہ بل پاس کیا تھا، اس میں بھی شریعت کی اپنی من مانی تعریف کی گئی تھی اور مجلسِ عمل کی شریک کار جماعت جمعیت علماءِ پاکستان کے اعتراض کے باوجود بل کی اس مخصوص شق پر جمعیت کا اعتراض نظر انداز کر کے منظور کیا گیا۔ اس سلسلے میں اس وقت کے جمعیت کے نائب سینئر صدر صاحبزادہ ابوالخیر نقشبندی صاحب نے تمام سُنّی

علماء، اسکالر اور دانشوروں کو ایک گشتی مراسلہ تحریر کیا تھا جس میں بل کے نفاذ کے خلاف احتجاج کے لیے کہا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو، معارفِ رضا ستمبر ۲۰۰۵ء کا اداریہ ''ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا'')۔

۷۔ مذکورہ مقاصد کے حصول میں جب ہر سطح پر نمایاں کامیابی کے آثار نظر آنے لگیں تو یک دم ہلہ بول دینا اور اپنے سرپرست ممالک کی افواج کو بلوا کر اس ملک پر قبضہ کر لینا اور یہاں وہی تاریخ تازہ کر دینا جو عرب ممالک میں ترکوں کی (سُنّی) اسلامی حکومت اور ان ممالک کے سنی مسلمانوں کو ان نجدیوں کے ہاتھوں پیش آئی تھی۔''

(ملاحظہ کیجئے، ماہنامہ ''اہلِ سنت'' گجرات، ص: ۵، ۶، ۷، ماہِ دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم محمد نجم مصطفائی تحریر کرتے ہیں:

''مسلمانو! مذکورہ رپورٹ کو جان لینے کے بعد یہ حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ وہابیوں کے نام نہاد جہادی اور عسکری تنظیم لشکرِ طیبہ (اور دیگر تنظیمیں بھی) جب اپنے مقاصد کو حاصل کر لے گی (کر لیں گی) تو اس پاک سرزمین پر کیسی اندھیری رات ہوگی کہ جس کے منحوس سائے ہر سمت پھیل چکے ہوں گے۔ ذرا اس دن کو تصور میں لائیے خدانخواستہ اس دھرتی پر سنی اور وہابی بنیادوں پر جنگ چھڑ گئی تو کون سا گھر اور کون سا قومی ادارہ ہے جو اس خون ریز تصادم سے محفوظ رہے گا۔ حکومتِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس خطرناک ناسور پر قابو پائے۔ اگر خدانخواستہ یہ خوفناک معاملہ ہاتھوں سے نکل گیا تو پھر اس ملک کی آنے والی نسلیں روزِ محشر تک حکومتِ وقت کی

لاپرواہی اور چشم پوشی کا ماتم کرتی رہیں گی اور اس کا تمام تر وبال بروزِ محشر حکومت کی گردن پر آ سکتا ہے۔ [۱۷] (اس سلسلہ میں آج جو صوبہ سرحد کے علاقہ پاراچنار میں باقاعدہ مسلح دیوبندی اور شیعہ تصادم ہو رہا ہے اور جس میں ایک سو سے زیادہ جانیں اب تک ضائع ہو چکی اور املاک کا نقصان الگ حتیٰ کہ پاکستان کی سیکیورٹی فورسز سے بھی مسلح طرفین کو قابو میں کرنا مشکل ہو رہا ہے، ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے)۔

لال مسجد کے مولوی عبداللہ اور ان کے بیٹے (برقعہ برادران) انہی تنظیموں کے آلۂ کار تھے۔ لال مسجد کالعدم دہشت گرد تنظیموں کے جہادیوں کا مرکز بن گئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں گویا لال مسجد اب لال قلعے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مولوی عبداللہ کی زبان و بیان میں شدت آ گئی۔ ان کی ہر تقریر اور جمعہ کا ہر خطاب فرقہ وارانہ رنگ کا ہوتا، اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و نظریات پر حملہ کرتے کرتے، انہوں نے اپنا رخ اہل التشیع کی طرف موڑ دیا۔ حکمراں طبقہ، عسکری اور خفیہ ایجنسیوں کی اعلیٰ شخصیات سے رابطوں نے ان کو متکبر بھی بنا دیا تھا۔ خود اپنے فرقہ کے معتدل مزاج لوگوں کا مشورہ بھی رد کر دیتے تھے۔ چنانچہ فرقہ واریت کی جو آگ انہوں نے لگائی تھی، ایک دن خود اسی میں جل کر بھسم ہو گئے۔ کلاشنکوف بردار پہریداروں کے جھرمٹ میں رہتے ہوئے بھی قتل کر دیئے گئے۔ شاید ان کی فتنہ پروری کی وجہ سے حکومتِ وقت نے بھی ان کے قتل کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔

مولوی عبداللہ کے قتل کے بعد ان کے بڑے بیٹے مولوی عبدالعزیز صاحب (شاگردِ رشید و مرید خاص جناب مفتی رفیع عثمانی صاحب) جانشین بنے۔ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرشید کو جن کو ان کے ابا جان نے ان کی غیر شرعی حرکتوں کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا اور عاق کر رکھا تھا، معافی تلافی کر کے اپنے پاس بلا لیا۔ اب دونوں برادران نے اپنے ابا کے نام کے آگے ’’شہید‘‘ اور خود اپنے نام کے آگے ’’غازی‘‘ کا لاحقہ لگا لیا اور ان کی چھوڑی ہوئی کروڑوں کی جائیداد کے مالک بن بیٹھے، حالانکہ یہ ان کے گھر، دفتر، مساجد، مدرسے، یہ سب کے سب غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ ہیں اور ان کی تعمیر پر ان کے ’’ابا جان‘‘ کی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا بلکہ یہ سب پبلک کا پیسہ ہے جو زکوٰۃ، خیرات اور عطیات کے بطور وصول کیا گیا تھا۔ ان کو اپنے ’’پیارے ابا جان‘‘ کے ناگہانی قتل پر آنجہانی ہونے کا بڑا صدمہ اور ان کے قاتلوں کی عدم گرفتاری پر شدید غصہ تو تھا ہی، اس لیے انہوں نے اپنے بزرگوں کے مشورہ سے نفاذِ شریعہ کی آڑ میں ایک ایسی اسٹریٹیجی اپنائی جس سے پہلے تو دارالحکومت کے نظم و ضبط کو مفلوج کر کے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جاتی، پھر سارے ملک کی دوسرے مسالک کی مساجد، مدارس، خانقاہوں اور مزارات پر قبضہ کر کے ملک میں فرقہ وارانہ فساد اور سول وار کی کیفیت پیدا کی جاتی اور جب ملک میں انارکی پیدا ہونے کی صورت میں حکومت کی رٹ کمزور ہو جاتی تو اسلام آباد سے لے کر علاقۂ غیر تک کے علاقوں کو اپنے عسکری تربیت یافتہ دہشت گرد جتھوں کی مدد سے قبضہ کر کے

سعودی طرز پر ایک ’’خالص اسلامی‘‘ حکومت کے قیام کا اعلان کیا جاتا جس کے ’’امیر‘‘ اور ’’نائب امیر‘‘ بلکہ ’’آمر‘‘ اور ’’نائب آمر‘‘ یہ دونوں ’’غازی امراء‘‘ ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں ’’برقع برادران‘‘ اپنے ’’پیارے ابا جان‘‘ کے ناگہانی آنجہانی ہونے پر شدید غم و غصہ کی بناء پر سائیکی (نفسیاتی مریض) ہو گئے اور جلد بازی میں وہ کر بیٹھے جو انہیں نہیں کرنا چاہئے تھا یعنی پوری عسکری تیاری کے بغیر اپنے اسلحوں کی برسر عام نمائش اور پھر پاکستان کی طاقتور سکیورٹی فورسز سے دو دو ہاتھ کر بیٹھے، نتیجتاً وہ تو اپنی جان سے گئے لیکن اپنے پیچھے اپنی دس سالہ منصوبہ بندی کے شریک بزرگوں، بالخصوص وفاق المدارس کے رہنماؤں اور بالعموم اپنی پوری قوم کو ہکّا بکّا اور رنجیدہ کر گئے۔ (نوٹ: یہ نہیں پتا چل سکا کہ یہ بزرگ اپنے اخلاف کی اس حرکت پر شرمندہ بھی ہوئے کہ نہیں)۔

ابھی جب کہ لال مسجد کا گھیراؤ چل رہا تھا اور پھر اس پر سے دہشت گردوں کے خاتمہ کے بعد بھی دو سوالات علماء سے بار بار دریافت کیے گئے، الیکٹرونک میڈیا پر بھی اور پرنٹ میڈیا میں بھی۔

۱۔ کیا غصب شدہ زمین پر مسجد یا مدرسہ بنانا شرعاً جائز ہے؟

۲۔ لال مسجد پر پولیس ایکشن کے دوران کون مارا جانے والا شخص شرع کی رو سے شہید اور کونسا حرام موت مرے گا؟ لال مسجد سے پاکستانی سیکورٹی فورسز اور فوج پر گولی چلانے والا ’’لال مسجدی مجاہد جوان‘‘ یا اسلامی جمہوریہ پاکستان کی افواج اور اس کی

سیکورٹی فورسز کا سرفروش سپاہی؟

پہلے سوال کا جواب اہلِ سنت کے علماء نے یہ دیا کہ شرعاً ایسا کرنا ناجائز ہے۔ ایسا کرنے والا نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ ایسی مسجد میں جو لوگ نماز پڑھیں یا پڑھائیں گے، ان کی نمازیں باطل ہوں گی اور جو پڑھے یا پڑھائے اس پر نماز کا اعادہ اور توبہ واجب۔ اس پر انہوں نے کتب فقہ سے دلائل دیئے اور صدر اول سے مثالیں دیں۔

لیکن جن علمائے دیوبند سے یہ سوال کیا گیا، الا ماشاء اللہ تقریباً سب نے اس کے اصل جواب سے گریز کرتے ہوئے آئیں بائیں شائیں کرکے یہ ثابت کیا کہ ''مسجد و مدرسہ کے سلسلہ میں ایسا کرنا ناجائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی اپنی ذاتی ملکیت بنانے کے لیے اسے استعمال نہیں کرسکتا۔ ''برقع برادران'' اور ان کے ''پیارے آنجہانی ابا جان'' نے جن قطعات پر مساجد و مدارس بنائے وہ تو ویرانہ اور بیکار زمینیں (Barren Lands) تھیں۔ اس کا انہوں نے صحیح استعمال کیا۔ دیکھئے جی اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو تمام کرۂ ارض کو مسلمانوں کے لیے مسجد قرار دیدیا ہے۔ بالفرض وہ زمین حکومت کی بھی ملکیت ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے عوامی ملکیت ثابت ہوتی ہے، ایسی زمینیں حکومت عوام کی فلاح کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مسجد و مدرسہ سے بڑھ کر عوام کی فلاح کا کیا کام ہوسکتا ہے؟ ہاں زمین اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو اس پر زبردستی قبضہ کرکے مسجد کی تعمیر بیشک ناجائز ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ ہمارے ان تینوں ''مجاہدینِ اسلام'' (یعنی برقع برادران اور ان کے پیارے ابا

جان) نے کسی شخص کی ذاتی ملکیت کو زبردستی قبضہ کرکے مسجد یا مدرسہ بنایا ہو۔ گورنمنٹ نے مدرسہ حفصہ کو قبضہ کرنے کے بعد اس لیے ڈھادیا کہ یہ محکمہ تعلیم کی زمین تھی تو ان ''مجاہدین'' نے بھی تعلیم گاہ بنائی تھی جہاں بچوں اور بچیوں کو مفت تعلیم دی جارہی تھی، کوئی فائیو اسٹار ہوٹل تو نہیں بنایا تھا جہاں عیش و عشرت کے حرام مواقع مہیا کرکے لوگوں سے کمایا جارہا ہو۔'' ایک مولوی صاحب نے ایک ٹی وی پروگرام میں زچ ہوکر کہا کہ کیا ہوا اگر ان تینوں ''محترم دین کے علمبرداروں'' نے نادانی سے سی۔ڈی۔اے کی زمین پر مسجدیں اور مدرسے بنا بھی لیے تھے تو سی۔ڈی۔اے کی انتظامیہ تو اندھی نہ تھی، کیا وہ نہیں دیکھ رہی تھی ایک نیک اور فلاحی کام ہو رہا ہے، اس کو مفت میں الاٹ کرکے ریگولرائز کر دیتی۔ آخر یہ اختیار تو ان کو حاصل تھا اور ہے۔ اگر کسی صاحب کے فتوے کے مطابق ان مسجدوں میں نمازیں باطل تھیں تو اب صحیح ہوجائیں گی اور جو لوگ پڑھ چکے ہیں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، اس کا الاٹمنٹ یا ریگولرائیزیشن سجدۂ سہو کی مانند ہے۔''

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ سوال کیا ہے اور یہ مفتیانِ دیوبند جواب کیا عطا فرما رہے ہیں! اس کو کہتے ہیں ''مارو گھٹنا، پھوٹے آنکھ''۔ لیکن لوگ اب اتنے بے وقوف نہیں کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز نہ کرسکیں۔ انہوں نے بلکہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے جن میں مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی سبھی شامل ہیں، اپنی آنکھوں سے ٹیلیویژن اسکرین پر دیکھا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دو بڑے مفتیوں نے اپنا سابقہ فتویٰ

رشوت لے کر بدل دیا اور نیا لکھ کر دیدیا۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ ”حضرت مستفتی صاحب ہم دیوبند والے اصل نسل، جدّی پشتی مفتی ہیں، مفتے نہیں ہیں کہ آپ کو مفت میں فتویٰ دیدیں، پیسے لاؤ جونسا چاہو فتویٰ لے لو جس قدر زیادہ گڑ ڈالو گے اتنا زیادہ میٹھا ہوگا اور خبردار کسی سے شکایت نہ کرنا۔ ہم دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں، دنیا میں ہماری دھاک ہے، تمہاری کوئی نہ سنے گا، ذلیل ہوگے۔“

دوسرے سوال کے جواب میں علماءِ اہلسنّت کا جواب بالکل صاف اور واضح تھا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے کہ سرحدوں پر اگر بیرونی دشمن حملہ کرے تو اس کے خلاف جنگ کرے۔ اس دوران جو بھی فوجی مارا جائے گا، وہ شہید ہوگا اور دشمن حرام موت مرے گا۔ اسی طرح اگر مملکت کے اندرونی دشمن ملک کے اندر بغاوت کریں یا فتنہ وفساد پیدا کریں اور اگر ان کو روکا اور سمجھایا جائے تو اسلامی فوج پر حملہ آور ہوں تو فوج پر لازم ہے کہ ان کی بیخ کنی کرے اور امن وامان قائم کرے۔ اس فرض کی ادائیگی میں جو فوجی جاں بحق ہوگا، وہ شہید ہے اور جو باغی مارا جائے گا وہ حرام موت مرے گا۔ لال مسجد کے جو دہشت گرد ہلاک ہوئے، حرام موت مرے اور افواجِ پاکستان اور سیکیورٹی فورسز کے جو جوان اس ایکشن میں جاں بحق ہوئے، وہ بلاشبہ شہید ہیں۔ البتہ اس لڑائی میں دوطرفہ گولیوں کی زد میں جو معصوم طالب علم اور طالبات جنہیں دہشت گردوں نے یرغمال بنایا ہوا تھا، وہ بے گناہ مارے گئے، وہ بھی شہید کہلائیں گے۔ علمائے دیوبند میں سے اس سوال کے دو جواب آئے۔ بعض نے

لال مسجد کے دہشت گردوں کو ”مجاہد“ قرار دے کر کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور مسجد کے دفاع کی خاطر ”جہاد“ کر رہے تھے، شہید قرار دیا اور افواجِ پاکستان اور سیکورٹی فورسز کے جاں بحق ہونے والے نوجوانوں کو حرام موت کا مرتکب قرار دیا۔ دوسرے لوگوں نے جس میں مفتی رفیع عثمانی صاحب بھی شامل ہیں، نہایت گول مول جواب دیا۔ مفتی رفیع عثمانی کا جواب جو روزنامہ جنگ، ۱۱رجولائی ۲۰۰۷ء، ص:۱۷ پر شائع ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

”لال مسجد آپریشن میں فریقین کی طرف سے جاں بحق ہونے والے افراد کو شہید قرار دیا جاسکتا ہے، اس کا انحصار ان کی نیت پر ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ لال مسجد کے اندر جاں بحق ہونے والوں کی نیت کیا ہے، اگر وہ اس نیت کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کے دین کو بچایا جائے، غیر اسلامی اقدام کو روکا جائے تو اس حوالے سے رائے کا مختلف ہونا معنی نہیں رکھتا ہے، وہ شخص شہید ہے اسی طرح سے سیکیورٹی فورسز میں شامل اہل کاروں کی نیت کو دیکھنا ہوگا۔ اگر وہ اس نیت کے ساتھ آپریشن میں شریک تھے کہ مسجد اور مدرسے میں موجود لوگ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو شرعاً صحیح نہیں تو وہ شہید قرار پائیں گے لیکن اگر وہ ملازم کے طور تنخواہ کے عوض کاروائی میں شریک تھے تو شہید نہیں ہوں گے، جہنمی ہوں گے۔“

۱۔ بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ مفتی صاحب یہ گول مول فتویٰ دے کر لال مسجد کے دہشت گردوں کو بھی خوش رکھنا چاہتے ہیں اور حکومتِ وقت کو بھی ناراض نہیں کرنا

چاہتے۔لیکن بغور دیکھا جائے تو مفتی صاحب نے اپنے سیاسی عقیدہ کا کھل کر اظہار کر دیا ہے۔اس اعتبار سے یہ ایک سیاسی بیان ضرور ہے،فتویٰ کسی طور پر نہیں کیوں کہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے نہ کہ نیتوں پر۔نیتوں کا حکم تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا پھر اس کے بتائے سے اس کے نبیِ مکرم ﷺ جانتے ہیں۔ایک شخص نے اگر کسی نماز کے وقت پر طہارت کے ساتھ قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں اختتامِ نماز تک ارکین، فرائض، واجبات، سنن وغیرہ ادا کیے تو فتویٰ یہی ہے کہ نماز ادا ہو گئی، اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تُو مسجد میں کس نیت سے آیا تھا۔

۲۔ یہ بیان سیاسی اس لیے ہے کہ مفتی صاحب نے اپنے شاگرد اور ہم مسلک دہشت گرد ''برقع برادران'' اور ان کے ساتھی جو افواجِ پاکستان کے خلاف مورچہ بند ہو کر لال مسجد کے اندر سے لڑ رہے تھے، کی ہمنوائی اور ہمت افزائی کی ہے۔''لال مسجد'' کے ہلاک شدگان کے لیے صرف ایک شرط بیان کی ہے ''اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کے دین کو بچایا جائے''، اس نیت سے لڑنے پر وہ شہید ہیں۔یہ فتویٰ نہیں دیا کہ کس صورت میں وہ حرام موت مریں گے اور جہنمی ہوں گے۔جبکہ افواجِ پاکستان کے لیے دو شرائط بیان کی، پہلی صورت میں وہ شہید قرار پاتے ہیں، دوسری صورت میں جہنمی۔

۳۔ اس بیان سے مملکتِ خداداد پاکستان اور اس کی افواج سے ان کی دلی کدورت کا بھی پتہ چلتا ہے۔یادش بخیر جب لال مسجد کا تنازعہ چل رہا تھا اور ابھی پولیس ایکشن نہیں ہوا تھا،

اس دوران ایک چینل پر اکھوڑہ خٹک، سرحد کے ایک مولوی صاحب کا بالمباشرہ اور علامہ احترام الحق تھانوی صاحب کا بذریعہ فون انٹرویو نشر ہو رہا تھا۔جب علامہ احترام الحق صاحب سے کمپیئر نے دریافت کیا کہ لال مسجد کی انتظامیہ کی دہشت گرد سرگرمیوں کے متعلق کیا خیال ہے تو انہوں نے نہایت صاف گوئی سے کام لے کر دوٹوک الفاظ میں یہ بات کہی کہ بدقسمتی سے آج وفاق المدارس اور اس سے متعلقہ مدارس پر قابض اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے آباءواجداد نے غیر منقسم ہند میں پاکستان کے حصول کی شدت سے مخالفت کی تھی لہٰذا یہ لوگ آج بھی پاکستان کے مخالف ہیں اور انہی کے مدارس آج دہشت گردی کی تربیت کا مرکز ہیں۔ان لوگوں نے دین اسلام، مسلمان، علماء، دینی مدارس اور ملک پاکستان کو تمام عالم میں بدنام کر دیا ہے۔

۴۔ اب مذکور مفتی صاحب استاذ عبدالعزیز برقع سے فتویٰ پوچھا جائے کہ ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں اور ۱۹۶۵ء و ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کی افواج کے ساتھ جنگ میں افواجِ پاکستان کے جن بہادر فوجیوں نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا، ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔کیا ملک کے یہ بہادر سپوت آپ کے خیال شریف میں سرحدوں پر اپنی تنخواہ اور الاؤنس لینے کی لالچ میں گئے تھے اور وہاں ہندوستانی فوج کی بمباری یا گولیوں سے ہلاک ہو گئے اور معاذ اللہ آپ کے بقول حرام موت مر گئے؟ یا آپ ان کی قبروں میں جا کر ان کی نیت معلوم کر کے پھر فتویٰ دیں گے؟

۵۔ مفتی صاحب کے اپنے اس فتویٰ سے یہ بھی عندیہ ملتا ہے کہ وہ لال مسجد اور

جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کے اس رویہ کے حامی تھے کہ یہاں عسکریت پسندوں کو تربیت دی جائے، اسلحہ کا ذخیرہ کیا جائے، دفاعی مورچہ بنائے جائیں اور اسلحہ کی نہ صرف نمائش کی جائے بلکہ افواجِ پاکستان کے جوانوں کے ساتھ کفار کا سا سلوک کیا جائے اور انہیں مار مار کر جہنم رسید کیا جائے۔ کیوں کہ ہر دہشت گرد یا خودکش بمبار یہی دعویٰ رکھتا ہے بلکہ عقیدہ کا اظہار کرتا ہے کہ ہم اسلامی نظامِ مصطفیٰ کے لیے لوگوں کی جانیں لے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

۶۔ اگر شیعہ حضرات بھی یہی حرکت کریں جو دیوبندی فرقہ والوں نے لال مسجد میں کی اور مطالبہ کریں کہ فقہ جعفریہ کی شریعت نافذ کی جائے ورنہ بندوق کے زور پر نافذ کریں گے تو اس وقت مفتی صاحب کا فتویٰ کیا ہوگا؟

اس تجزیہ کا مدعا یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کسی ایک مسجد یا مدرسہ کا معاملہ نہیں اور نہ کوئی جزوقتی حادثہ ہے بلکہ یہ ایک طویل المدت سوچے سمجھے منصوبہ کی بات ہے جس کا مقصد پاکستان کے اندر ایک نجدی حکومت کا قیام ہے اور پاکستان کی حساس فوجی تنصیبات بالخصوص جوہری تنصیبات پر قبضہ ہے اور ظاہر ہے اس کے پسِ پردہ ہنود اور صیہونی لابی ہے۔ خواہ اس کے لیے پاکستان کو توڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب حکومتِ پاکستان کے وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق نے حرم کعبہ شریف کے امام صاحب جناب علامہ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس بن عبدالعزیز کو پاکستان آنے کی دعوت دی کہ وہ یہاں آکر اپنے ہم مسلک شدت پسند لال مسجد

کے خطیب و امام ”عبدالعزیز برقع“ کو سمجھائیں اور اسے دہشت گردی اور عسکریت پسندی سے روکیں۔ تو ان کی پاکستان آمد پر ”برقع برادران“ کی طرف سے ایک بیان تمام اخبارات میں آیا تھا کہ ”اگر صدر پرویز مشرف سعودی مہمان مکرم شیخ حرم کو پاکستان کا صدر بنا دیں تو ہم اپنے مطالبات اور رویوں سے دستبردار ہو جائیں گے۔“ حالانکہ کسی غیر ملکی کو اپنے ملک کے صدر بننے کی دعوت دینا کس قدر ملک دشمنی اور غداری کی بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ ”برقع برادران“ نے نجدی حکومت کے ایک مجبور و محصور ملازم کو صدر بنانے کی بات کیوں کی؟ ملائشیا کے مہاتیر محمد صاحب جو کہ ملائشیا کے قابل ترین حکمران رہے ہیں، ان کا نام کیوں نہیں لیا؟ وہ اپنے ملک کے قابل ترین حکمران گذرے ہیں، آدابِ حکمرانی و جہاں بانی سے اچھی طرح واقف ہیں، جنوبی مشرقی ایشیا میں ملائشیا کو فوجی اور معاشی اعتبار سے طاقتور ملک بنانے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مزید یہ کہ وہ امریکہ، یورپین ممالک کی استعماری طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کے عادی ہیں اور عالمی پیمانے پر مسلم ممالک کے فوجی اور اقتصادی اتحاد کے داعی ہیں، ان کے مقابلہ پر نجدی حکومت کے مذکورہ مجبورِ محض ملازم امام کی کیا حیثیت ہے جو بے چارہ اپنی مرضی سے اپنے الفاظ میں جمعہ و عیدین کا خطبہ بھی دینے کا مجاز نہ ہو؟ لیکن محترم مہاتیر محمد صاحب اس لیے پسند نہیں آئیں گے کہ وہ سنّی ہیں، عید میلاد النبی ﷺ دھوم دھام سے مناتے ہیں اور ملائشیا میں یوں بھی سرکاری طور پر یومِ عید میلاد النبی ﷺ جشن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ''صالح نیت'' کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر پاکستان کے بیس ہزار سے زیادہ دینی مدارس اور لاکھوں مساجد میں اسلحوں کا ڈھیر لگ جائے اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے تقریباً بیس لاکھ طلباء ہاتھوں میں کلاشنکوف اور مشین گنیں لے کر اپنے مطالبات منوانے کے لیے سڑکوں پر آ جائیں تو ملک میں لوٹ مار، فتنہ وفساد، خون خرابے کو کون روک سکے گا اور ملک کی سا لمیت کیسے باقی رہ سکے گی؟

بریں عقل و دانش بباید گریخت

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔ سچ کہا، علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے لیے ؎

نماند آں تاب و تب در خونِ نابش
نروید لالہ از کشتِ خرابش
نیامِ او تہی چوں کیسۂ او
بطاقِ خانۂ ویراں کتابش

ہم دنیائے اسلام کے حکمرانوں بالخصوص پاکستان کے اربابِ حل وعقد سے بھی یہ مؤدبانہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ ان تمام حقائق کا بغور اور بحیثیت آقا و مولیٰ سید عالم نورِ مجسم ﷺ کے ایک وفادار امّتی کے، مشاہدہ کریں اور مسلکی و مذہبی تعصب یا فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بلند ہو کر سوچیں کہ وہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ نام نہاد ''روشن خیالی'' کے بجائے احکامِ الٰہی اور سنتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کو

اپنا رہبر و رہنما بنائیں، اپنا دین و ایمان بچائیں اور مملکتِ خداداد پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دین وایمان اور عقیدۂ صالحہ وصحیحہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں۔ یہ ان کی انفرادی، ملی اور منصبی ذمہ داری بھی ہے، ورنہ دنیا وآخرت دونوں میں اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکیں گے۔ اگر ان حکمرانوں نے آج اپنی ایمانی اور عشقِ رسول ﷺ کی ناقابلِ تسخیر قوت سے کام لے کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا پامردی سے مقابلہ نہ کیا تو کل تاریخ سے ان کا نام ونشان بھی مٹ جائے گا اور اپنی قبر کی اندھیری کوٹھریوں میں اپنے کیئے کی عبرتناک سزا بھگت رہے ہوں گے۔ ان کی قبروں کے نشان بھی مٹ جائیں گے۔ انہیں یاد ہونا چاہئے کہ آج بھی ہمارے وہ صالح حکمراں جنہوں نے دشمنانِ اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سید عالم ﷺ کی محبت کے چراغ مسلمانوں کے دلوں سے بجھنے اور شعائرِ اسلام کو مٹنے سے بچایا۔ مثلاً صلاح الدین ایوبی، نورالدین زنگی، محمد بن قاسم، شہاب الدین غوری، اورنگ زیب عالمگیر علیہم الرحمۃ وغیرہم اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ صبحِ قیامت تک ان کا نام عقیدت ومحبت سے لیا جاتا رہے گا۔ اب بھی موقع ہے کہ ہمارے حکمران ہوش کے ناخن لیں اور توبہ کر کے حضورِ اکرم ﷺ کے سچے وفادار غلام بن کر حق وانصاف اور عدل واحسان سے کام لیں۔ ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کر کے اپنی منصبی اور ایمانی ذمّہ داری نبھائیں۔

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اس موقع پر ہم دیوبندی، اہلحدیث اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے سنجیدہ، غیر جانبدار، حق پسند، حق گو اور امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے اصحاب فکر ونظر اور اربابان علم وتحقیق سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ آپ ان تمام بیان کردہ حقائق کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں۔ برطانوی جاسوس ہمفرے کے انکشافات کی روشنی میں مسلم سپر پاور سلطنت ترکیہ کے زوال کے اسباب واثرات اور عرب دنیا کو یہود ونصاریٰ کی سازشوں کے تحت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کے منصوبے پر عملدرآمد کے بعد عربوں کو سیاست اور ان کے معاشی وسائل کے استعمال پر لندن اور نیویارک سے ڈکٹیشن، پھر اسی تسلسل میں افغانستان، عراق وفلسطین اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ اور آخر میں آج پاکستان کے اندر موجودہ دہشت گردی کی فضاء پیدا کرنے والے عناصر کے کردار، معاملات اور ان کے مفادات کا نہایت غور وفکر سے مطالعہ کریں اور ٹھنڈے دل سے انکا جائزہ لیں پھر سوچیں کہ کیا اس قدر نقصانات اٹھانے کے بعد بھی ہم من حیثیت مسلم امّہ حضور اکرم سید عالم ﷺ کی سچی محبت اور ان کی سنت اور عزت و عظمت کو معیار بنا کر آپس میں متحد ومتفق نہیں ہوسکتے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی پیغام تھا اور بعد میں آنے والے اہل ایمان، تابعین، تبع تابعین، اولیاء کرام، ائمہ کرامانِ امت علیہم الرحمۃ والرضوان کا یہی پیغام رہا ہے۔ محقق علی الاطلاق مجدد وقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہما الرحمہ نے بھی ان ہی نظریات کا ابلاغ کیا ہے اور آج اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا

خاں محمدی، حنفی، قادری برکاتی قدس سرہٗ کا بھی یہی پیغام ہے جو ان کی تصانیف کے ایک ایک حرف سے ثابت ہے۔ تعصب کی عینک اتار کر، غیر جانبدار ہو کر ان کا پیغام ان کی اپنی تصانیف کی روشنی میں پڑھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ انشراحِ قلب ہوگا اور حق واضح ہوجائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ جن کے قلوب میں خشیت الٰہی کا جذبہ اور محبت رسول ﷺ کی چنگاری ہے وہ یقیناً ہماری گزارشات پر سنجیدگی سے کان دھریں گے اور حق پرستی کی راہ اپنا کر اتحاد ویکجہتی اور اسلامی جذبوں کو فروغ دینے میں ایک دوسرے کے دست وبازو بن کر ہنود ویہود اور نصاریٰ کی سازشوں کو ناکام بنائیں گے اور وحدتِ امّتِ مسلمہ کو تقویت اور قوت بخشنے کا سبب بنیں گے۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دیا جلاکر سرعام رکھ دیا

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہر کلمہ گو کو راہِ صواب اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کو نشاۃِ ثانیہ عطا فرما کر اہل اسلام کو باطل قوتوں پر غلبہ بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

چہ گویم زاں فقیرے درد مندے
مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
خدا ایں سخت جاں را یار بادا
کہ افتاد است از بامِ بلندے

حوالہ جات

[۱] زید ابوالحسن فاروقی مجددی الازہری، مولانا، مولوی اسمٰعیل دہلوی اور تقویت الایمان، ناشر: ضیاء اکیڈمی، کراچی، جنوری ۲۰۰۴ء، ص:۴۳

[۲] ایضاً، ص:۴۶

[۳] ایضاً

[۴] ایضاً، ص:۳۳

[۵] ایضاً، ص:۴۲

[۶] ایضاً، ص:۴۹

[۷] ایضاً ص:۴۲، ۸۲، ۱۳۹

[۸] ایضاً، ص:۱۴۰

[۹] ایضاً، ص:۱۰، ۱۱

[۱۰] (ڈاکٹریٹ مقالہ) قمرالنساء، ڈاکٹر، العلامۃ فضلُ حقٍّ الخیر آبادی، مخطوطہ، ص:۱۵۲، بحوالہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور تقویت الایمان، ص:۸۲

[۱۱] (الف) تاریخِ عجیبیہ، ص:۸۶،

(ب) سیرتِ ثنائی، ص:۳۷۲

[۱۲] (الف) ہفت روزہ المشیر، مرادآباد، ۸/مارچ ۱۹۲۵ء، ص:۲، ۷، ۹، کالم

(ب) ''مولانا احسن نانا توی''، ص:۲۱۷،

(ج) روئداد مدرسۂ دیوبند ۱۳۳۲ھ، ص:۷، بحوالہ ماہنامہ فیض الاسلام، راولپنڈی، ستمبر ۱۹۶۰ء، (د) ماہنامہ ''الولی''، حیدرآباد، سندھ، نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ اور جنوری، فروری ۱۹۹۲ء، بحوالہ ''منزل کی تلاش'' مصنفہ محمد نجم مصطفائی، ص:۱۰۰ تا ۱۰۸

[۱۳] منزل کی تلاش، ص:۱۲۶ تا ۱۲۹

[۱۴] ایضاً، ص:۵۱، ۵۲، ۵۳

[۱۵] ایضاً، ص:۶۲ تا ۶۵

[۱۶] ملاحظہ ہو: حیاتِ طیبہ، مصنفہ جعفر تھانیسری، ص:۳۰۷، بحوالہ ''منزل کی تلاش''، ص:۴۶، ۵۳

[۱۷] منزل کی تلاش، ص:۲۲۵-۲۲۸

.... ☆☆☆ ....

ابلیس تا دیوبند

تحریر۔علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

والحمد للّٰہ والصلوٰۃ علی رسول اللّٰہ

پیش لفظ

ابلیس بذات خود آج کل کے کئی انسانوں سے بہتر پوزیشن میں ہے:

(1) وہ موحد ہے

(2) سب سے بڑے گناہ شرک سے مجتنب

(3) وہ مُلحد اور دہریہ نہیں ہے۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر پکارتا ہےاوراس کی عزت کی قسم کھا تا ہے۔

(4) یہ کہ یوم ِحشراور جزا پر بھی یقین رکھتا ہے

(5) وہ صرف انسان کا دشمن ہےاوراللہ تعالیٰ کا دشمن نہیں ہے۔اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

باوجود اینہمہ وہ جب لعنتی ہوا تو اس نے قسم کھائی تھی کہ ''لاغوینھم اجمعین '' میں ان بنی آدم کو گمراہ کروں گا''الاعبادك منھم المخلصین '' لیکن وہ جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں انہیں میں گمراہ نہ کرسکوں گا۔

ظاہر ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا اور لگا رہا ہے لیکن گمراہی سے مراد صرف عملی غلط کرداری مرادنہیں کیونکہ وہ تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم یا شفاعتِ امام الانبیاء ودیگر انبیاء ورسل اوراولیاء کرام وغیرھم کی شفاعت بخشی جائیگی نا قابلِ معافی جرم شرک وکفر اور غلط عقائد ہیں ۔فقیر اس تصنیف میں دلائل سے ثابت کرے گا کہ ابلیس کے عقائد کے کون سا فرقہ قریب یا مماثل ہے جب کہ آج کل دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر فرقہ شیطان سے برأت کا اظہار کرتا ہے لیکن اس تصنیف میں واضح ہوجائیگا کہ ابلیس کے ساتھ عقیدہ وطریقہ کی ہمنوائی کس فرقہ کو ہے جس فرقہ کے متعلق یقین ہوجائے اس سے دور رہنے کی کوشش

فرمائیے اور بس۔

وما علینا الاالبلاغ المبین

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ولا الٰہ الاھو والصلوٰۃ والسلام علٰی حبیبہٖ ھو عبدہٗ ورسولہ

ابلیس کی کہانی

یہ مشہور ومعروف کہانی ہے کسی سے اوجھل نہیں ہر مذہب اور ہر فرقہ کا ہر فرد اس سے نہ صرف واقف ہے بلکہ شب وروز کوشاں ہے کہ اس کے دامِ تزویر سے بچا جائے لیکن یہ بھی ایسا چالاک ہے کہ الٹا اس نے گمراہ فرقوں کو اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔جس کا انہیں شعور تک نہیں۔فقیر اس تصنیف میں کچھ عرض کرے گا جس سے واضح ہو جائے گا کہ اُس کے اِس دُنیا میں آلہ کار کون ہیں۔

ابلیس لعنتی ہونے سے پہلے

آدم علیہ السلام سے پہلے ہزاروں سال ابلیس بظاہر برگزیدۂ حق تھا۔اور طاعتِ حق تعالیٰ میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے جو اپنی مثال خود تھے۔نمونہ ملاحظہ ہو۔

تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً سوالاکھ برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جنات کو زمین پر آباد کیا تھا زمین میں جنوں کی نسل بود وباش کے لئے جگہ نہ رہی تو حق تعالیٰ نے کچھ جنات کو ہوا میں رہنے کے لئے جگہ عطا فرمائی اور کچھ پہلے آسمان پر رہنے لگے اور ان میں سلسلۂ توالد وتناسل بھی تھا۔انہیں میں ابلیس بھی تھا چنانچہ وہب بن منبہ کی طویل روایت کا ایک حصّہ یہ ہے:

وکان یلدمن الجان الذکر والا نثٰی ومن الجن کذالك توآمین فصاروا اسبعین الفاالتو الدواحتٰی بلغوا اعدادالرمل فتزوج ابلس امراۃ من ولد الجان وانتشر واحتٰی امتلا الاقطار اسکن اللہ الجان فی الھوا ابلیس واولا دۃ دفی السماء الدنیا وامرھم باالعبادۃ والطاعۃ فکانت السماء تفتخر علی الارض کان اللہ رفعھا

وجعل فیھا مالم یکن فی الارضo (الانس الجلیل)

ترجمہ: یعنی جنات کی افزائشِ نسل کا یہ عالم تھا کہ ایک حمل سے ایک لڑکا ایک لڑکی (جڑواں) پیدا ہوتے تھے جب ان لوگوں کی تعداد 70 ہزار ہوگئی اور بیاہ شادی کا سلسلہ جاری رہا تو پھر ان کی اولاد کی کوئی گنتی (حساب) نہ رہا ابلیس نے بھی بنوالجان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی اس کے بعد بہت سی اولاد پیدا ہوئی اور جان کی نسل کے لئے دنیا میں رہنے کے لئے جگہ نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے جان کو ہوا میں رہنے کے لئے مقام عطا فرمایا اور ابلیس اور اس کی اولاد کو پہلے آسمان میں رہنے کے لئے جگہ دی اور ان دونوں کو اپنی اطاعت وعبادت کا حکم بھی دیا اب چونکہ زمین خالی ہو چکی تھی اور زمین پر خدا تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر کرنے والا نہ تھا تو آسمان اپنی بلندی اور اپنے اندر ذاکرین کی جماعت کی وجہ سے زمین پر فخر کرتا تھا۔

زمین پر شر اور دنگا فساد کا آغاز

عرصہ دراز تک ہوا میں رہتے رہتے جب شیاطین گھبرائے تو انہوں نے حق تبارک وتعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں زمین پر رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حق تعالیٰ نے ازراہ لطف وکرم اجازت عطا فرمادی اور ان سے عہد ومیثاق لے کر تاکید کی کہ زمین پر پہنچ کر میری عبادت سے غافل نہ ہو جانا شیاطین اپنی شرارت سے کب باز آنے والے تھے کچھ عرصہ زمین پر رہنے کے بعد وہ طوفانِ بدتمیزی مچایا کہ زمین نے بھی پناہ مانگ لی۔ اس پر آسمان والوں نے زمین پر آنے کی درخواست کی چنانچہ ملاحظہ ہو:

"فاشرفت الجان علی الارض وقالت اھبطنا الی الارض فاذن اللہ لھم بذلک ان یعبدو ولا یعصون فاعطوہ العھن علیٰ ذلک ونزلو وھم الوف یعبدون اللّٰہ دھرا طویلا ثم اخذوا فی المعاصی وسفک الدماء حتیٰ استغاثت الارض منھم وقالت ان خلوی یارب احب لی۔" (الانس الجلیل)

اس کے بعد شیاطین نے حق تعالیٰ سے زمین پر رہنے کی اجازت مانگی اللہ نے اجازت دے دی اور ان سے اپنی عبادت واطاعت کا عہد لے لیا شیاطین ایک طویل زمانے تک خدا کی اطاعت کرتے رہے اس کے بعد گناہوں میں مبتلا ہو گئے ناحق خونریزی شروع کر دی زمین نے ان کی شرانگیزی سے پناہ مانگتے ہوئے اللہ سے

فریاد کی الٰہ العٰلمین بہتر تو یہی تھا کہ تو شیاطین کو میری پُشت پر آباد نہ کرتا۔

جنات وشیاطین کی خباثتوں اورشرارتوں کے نمونے

مذکورہ بالا شرارتوں اور خباثتوں میں ابلیس کو شامل نہ سمجھنا بلکہ وہ اس وقت مُصلحین میں سے تھا جیسا کہ آیئگا اور نہ ہی جنات وشیاطین کی معمولی شرارتیں تھیں وہ ایسے نامراد واقع ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ان کی جنس یعنی جنات سے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے جن کو ان خبیثوں نے شہید کرڈالا اور ایسے غلط اُمور کے مرتکب ہوئے جن سے دھرتی نے تنگ ہوکر فریاد کی تو ان کا مُصلح اکبر ابلیس مقرر ہوا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قال کعب الاحبار ان اول نبی بعثۃُ من الجان نبیاً منھم یُقال له عامر بن عُمیر ثم بعث لھم من بعد عامر صباعق بن ماعق بن ماردبن الجان فقتلوہo

ترجمہ: کعب احبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے سب سے پہلے جس نبی کو ہدایت کے لئے بھیجا تھا ان کا نام عامر بن عمیر بن الجان تھا جنات نے ان کو قتل کر دیا ان کے بعد صاعق بن ماعق بن ماردبن الجان کو بھیجا تو وہ بھی جنات کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

فائدہ : روایت مذکورہ بالا میں حضرت کعب نے فرمایا کہ:

” حتٰی بعث اللّٰہ الیھم ثمانمائۃ نبی فی ثمانمأۃ سنۃ فی کل سنۃ نبیاوھم یقتلولھم ۔“

جنوں کی سرکشی اور بدکرداری دیکھ کر حق تعالیٰ نے 800 رہبر 800 سال میں بھیجے ہر سال ایک رہبر آتا رہا اور جنات اُس کو شہید کرتے رہے۔

فـــائدہ : عجائب القصص میں جنات کے جن انبیاء کی بعثت اور جنات کی کفروسرکشی کا حال اس طرح لکھا ہے:

چوں اولاد ابو الجان برزمین از تولد وتناسل بسیار شد ندحق تعالیٰ ایشان رابشیر یعنی تکلیف نمودہ وبطاعت وعبادت خودفرمود ایشان قبول نمودند وخوشحال درجھان فانی زندگانی میکر دند تاآنکه یك روزثه ثوابت که نزد بعضے حکماء عبارت از سی وشش ھزار سال است انتھارسید اماچون خلقت ازناربود مظھر تجلی قھراست بعدازاتمام حجت ھمه متکبران ایشال رابانواع وعقاب ھلاك گرد انید ندوبعضی ایشان برجادئه شریعت مستقیم بودند سالم ماندند بعدازان خداتعالیٰ ھم ازاں نبی الجان

شخصے رابر ایشان والی گرد ایندوشریعت جدید ایشان راعطا فرمود چون ذورہ دیگر عبارات ازاں در از فرمان است گذشت بعضے ازایشان کل شئی یرجع الی اصلہ طریق نافرمانی پیش گرفتند لاجرم حکم الٰہی بافتاواعدام ایشال صددرگشت واز نسل بیتہ آں طبقہ کہ بواسطہ استقامت برجادئہ طاعت سلامت ماندہ بودند شخصے حاکم ایشاں گشت وچوں دوئہ سوم نیز منتھیٰ شد باز آغاز فساد ازاں نہادایں طائفہ سرزد بعذاب حضرت باری تعالیٰ سبحانہٗ گرفتار شد ند واز ھمائے ایشاں نوح قلیل باز پسماندہ بودند بمر ورایام خلقے کثیر پیدا آمدنہ لیکن ازایشاں کہ ھزیور فضل ودانش آراستہ ولسلاح صلاح پراستہ بود ند والی گشتہ مدتے ام معروف ونھی منکر و بیان احکام کردواد آنکہ ازانجہان رحلت نمود بعدازں چوں بدترین ابن الجان کفران نعمت وعصیاں ورزیدند باری شانہ رسولاں فرستادوازنصائح وواعظ ایشاں اصلا آگاہ نہ شدند ودورہ چھارم نیز عام گشت باقتضائے الٰہی جماعت ملائکہ بحریہ ایں طائفہ نامزد گشت واز آسمان نزول کردہ بابنی الجان جنگ نمودند۔

یعنی جس وقت زمین پر جنات کی آبادی بڑھ گئی حق تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا جنات حکم الٰہی میں کمربستہ رہے جس وقت جنات کو دنیا میں آباد ہوئے 36 ہزار سال گذر گئے تو کفر اختیار کر کے موردعذابِ الٰہی بنے حق تعالیٰ نے تمام متکبروں کو ہلاک کر دیا اور باقی ماندہ نیک بخت افراد میں سے ایک شخص کو حاکم بنا کر نئی شریعت عطا فرمائی۔

دوسرا دور

یعنی مزید 34 ہزار سال پورے ہونے کے بعد پھر گمراہی اور نافرمانی اختیار کی اس بار بھی عذاب الٰہی نے ان کو ٹھکانے لگا دیا جو لوگ بچ رہے تھے ان میں سے پھر حق تعالیٰ نے ایک صاحب کو حاکم بنایا تیسرا دور ختم ہوتے ہی پھر فتنہ وفساد کا دور شروع ہو گیا حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوا نافرمان لوگ ہلاک کر دیئے گئے باقی ماندہ نیک لوگوں میں سے پھر حق تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا۔ جب تک یہ شخص زندہ رہا جنات کو دعوت دیتا رہا۔اس شخص کی وفات کے بعد جنات میں کوئی نیک شخص باقی نہ رہا زمین پر شریر جنات کے سوا کسی نیک جن کا وجود نہ رہا حق تعالیٰ نے فرشتوں کی فوج بھیج کر اشرار جنات کا قتل عام کر دیا بے شمار ہلاک ہوئے جو بچ گئے وہ پہاڑوں وغاروں میں جا چھپے۔

دعوتِ غور وفکر

یہ ہے کہ جنات کی ایک لاکھ 44 ہزار سال کی تاریخ اوران کی شرارتوں اورسیاہ کارناموں کا ایک مختصر خاکہ جن کی اصلاح ناممکن نہیں تو مشکل ضرورتھی اسی لئے ایسے شرارتیوں اورفسادیوں کے لئے زبردست مُصلح چاہیئے اوروہ اپنی اصلاحی قوت سے ان کی کایا پلٹ دے اوریقین مانئے ایسے مُصلح کارروائی اورایسی کامیاب پالیسی سے ہم سب کا متاثر ہونا لازمی ہے کہ ایسے بدمعاشوں کو اپنی اصلاح سے نہ صرف انہیں اپنے جیسا مصلح بنا دیا بلکہ ملائکہ کرام کوبھی اس کی پالیسی نے دنگ کردیا کون تھا دل کے کان کھول کر سنئے وہ تھا ابلیس۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

پہلا امیر جماعت

800 سال کی طویل جدوجہد کے باوجود جنات بدکاری سے باز نہ آئے تو حق تعالیٰ نے آسمانِ اول پر رہنے والے جنات کو زمین پر رہنے والے جنات کے قتل عام کے لئے بھیجا اس فوج کا سپہ سالار ابلیس تھا ابلیس نے زمین پر آتے ہی جنات کو ٹھکانے لگادیا،حضرت کعب احبار فرماتے ہیں:

فلما کذبوالرسل اوحی اللہ الیٰ اولاد الجان فی السماء ان انزلوا الی الارض وقاتلومن فیھا اولاد الجان وامرعلیھم الابلیس اللعین ومن کان معہٗ حتی ادخلھم الی تقعد من الارض فاجتمعووفیھا فارسل اللہ علیہ بالا ناحرقتھم ومکن ابلیس الارض مع الجن وعبداللہ حق عبادتہ فکانت عبادۃ اکثر من عبادتھم۔" (الانس الجلیل)

ترجمہ : غرض جنات نے جب رسولوں کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر رہنے والے جنات کو حکم دیا کہ تم زمین پر جاکر جنات کو قتل کردو اور ابلیس کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا ابلیس کی فوج نے زمین پر آتے ہی قتل عام شروع کردیا جنات بھاگ پڑے۔ایک مقام پر پناہ گزیں ہوئے تو وہاں آگ آکر ان کو جلاگئی۔زمین پر ابلیس اوراس کی فوج آباد ہوگئی۔ابلیس نے اس مرتبہ اس قدر عبادت کی کہ باید وشاید مندرجہ بالا تقریر سے آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ شیطان ابلیس کا کارنامہ کتنا بلند تھا اورپھر اس کی عبادت کا کیا کہنا اندازہ لگایئے کہ شیطان ابلیس جیسا کوئی نیک نہ تھا۔گویا نیکی یعنی نیک عملی اس پر ختم تھی لیکن اس کے باوجود وہ لعنتی ٹھہرا اورجہنمیوں کا سردار۔

ابلیس کا سنھری کارنامہ

ابلیس چونکہ عبادتِ الٰہی کا دلدادہ تھا اس کا تمام وقت عبادت میں گذرتا تھا۔ خداتعالیٰ نے اس کوآسمان پربُلا لیا فرشتے اس کی عبادت دیکھ کر ششدررہ گئے۔فرشتوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ ایسا عبادت گذاراورفرمانبردار بندہ فرشتوں میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔حق تعالیٰ نے فرشتوں کی درخواست قبول فرما کرابلیس کوفرشتوں کی جماعت میں شامل کیا۔ابلیس ایک ہزارسال تک پہلے آسمان پر رہا۔عبادت کا ذوق و شوق چونکہ روزافزوں تھا۔حق تبارک وتعالیٰ نے اس کوترقی عطافرما کردوسرے آسمان پراُٹھالیا یہاں بھی عبادت کرتا رہا پھروہاں سے اسے تیسرے آسمان پراُٹھالیا گیا۔غرض اسی طرح عبادت میں ترقی حاصل کرتے کرتے ساتویں آسمان پرپہنچ گیا۔ جنت کے فرشتے رضوان علیہ السلام کی سفارش پرابلیس کو جنت میں داخلہ کی اجازت مل گئی اورشیطان بصداعزاز واحترام جنت میں رہنے لگا۔ابلیس جنت میں پہنچ کربھی عبادت کرتا رہا فرشتوں کی تعلیم وارشادات کے فرائض انجام دیتا رہا۔ابلیس کے درس وخطابت کی یہ شان تھی کہ عرش کے نیچے یاقوت کا منبر لگایا جاتا تھا سرپرنُور کا پھریرا فضامیں لہراتا تھا۔

رُوح البیان کا حوالہ

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسے رئیس الملائکہ کا خطاب حاصل تھا اور وہ تمام ملائکہ سے اعلیٰ بلکہ معلّم الملکوت تھا اورعبادت میں تو ضرب المثل تھا اس نے آسمان وزمین کے چپے چپے پرعبادت کی اوراللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں اتنا زور لگایا کہ فرشتوں نے اسے اپنا استاذ اورسردار مان لیا۔ (روح البیان)

قبل از لعنت ابلیس کی شان وشوکت

زمین پر بہت طویل عرصہ تک ٹھہرے رہے۔تقریباً ستر ہزارسال پھراُن میں حسداور بغاوت پھیلی اورلڑے مرے۔اُن کی طرف فرشتگاں کوبھیجا جن کا امیر ابلیس جس کا نام عزازیل تھا۔اُن سے علم میں زائد تھا۔زمین پراُترتے ہی جنات کوشکست دی۔اورانہیں زمین سے نکال کر، دریاؤں اور پہاڑوں کی غاروں میں بھگادیا۔ اورخودوہیں رہنےسہنے لگے۔اب ان پرعبادت آسان ہوگئی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ ملائکہ جوآسمانوں پر بلند ہیں۔ خوف زدہ زیادہ ہیں اور جوملائکہ آسمان دُنیا میں ہیں وہ بہ نسبت دوسروں کے آسانی میں ہیں۔بہرحال ابلیس کو زمین وآسمانِ دنیا کی سلطنت دی گئی۔اوربہشت کا خزانہ بھی سپرد ہوا۔اس کے دوزمرد کے پر تھے۔بنابریں کبھی

زمین پرعبادت کرتا کبھی آسمان پر اور کبھی جنت میں، اسی وجہ سے اُسے عُجب (غرور) لاحق ہوا اور اپنے دل میں لگا کہنے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی شاہی اس لئے دی کہ مجھ سے زیادہ مکرم ملائکہ میں کوئی ہے نہیں۔ (روح البیان)

(۱) ابلیس سوا لاکھ سال کارہائے نمایاں سرانجام دیتا رہا یہاں تک کہ جملہ رہبرانِ قوم سے سبقت لے گیا۔

(۲) جہاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی فوج جنات کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور سرتوڑ جدوجہد سے زمین باغیوں سے پاک وصاف ہوئی، جس کے صلہ نے دُنیوی سلطنت کا واحد بادشاہ بنادیا کہ زمین پر جملہ مکین اس کے زیر نگین تھے۔

(۳) دنیوی سلطنت اور وجاہت وسطوت اس کی نظروں میں کچھ نہ تھے وہ صرف اور صرف عبادت الٰہی کا عاشق تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر بلالیا جس کی عبادت کو دیکھ کر فرشتے انگشتِ بدنداں اور حیران وششدر رہ گئے، کروڑوں سال عبادت کرنے والے اپنی عبادات کو اس کے سامنے حقیر ولاشے خیال فرمارہے ہیں۔ یہی بات ہم آگے چل کر ثابت کرنے والے ہیں کہ ابلیس تا دیوبند جملہ ابلیسی چیلے عبادت میں ایسے بلند مرتبہ ہونگے کہ دوسرے سینکڑوں سال والے اپنی عبادات اور نماز وروزہ کو حقیر سمجھیں گے۔

(۴) بارگاہِ حق میں عبادت کو ایسا سجا کر پیش کیا کہ خود خالق کو اس سے ایسا پیار ہوا کہ اسے نہ صرف ساتویں آسمان تک بلالیا گیا بلکہ بہشت کے چیف افسر حضرت خازن فرشتے کو استدعا کرنی پڑی کہ ابلیس کے بغیر جنت کی زیب وزینت گویا بے زیب ہے پھر ادب واحترام کے ساتھ بہشت میں پہنچایا۔

(۵) بہشت میں درس وتدریس اور خطابت کوئی معمولی عہدہ نہیں۔ بادشاہی مسجد کے خطیب کے اعزاز کو دیکھ لو وہ کیسی سج دھج سے زندگی بسر کرتا ہے گورنمنٹ یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگری والے بھی عہدے دار کا کیا مرتبہ ہوتا ہے کہ جملہ ارکان دولت واعیان سلطنت اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور یہاں تو احکم الحاکمین کی بہشت کی خطابت اور ملکوتیوں کی تدریس کا صدارتی عُہدہ ہے کہ جس کے آگے جبرائیل ومیکائیل ودیگر مقربین ملائکہ علیہم السلام سرنگوں پھرتے ہیں اس کا جوتصور ناظرین ذہن میں جمائیں ابلیس کی شان وشوکت کے شایانِ شان پھر بھی پورے نہ اتر سکیں گے۔ لیکن اس کا انجام بھی نہ بھولئے کہ جب اس نے محبوبِ خدا اور اس کے پیارے پیغمبر کی نیازمندی سے منہ موڑا اور گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کیا تو وہی تلمیذانِ ذی قدر ملکوتی تھے جو لعنت لعنت کہہ رہے تھے اور نہایت ذلت وخواری سے دھکے دے کر اسے بہشت سے باہر نکال دیا اور تا حال

لعنت و پھٹکار کے ڈوگر برسا رہے ہیں تا قیامت اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔

(۶) اتنے بڑے اعزاز کے باوجود خطاب کے لئے جو یاقوت کا منبر بچھایا جاتا وہ عرش کے نیچے ہوتا کہ اس سے بڑھ کر آگے کوئی منبر نہ تھا سوائے عرش الٰہی کے۔

(۷) جب تک خطاب یا تعلیم وارشاد ملائکہ میں مصروف رہتا سر پر نور کا پُھریرا فضاء میں لہراتا جاتا۔ یہ وہی ابلیس ہے جس پر ہم سب لعنت کرتے نہیں تھکتے یہ کوئی معمولی شخصیت نہ تھا بلکہ اس وقت وہ بزعم خویش خدا تعالیٰ کے بعد شان وشوکت میں اول نمبر پر تھا۔لیکن مارا گیا تکبر سے نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی و گستاخی سے۔

جس کا سبب اور موجب تکبر بنا۔ نہ صرف تکبر یا سجدہ نہ کرنا جیسا کہ بعض لوگوں نے عوام میں مشہور کر رکھا ہے کہ شیطان نماز کا ایک سجدہ نہ کرنے اور تکبر کی وجہ سے مارا گیا اس سے ان کی مُراد جو بھی ہو لیکن ان کی یہ بات صحیح مان لی جائے تو خوارج ومعتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک کبائر (کبیرہ گناہ) کا مرتکب کافر اور دائمی جہنمی ہو جاتا ہے اور اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ کبائر کا مرتکب فاسق وفاجر ہے اسے اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ بخش دے چاہے جرم کی سزا کے بعد بخشے لیکن نہ وہ لعنتی ہے نہ وہ کافر اور نہ ہی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔لیکن خوارج ومعتزلہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے۔

نتیجہ نکالئے

ابلیس صرف سجدے نہ کرنے اور تکبر سے مارا جاتا تو وہ بقاعدہ اہلسنّت نہ لعنتی ہوتا اور نہ دائمی جہنمی کیونکہ یہ دونوں فعل عقائد میں شامل نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہیں حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ ابلیس نہ صرف لعنتی اور جہنمی بلکہ وہ تمام لعنتیوں اور جہنمیوں کا سرغنہ ہے وہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ گستاخ اور بے ادب تھا۔یہی ہم کہتے ہیں کہ جو بھی نبوت وولایت کا گستاخ اور بے ادب ہو اس کی نجات ناممکن بلکہ محال وممتنع ہے چنانچہ حضرت علامہ جامی قدس سرہ نے فرمایا

محمد بخشد گنہگار حق را ☆ ولے حق نہ بخشد خطائے محمد

اس سے ثابت ہوا کہ عقائد صحیحہ نجات بخشتے ہیں اور عقیدۂ بد تباہ وبرباد کرتا ہے اگرچہ اعمال صالحہ کی بہتات ہو۔تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ’’نجات عقیدہ میں ہے۔‘‘

لعنت کے بعد ابلیس کا برا حال

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انکار سجدۂ آدم کے بعد ابلیس کا جسم خنزیر کی شکل میں اور چہرہ بندر کی طرح ہوگیا۔صورت ہیئت نعمت سب کچھ چھین لیا گیا۔اور مندرجہ ذیل سزاؤں کا مستحق ہوا۔

(۱) تمام روئے زمین اور آسمان اول کی بادشاہت کے علاوہ جنت کے افسرِ خزانہ کے عہدہ سے محروم کردیا گیا ۔بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک بہشت کا داخلہ بند۔(۲) حق تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوا۔(۳) عزازیل نام تبدیل کر کے ابلیس نام تجویز کیا گیا۔(۴) بدبخت لوگوں اور کفار کا پیشوا بنادیا گیا۔(۵) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون و مردود بنادیا گیا۔(۶) معرفت الٰہی کی دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔(۷) توبہ کا دروازہ اس کے لیے بند کردیا گیا۔(۸) نیکی سے ہمیشہ کے لیے محروم کردیا گیا۔(۹) تمام دوزخیوں کا خطیب مقرر رہا۔

فائدہ : اس سے ثابت ہوا کہ گستاخِ رسول علیہم السلام وصحابہ عظام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کا بے ادب اس دنیا میں حاجی ہو، مفتی، قاضی، نمازی، مجاہد، زاہد، متقی پرہیزگار اور قوم کا سب سے اونچا اور عوام کا محبوب و مقتداء اور سب کچھ ہو لیکن قیامت میں جہنم کے کتوں سے ہوگا۔ جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا "الخوارج کلاب النار" بدمذاہب (خوارج) جہنم کے کتے ہیں۔

یہ کوئی مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ٹھنڈے دل سے کوئی غور فرمائے تو سمجھ آجائے گا (ان شاءاللہ عزوجل)

آدم علیہ السلام سے بغض و عداوت

سب کو معلوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ منتخب فرما کر ان کی تعظیم وتکریم کے لیے سجدۂ تحیہ کا حکم فرمایا تو ابلیس کے سوا تمام ملکوت نے تعظیم وتکریم کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،(فسجدوا الا ابلیس)سب نے سجدہ کیا ابلیس کے سوا۔

روح البیان میں ہے کہ جب ملائکہ سجدہ میں گرے تو ابلیس نے آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر پیٹھ کر لی یہاں تک کہ وہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور سجدہ میں ایک سو سال تک پڑے رہے۔بعض روایات میں پانچ سو سال آیا ہے۔جب انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ابلیس کھڑا ہوا ہے بلکہ الٹا آدم علیہ السلام سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور اس فعل سے نادم بھی نہیں ہوتا بلکہ الٹا عزم بالجزم میں ہے۔تو اس کے امتناع اور اپنی فرمانبرداری کی توفیق کی وجہ سے ملائکہ دوبارہ سجدہ میں گرے۔ان کے لیے دو سجدے ہوگئے۔ایک آدم علیہ السلام کے لیے، دوسرا اللہ تعالیٰ

کے لیے تھا۔ جب یہ سجدہ کر رہے تھے ابلیس دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت مسخ کر دی جس کی تفصیل پہلے گذری ہے۔

صرف اور صرف گستاخی اور بے ادبی

تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے لعین ورجیم ہوا۔ لیکن مخالفین کہتے ہیں چونکہ اس نے امر الٰہی عزوجل یعنی حکم خداوندی سے منہ موڑا اسی لیے ملعون ہوا۔ ہم کہتے ہیں اس طرح سے تو ہر بندے کو حکم الٰہی عزوجل سے منہ موڑ نیپر ملعون ہوجانا چاہیے بلکہ حقیقت وہی ہے کہ حکم خداوندی چونکہ محبوب کی تعظیم وتکریم کے متعلق تھا اور وہ ابلیس سے نہ ہوسکا اسی لیے ملعون ومردود ہوا ۔

خدا کے ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا

بجز حبِ نبی کامل ایماں ہو نہیں سکتا

اللہ کے محبوب آدم کی تعظیم وتکریم

آدم علیہ السلام کا اللہ تعالی کا نائب اور خلیفہ منتخب ہونا ہمارے لئے باعثِ صد افتخار ہے ان کی تعظیم وتکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو ابلیس سمیت سجدہ تحیہ (تعظیم) کا حکم فرمایا تو اس تعظیم وتکریم کو توحید کے منافی سمجھ کر انکار کیا تو صرف ابلیس نے۔ حالانکہ جملہ ملائکہ کرام جبریل علیہ السلام سمیت توحید پرستی میں ابلیس سے کچھ کم نہ تھے۔ لیکن انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم عین توحید ہے اسی لیے ہم بحمدہ تعالیٰ انبیاء اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی تعظیم وتکریم وآداب کو عین اسلام سمجھتے ہیں اور دوسرے فرقے انہیں شرک وبدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دور حاضرہ میں حق وباطل کا نکھار اسی سے ہوتا ہے کہ جو محبوبان خدا کی تعظیم وتکریم بجالاتا ہے وہ مومن ہے۔ اور جو اس دولت سے محروم ہے وہ ابلیس کا چیلہ ہے۔

عداوتِ ابلیس کا آغاز

جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہے۔

اسی وقت سے اس نے قسم کھائی کہ اولاد آدم کو اپنے جیسا بناؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کو مؤکد فرما کر اعلان فرمایا کہ ایسی اولاد آدم کو ابلیس کے ساتھ جہنم میں دھکیلوں گا۔

” کماقال تعالیٰ لاملئن جھنم منك وممن تبعك منھم اجمعین ۔“

اے ابلیس میں تجھے اوران میں سے جو تیری تابعداری کرے گا جہنم میں دھکیلوں گا۔

اس سے واضح ہوا کہ آدم علیہ السلام کا پہلا دشمن ابلیس ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اولا دآدم کو ہمنوا بنائے۔

ابلیس کی تا بع داری کی تشریح

ابلیس کی تابعداری دوقسم کی ہے (1)عقائد میں (2)اعمال میں۔

شیطان ان دونوں میں اولا د آدم کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا تا ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں خرابیوں (خرابی عقائد واعمال) کی تابعداری انسان کو تباہ وبرباد کرتی ہے لیکن اہلسنّت کے اصول پر بدعملی اور غلط کرداری کی معافی کی اُمید ہوسکتی ہے لیکن بداعتقادی یعنی شیطان کے عقائد سے مطابقت ہوتو اس کی نجات صرف ناممکن نہیں بلکہ ممتنع ہے۔

نوٹ : یادرہے کہ ابلیس کی اتباع سے بھی اعتقادی تابعداری مراد ہوسکتی ہے اس لئے کہ بداعمالی سے خلودنار کا عقیدہ خوارج کا ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان (ابلیس) کے وجود سے بدعملی صادر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے ذاتی طور نیکی صُدور ہوگئی ہے۔صرف دوشواہد ملاحظہ ہوں۔

ابلیس رشوت خور نہیں

اُسامہ ظالم حاکم مصر کے کارناموں سے خوش ہوکر ایک دن سلیمان (خلیفہ) کسی سے کہتا ہے رشوت میں ایک دینار بلکہ ایک درہم تک نہیں لیتا۔عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) بولے میں آپ کو ایک ایسا متنفس بتا تاہوں جو اسامہ سے زیادہ بُرا ہے حالانکہ وہ بھی ایک درہم تک رشوت نہیں لیتا۔سلیمان نے پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ''اللہ کا دشمن ابلیس۔'' (النجوم الزاہرہ جلد ا صفحہ ۲۳۱)

ابلیس نمازی

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک پری مشرف با اسلام ہوئی اوراکثر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ایک بار عرصہ تک حاضر نہ ہوئی۔سبب دریافت فرمایا،عرض کی، حضور میرے ایک عزیز کا ہندوستان میں انتقال ہوگیا تھا وہاں گئی تھی،راہ میں میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا ہے میں نے اس کی یہ نئی بات دیکھ کر کہا کہ تیرا تو کام نماز سے غافل کردینا ہے تو خود کیسے نماز پڑھتا ہے۔اس نے کہا کہ شاید اپنے فضل وکرم سے باری تعالیٰ میری نماز قبول فرمائے اور مجھے بخش دے

۔(ملفوظات جلد ۱صفحہ ۱۴ تا ۱۵)

نوٹ : اس کی ہر برائی اور اعمالِ صالحہ کے بارے میں نمونہ کے طور پر عرض کیا ہے ورنہ ان کے جملہ نیک اعمال کا یہی حال ہے اور برائیوں کا کام تو اس سے ہوتا نہیں، ہاں دوسروں سے سب کچھ کرا لیتا ہے۔

مزید براں

اس سے یہ نہ سمجھیں کہ ابلیس بُرائی نہیں کرتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی جو اس کی ذات سے متعلق ہو وہ خود نہیں کرتا مثلاً ظاہر ہے کہ شیطان زانی نہیں، چور نہیں، ڈاکو نہیں کہ کسی کا مال چھین لیتا ہو اور نہ ہی دوسری عملی غلط کاریوں میں مبتلا ہے بلکہ وہ تو اعمالِ صالحہ کے لحاظ سے تا حال ویسے پابند ہے جیسے پہلے تھا۔ اور توحید میں رئیس الموحدین ہے، یہاں تک کہ اب اس کا نام پوچھنا ممکن ہو تو عزازیل عبداللہ (یعنی اللہ کا بندہ) نام بتائے گا۔ ابلیس، شیطان، رجیم وغیرہ نہیں بتائیگا۔

اس طرح

اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کو مانتا ہے اور اس کی عبادت کو حق سمجھتا ہے اسے ضد ہے یا دشمنی وعداوت اور بغض ہے تو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام سے اسی لئے ملعون ہے رجیم ہے۔ مردود ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی ہمارا موضوع ہے اسی عقیدہ میں جو بھی شیطان وابلیس کا ہمنوا ہے وہ بھی اسی کا دوست ہے یا سمجھو چیلہ۔ ایسے چیلے اس نے تیار کرنے ہیں جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں بار بار بتایا۔ ابلیس کے چیلے جنوں میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی، بلکہ قرآن مجید کا اختتام اسی مسئلہ پر ہوا کہ ''من الجنة والناس۔'' اور فقیر عرصہ سے اس قسم کے چیلوں سے بچنے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

محبوبِ خدا اور ابلیس

اس بحث میں ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ابلیس نے محبوبِ خدا ﷺ کی گستاخی اور بے ادبی اور ان کے ساتھ دشمنی اور بغض وعداوت میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ کیا کیا۔

حدیث : ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ میرے محبوب (حضرت) محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ جو کچھ تجھ سے پوچھیں اس کا جواب دے۔ چنانچہ شیطان ایک بڈھے کی شکل میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں شیطان ہوں، فرمایا کیوں آیا ہے؟ کہا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ

میں آپ کے پاس آؤں اور آپ جو پوچھیں اس کا جواب دوں ۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اچھا یہ بتا میری امت میں تیرے دشمن کتنے ہیں؟ شیطان نے جواب دیا، پندرہ، فرمایا کون کون سے؟ شیطان نے کہا، سب سے پہلے تو میرے دشمن آپ ہیں۔ دوسرا میرا دشمن انصاف کرنے والا حاکم ہے۔تیسرا متواضع دولت مند، چوتھا سچ بولنے والا تاجر، پانچواں خدا سے ڈرنے والا عالم، چھٹا ناصح، ساتواں رحمدل مومن، آٹھواں توبہ کرنے والا، نواں حرام سے بچنے والا، دسواں ہمیشہ باوضو رہنے والا، گیارھواں صدقہ وخیرات کرنے والا، بارھواں نیک اخلاق رکھنے والا، تیرھواں لوگوں کو نفع پہنچانے والا، چودھواں قرآن پڑھنے والا، پندرھواں رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنے والا ۔(روح البیان)

فائدہ: اس حدیث پاک سے میرا مقصد اتنا ہے کہ ابلیس کی سب سے بڑی دشمنی ہمارے نبی پاک ﷺ کے ساتھ ہے اس نے اپنے دشمن کی دشمنی کے لئے کیسے کیسے دُکھ برداشت کئے۔اس سے سوچئے کہ اب نبوت دشمنی کا ثبوت کون دے رہا ہے۔

عقیدہ

سب سے پہلے یہ یاد رکھ لیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ معصوم ہیں ۔اور اللہ عزوجل آپ ﷺ کے لئے کافی ہے۔اس سے کہ شیطان آپ ﷺ کے جسم میں اذیتوں کے انواع سے کوئی اذیت پہنچائے ۔اور آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں وسوسہ رسانی کرے یعنی شیطان کو یہ مقدور نہیں ہے کہ وہ آپ کو جسمانی ایذا پہنچائے یا آپ کے پاک دل میں کوئی وسوسہ ڈالے۔

حضور ﷺ کا شیطان مسلمان

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''نہیں تم سے کوئی مگر مقرر کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کا ساتھی جنوں سے اور اس کا ساتھی فرشتوں سے ۔انہوں نے عرض کیا اور آپ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا اور میرے ساتھ بھی ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر مدد دی۔پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

مشیر خیر شیطان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس معنی میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔بعض راویوں نے حدیث میں

یہ کلمہ زیادہ کیا ہے۔فلایامرنی الا بخیر ، مجھے وہ صرف نیکی ہی کی بات کہتا ہے۔حدیث کا لفظ اَسْلَمَ بالفتح بعض دیگرروایات میں میم کے ضمّہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ میں اس کے شر سے محفوظ رہتا ہوں ۔بعض محدثین نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے ۔اوراس کو ترجیح دی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا قریب یعنی ساتھی کفر سے نکل کر اسلام کی طرف آ گیا ہے۔یعنی وہ فرشتہ کی طرح ہوگیا ہے وہ نہیں حکم دیتا مگر نیکی کا۔یہ ظاہر حدیث ہے۔اوربعض محدثین نے حدیث میں فاستسلم (اسے روایت کیا ہے) قاضی ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں ۔

فائدہ : جب کہ یہ حکم آپ کے شیطان اورآپ کے قرین کا ہے۔جو بنی آدم پر مسلط ہے۔پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو آپ کے بعد ہوئے اور جن کو آپ کی صحبت وقربت نصیب نہیں ہوئی ۔

واقعات دشمنی ابلیس

شیاطین بہت جگہوں پر آپ کے درپے آزار ہوئے ہیں اس بات میں رغبت کرتے ہوئے کہ آپ ان کی دام تز دیر میں آ ئیں لیکن پا کیزہ نفس کو مردود کب ورغلا سکتا تھا مگر اس کے باوجود کوشش کی کہ آپ کو اپنی طرف مشغول کردیں۔مگر نا کام ہوکر پلٹ گئے ۔جیسا کہ ایک بار ایک شیطان نے نماز کی حالت میں آپ سے تعرض کیا تو آپ نے اس کو پکڑ کر قید کردیا۔

شیطان بلّی کی شکل میں

صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا (عبدالرزاق نے کہا کہ بلّی کی صورت میں آیا) اس نے میری نماز کو قطع کرنے کے لئے مجھ پر حملہ کیا۔تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دی۔میں نے اسے دھکا دینے کا ارادہ کیا کہ اس کو ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح کو تم بھی اس کو دیکھ لو پھر میں نے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کا قول یاد کیا،''رب اغفرلی وھب لی ملکا ''(الآیہ) ''اے میرے رب مجھ کو بخش دے اور مجھ کو ایسا ملک دے جو کسی کے لئے نہ ہو''۔اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

آگ لے کر آیا

حدیث ابودرداء میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا دشمن میرے پاس آگ کا انگارہ لے کر آیا

اس کو میرے منہ پر مارے (اس وقت نبی ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس سے اللہ کی پناہ مانگی اور اس پر لعنت کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس سے پہلی بات ذکر کروں اس کے آگے وہی ذکر کیا جو پہلے ذکر ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو پکڑ کر باندھتا تو صبح کو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ ایسے ہی اسراء حدیث میں آیا ہے کہ ایک عفریت نے آگ کے شعلہ کے ساتھ آپ کا تعاقب کیا تو جبرئیل نے آپ کو وہ کلمات سِکھائے جن سے آپ اس کے شر سے اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ مانگیں جو ذکر ہوئے۔

شیطان نجدی

جب شیطان براہِ راست شر پہنچانے سے عاجز آ گیا تو پھر اس نے آپ کو شر پہنچانے کے لئے آپ کے دشمنوں کو اس کا واسطہ بنایا۔ جیسا کہ جب قریش حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ایک محفوظ مقام پر باہمی مشورہ کے لئے بیٹھے تو شیطان ایک نجدی شیخ کی صورت میں ان کے پاس آیا۔

شیطان غزوۂ بدر میں

بدر میں سراقہ ابن مالک کی صورت میں ان کے پاس آیا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا: واذزین لھم الشیطان اعمالھم ۔الآیۃ ''اور جب ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کیا''۔ ایسے ہی ایک بیعت عقبہ کے وقت میں وہ لوگوں کو آپ کے حال کے ساتھ ڈرا رہا تھا۔ ان تمام مواقع میں شیطان نے رسول خدا ﷺ کی عداوت و دشمنی میں کسر نہ چھوڑی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

ہر نبی (علیہ السلام) اور ولی

شیطان کا حملہ ہر ایک پر ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء کرام یا عوام، صرف فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیائے کرام محفوظ۔ ہاں عوام پر داؤ چلا لیتا ہے اگر جس خوش قسمت کو کسی ولی کامل کا دامن نصیب ہوتا ہے تو وہ بھی اس کی شرارت سے بچ جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے کسی کو بچالے ورنہ عموماً عوام کا اس کی شرارت سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔

اولیاء سے شیطان کی پناہ

شیطان ابلیس سے پوچھا گیا کہ تم ابومدین (ولی اللہ کامل) کو گمراہ کرنے میں کس قدر کامیابی کی امید رکھتے

ہو اس نے جواب دیا ہمارا انہیں گمراہ کرنا ایسے ہے جیسے بحرِ محیط میں پیشاب کیا جائے یعنی ہم اپنی عادت پر مجبور ہو کر اگر انہیں کچھ کہتے بھی ہیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں، جیسے بہت بڑے دریا میں پیشاب کر دیا جائے تو دریا کا کیا بگڑتا ہے یا جیسے سورج کے انوار کو پھونکوں سے بجھایا جائے یعنی جیسے انوار شمسی کو پھونکوں سے بجھانے والا ایک احمق اور پاگل سمجھا جاتا ہے ایسے ہی حضرت ابو مدین رضی اللہ عنہ کو گمراہ کرنے والے کو ہم اپنی برادری (شیطان) میں پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں۔(روح البیان از مسئلہ الحکم)

نبی علیہ السلام کے بچپن کا دشمن

ابلیس، رسول اللہ ﷺ کا بچپن سے دشمن تھا۔ بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ اپنی عزت وعظمت کو گاہے گاہے ظاہر فرما دیتا تھا جسے آپ کے بڑے سے بڑے دشمن بھی اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ابلیس بد بخت ایسا ضدی دشمن ہے کہ یہ رفعت شان جاننے کے باوجود اپنی ضد کا پکا ہے پھر باوجود یہ کہ سمجھتا ہے کہ اس کی شرارت سے عزت و عظمت میں کمی نہیں آئے گی لیکن عزت گھٹانے کے لئے اپنے طور زور لگاتا رہتا ہے چنانچہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود کی تنصیب کے وقت اس نے جو گل کھلائے وہ اس کی نبوت دشمنی کی واضح دلیل ہے۔

جب قریش تعمیر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں حجرِ اسود نصب کرنا تھا تو ہر قبیلہ نے اپنا پتھر رکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ حجر اسود کے نصب کی سعادت سوائے اس کے کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ اس سے سخت اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا یہاں تک کہ سب جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور بعض قبائل نے دستورِ عرب کے مطابق خون کا پیالہ بھرا اور اس میں انگلیاں ڈبو کر عہد کیا کہ ہم مرتے دم تک لڑیں گے۔

چار روز تک یہ کش مکش برابر جاری رہی پانچویں روز مسجدِ حرام میں اس خیال سے سب جمع ہوئے کہ شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے ابو امیہ بن مغیرہ جو سب سے زیادہ عمر کا تھا اس نے رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے مسجد میں داخل ہو وہی حکم قرار دے دیا جائے اور اس کا فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔ سب نے اس رائے کو منظور کر لیا۔ اور دوسرے روز ہر قبیلہ کے معزز آدمی موقع پر پہنچ کر دیکھنے لگے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونے والے ہمارے نبی ﷺ ہی تھے۔ جب ان کی نظریں آپ کے چہرۂ انور پر پڑیں تو سب کے سب پکار اُٹھے۔

ھذا محمد ھذا الامین قد رضینا بہ (شفا شریف صفحہ ۷۸)

یہ تو محمد ﷺ ہیں یہ تو امین ہیں (ان کے فیصلے پر) ہم سب راضی ہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے حالات کا جائزہ لے کر ایسی بہترین تدبیر فرمائی کہ سب کے سب خوش بھی ہو گئے اور ایک بہت بڑے جھگڑے کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمام قبائل اپنا اپنا ایک سردار منتخب کر لیں۔ جب انہوں نے انتخاب کر لیا تو آپ نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اٹھا کر اس میں رکھ دیا اور ان منتخب سرداروں سے فرمایا کہ چاروں طرف سے چادر کے کونے اور کنارے تھام کر اُوپر اٹھائیں جب چادر مقامِ نصب کے برابر آ گئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اُٹھا کر نصب فرما دیا اور پھر تعمیر ہونے لگی۔

علامہ سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تمام لوگوں نے آپ پر اظہار رضامندی کیا تو شیطان جو کہ شیخ نجدی کی صورت میں ان کے ساتھ تھا چلّایا اور بولا۔ اے قریشیو! تم محمد (ﷺ) پر راضی ہو گئے جو ایک غلام اور یتیم ہے کہ وہ اس پتھر کو رکھے حالانکہ تمہارے بڑے بڑے لوگ اس کام کے مستحق موجود ہیں قریب تھا کہ اس کی شرارت سے شور و غل ہو جاتا مگر وہ خاموش رہے۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ا صفحہ ۲۰۵ طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۴۶)

اسباق عبرت

(۱) ابلیس نے ایک تو اس وقت شیخ نجدی کی صورت اختیار کی، کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبوت دشمنی نجدیت کو سجتی ہے (۲) دشمنانِ مصطفےٰ ﷺ نے نجدی صورت کو دیکھ کر اجنبیت محسوس نہ کی بلکہ اس کی شمولیت کو راحت محسوس کیا تبھی تو ہم کہتے ہیں:

؎ کند ہم جنس باہم جنس پرواز

مشرکینِ مکہ دُشمنیٔ مصطفےٰ میں شیخ نجدی کی رفاقت کو بہترین معاونت سمجھتے تھے تبھی تو اس کی شرارت کو اہمیت دے کر بعض نے معاملہ کو گڑ بڑ کرنا چاہا لیکن چونکہ قدرتِ ایزدی کو منظور نہ تھا اسی لئے معاملہ فرو ہو گیا (۳) اس وقت مکہ مکرمہ میں دشمنانِ نبی ﷺ بے خبری میں مصطفےٰ کریم ﷺ کو ایک بہت بڑا اعزاز پیش کر رہے تھے لیکن ابلیس کو معلوم تھا کہ وہی محبوبِ خدا ﷺ ہیں جن کو قدرتِ قادر نے کئی خوبیوں سے نوازا ہے اسی لئے اسے یہ اعزاز نہ بھایا، یک لخت چونکا اگرچہ جانتا تھا کہ میری دال نہیں گلے گی لیکن آواز تو اٹھائی۔ ایسے ہی دشمنانِ مصطفےٰ کی ہر دور میں عادت رہی اور رہے گی مثلاً ہمارے دور میں رسول اللہ ﷺ کے میلادِ پاک اور 12 ربیع

الاول شریف کو جلوس نکالنے میں عوام سے حکومت تک اس سعادت سے سرشار ہے اور مخالفین کو یقین ہے کہ ہماری کوئی نہیں سنے گا لیکن پھر بھی بے تکے بیانات اخبارات میں پھر بصورتِ اشتہارات ورسائل شائع کرتے ہیں لیکن اس طرح منہ کی کھانی پڑتی ہے جیسے ابلیس کو تنصیبِ حجرِ اسود کے وقت (۴) بات تو بظاہر صحیح اور ٹھیک کہی کہ واقعی رسول اللہ ﷺ اس وقت بچے اور دریتیم تھے اور واقعی قریش میں اس وقت ان کی نظروں میں بڑی قدآور شخصیات موجود تھیں لیکن بظاہر کچھ کہہ دیا لیکن اندرونِ خانہ رسول اللہ ﷺ کے اعزاز واکرام کو ٹھیس پہنچانا تھا جیسے مخالفینِ مصطفیٰ ﷺ کی عادت رہی اور ہے کہ دل میں کچھ لیکن زبان سے کچھ ۔تفصیل آتی ہے (ان شاء اللہ) (۵) اس کا ہر دشمنی کے موقعہ پر نجدی کی شکل بن کر آنے میں کوئی راز تو ہے ورنہ اسے تو سوائے انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء کے ہر شخص کی صورت میں آنے کا اختیار حاصل ہے ۔معلوم ہوتا ہے کہ نجدی کے دل میں ہے کوئی کالا کالا ۔

اعجوبه

تفسیر ثعلبی میں تو لکھا کہ جب ''اھبطوا'' اتر جاؤ کا حکم ہوا آدم علیہ السلام سراندیپ (ہند) میں اور حواء رضی اللہ عنہا جدہ میں اور ابلیس ریلہ میں اور سانپ ایلہ میں، لیکن تاریخ جعفر طبری میں ابلیس کا ہبوط سندھ بالخصوص ملتان میں لکھا اوّلاً یہ قول غیر معتبر ہے اس لئے کہ کہاں ثعلبی کہاں طبری کیونکہ ثعلبی اعاظم مفسرین واکابر مؤرخین سے ہیں اور انہوں نے کیونکہ اپنی تفسیر میں بے اصل اقوال لانے سے احتراز کا التزام فرمایا ہے اسی لئے اکثر اہل تفاسیر نے ثعلبی کا اتباع کیا ہے بالفرض جعفر طبری کا قول مان لیا جائے تو اس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اس سے کب لازم آتا ہے کہ تمام اہل سندھ اور اہل ملتان اشرار ہیں جیسے سراندیپ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے ہبوط سے تمام سراندیپی ابرار وصالحین ہیں ۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ

بقول طبری سندھ بالخصوص ملتان کا قول مان لیا جائے تو بھی ہم حق بجانب ہیں کہ اہلِ ملتان کو اور اس کے وابستگان کو اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام بھی بہ نسبت دوسرے خطوں کے بکثرت عطا فرمائے کہ صرف شہر ملتان میں سوا لاکھ سے زائد اولیائے کاملین مدفون ہیں پھر اوچ شریف میں اولیاء کرام کی مرکزیت مسلّم ہے ۔اس کے ساتھ ریاست بہاول پور کے مشائخ واولیائے کرام کی اولیاء آبادی کسی کو معلوم نہیں ۔سندھ میں ٹھٹھ سے لے کر

سکھر تک نگاہ ڈالئے کہاں سے کہاں تک اولیائے کرام کی کثرت محسوس ہوتی ہے۔اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ شیطان کی شرارتوں سے بچنے کا واحد حل اولیائے کرام سے وابستگی ہے ورنہ شیطان اسی ریوڑ کو گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے جو اولیاء کرام کے دامن سے وابستہ نہیں ہوتا۔

شیطان کی رسول دشمنی کی جدوجھد

جب حضور اکرم ﷺ انصار سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا معاہدہ منیٰ میں فرما رہے تھے تو ایک شیطان پہاڑ کی چوٹی سے یہ نظارہ دیکھ کر چیخا اور اہلِ مکہ کو پکار کر کہا کہ لوگو! محمد (ﷺ) اور اس کے فرقہ کے لوگ تم سے لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی پرواہ نہ کرو۔(رحمۃ اللعلمین صفحہ ۹۰)

شیطان کی شرارت

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھے کہ پہاڑوں سے آواز آئی لوگو! محمد (ﷺ) پر چڑھائی کردو۔حضور سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا یہ شیطان کے لشکر کا ایک شیطان ہے اور جو شیطان کسی نبی پر چڑھائی کرنے کا اعلان کرتا ہے وہ ضرور مارا جاتا ہے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے ایک غلام جن نے جس کا نام سمحج تھا اور میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا ہے، نے شیطان کو مار ڈالا ہے چنانچہ پھر ہمیں پہاڑ سے آواز آئی ''نحن قتلنا مسعراً''(حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۹۱) ہم نے مسعر کو قتل کر ڈالا۔

فائدہ : شیطان نبوت دشمنی میں اپنا بہت بڑا لشکر رکھتا ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے عُشاق اور خدام بھی ان کی سرکوبی کے لئے موجود ہوتے ہیں چنانچہ اس قاعدہ کو ہر دور پر منطبق کرینگے تو سو فیصد صحیح پائیں گے۔آج بھی اس کی آزمائش کر سکتے ہیں کہ جہاں بھی نبوت کی گستاخی اور بے ادبی کی معمولی بدبو اُٹھتی ہے تو غلامانِ مصطفٰے ﷺ کٹ مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

ابلیس کی نبوت دشمنی

قرآن نے ثابت کر دکھلایا کہ ابلیس آدم اور آدم زاد کا تا قیامت ان کی شان گھٹانے کے درپے رہے گا۔ہم چند نمونے عرض کرتے ہیں۔لیکن یاد رہے کہ شیطان اپنی عادت پر انبیائے عظام و اولیائے کرام پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتا لیکن انبیائے عظام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' ان عبادی لیس

لك عليهم من سلطان ‘‘بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہ ہوگا۔

بلکہ شیطان نے خود اعتراف کیا کہ ’’لاغوینهم اجمعین الاعبادك منهم المخلصین ‘‘میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

اور روح البیان جلد ا،صفحہ ۴ میں ہے کہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ شیطان کو دیکھ کر ڈنڈا لے کر مارنے کے لئے دوڑے۔شیطان نے عرض کی اے ابوسعید! میں ڈنڈوں سے نہیں ڈرتا ہاں اگر ڈرتا ہوں تو عارفین باللہ کے دل کے عرفان کی شعاع سے ڈرتا ہوں جو ایک سورج کی مانند ہے۔

فائدہ : گویا انبیاء واولیاء پر حملہ کرنے سے اپنی ہار مان گیا لیکن اس بدبخت برادری کو کہا جائے کہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی انبیاء واولیاء کی توہین اور گستاخی اور بے ادبی ہے تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ ابلیس لعین سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔آئندہ اوراق میں چند نمونے ابلیس کی انبیاء واولیاء دشمنی کے پیش کر کے اس کے عقائد اور کارنامے عرض کروں گا۔

ابلیس کی نبوت دشمنی کے نمونے

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی فضیلت ’’فلماانبأهم باسمائهم ‘‘ثابت فرمائی تو آخر میں فرمایا’’واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون ‘‘(پارہ نمبر ا،رکوع ۴) جانتا ہوں وہ جو ظاہر کرتے ہو اور وہ جو تھے چھپاتے‘‘۔تفسیر کبیر میں ہے کہ فرشتوں کا ظاہری بات کہنا تو وہی جو پہلی میں مذکور ہوا یعنی ’’اتجعل فیها من یفسد فیها ‘‘اور چھپی ہوئی بات سے ابلیس کا دلی ارادہ مراد ہے وہ یہی تھا جو مواہب الرحمٰن مع ابن کثیر جلد ا صفحہ ۱۱۵ (مخالفین کی تفسیر معتبر ومستند) میں ہے کہ بس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے قالب کو پاکیزہ طین (مٹی) سے بنایا اور اپنے ید قدرت سے پیدا کیا اور یہ قالبِ خاکی چالیس دن تک پڑا رہا اور اس درمیان میں ابلیس اس قالبِ خاکی کے پاس آکر اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتا تو اس میں سے کھنکھناہٹ ہوتی، پھر ابلیس اس قالب کے منہ سے گھستا اور اسفل سے نکلتا اور اسفل کی جانب سے گھستا اور منہ کی جانب سے نکلتا تھا اور کہتا کہ تو کچھ چیز نہیں اور ناکارہ پیدا ہوا اور اگر میں تجھ پر مسلط ہوا تو میں تجھ کو تباہ کر دوں گا اور اگر تو مجھ پر سردار بنایا گیا تو میں ہرگز تیرا کہنا نہیں مانوں گا الخ۔

فائدہ : گویا ابلیس نے ابتداً ہی ٹھان لیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے محبوب اور خلیفہ سے دشمنی کرے گا۔یہی

طریقہ اور وطیرہ آج ہمارے حریفوں کا ہے جیسے تمام اہل اسلام نے اخبارات میں پڑھا اوران کی تقریریں سنیں، تحریریں وتصانیف پڑھیں، عرب شریف میں جاکر دیکھیں ان کا عزم ہے کہ اگر حکومت مل جائے تو سب سے پہلے اولیائے کرام کے مزارات کو مسمار کریں گے۔

اس سے ناظرین سوچیں کہ ابلیس کے کارناموں سے انہیں دلچسپی کیوں، ورنہ وہ ان عزائم کے بجائے یہ ظاہر کرتے کہ اگر ہم برسرِ اقتدار آ گئے تو دنیا سے تمام برائیوں کا قلع قمع کردیں گے۔

گستاخ ابلیس

خدا نے جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مبارک تیار فرمایا تو فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے اس پتلے مبارک کی زیارت کرتے تھے مگر شیطان لعین حسد کی آگ میں جل بھن گیا اور ایک مرتبہ اس مردود نے بغض اور کینے میں آ کر حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے مبارک پر تھوک دیا یہ تھوک حضرت آدم علیہ السلام کی ناف مبارک کے مقام پر پڑی۔

نبوت کا گستاخ ابلیس

''فسجدو'' کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ابلیس نے انکار کیا جب ملائکہ سجدہ میں گرے تو ابلیس نے آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر پیٹھ کرلی۔ یہاں تک کہ وہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور سجدہ میں ایک سَو سال تک پڑے رہے۔ بعض روایات میں پانچ سو(500) سال آیا ہے۔ جب انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ابلیس کھڑا ہے۔ بلکہ آدم علیہ السلام کو پیٹھ کرکے کھڑا فرشتوں کو دیکھ رہا ہے اسی لئے فرشتے دوبارہ سجدہ میں گرے۔ اُن کے لئے دو سجدے ہوگئے۔ ایک آدم علیہ السلام کے لئے، دوسرا اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کی صِفت، حالت، صورت، ہیئت، نعمت سب کچھ چھین لیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا جسم خنزیر کی شکل میں چہرہ بندر کی طرح کردیا۔ حالانکہ اس سے پہلے حسین وجمیل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں شیطان کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔ میں تیری توبہ قبول کرکے تیرے گناہ معاف کردونگا۔ شیطان نے عرض کی جب میں اس کے جسم کو ساجد نہ ہوا تو پھر اس کی قبر اور میت کو کس طرح سجدہ کروں۔

حدیث شریف

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو قیامت میں ہزاروں سال کے بعد دوزخ سے باہر نکال کر آدم علیہ السلام کے سامنے کھڑا کر کے سجدہ کا حکم فرمائے گا ابلیس سجدہ سے انکار کرے گا، پھر اُسے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا حکم کیا جائیگا۔ چنانچہ ایسے ہوا کہ اس نے انکار کر دیا تو وہ دائماً دوزخ میں رہے گا۔ (روح البیان)

ابلیس کی یوسف علیہ السلام کے ساتھ دشمنی

تیسیر میں ہے کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے متعلق مشورہ کیا تو شیطان بوڑھا پریشان حال بن کر اخوۃ یوسف کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا خیال ہے اب وہ بڑا ہوگا تو وہ تمہیں اپنا غلام بنائے گا۔ بھائیوں نے کہا تو فرمایئے بابا اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ شیطان نے کہا ''اقتلوا یوسف '' یوسف علیہ السلام کو قتل کردو، ''او اطرحوہ ارضا'' یا اسے ڈال دو ایسی اندھیری اور غیر معروف میں جو آبادیوں سے دور ہوتا کہ اس میں ہلاک ہو یا ایسی جگہ چھوڑ آ ؤ جہاں درندے کھا جائیں (قرآن مع روح البیان سورۃ یوسف)

فائدہ : شیطان کو معلوم تھا کہ یوسف (علیہ السلام) کا اس کاروائی سے کچھ نہ بگڑے گا لیکن عادت سے مجبور تھا ان کی شہادت یا ہلاکت کا مشورہ دے ہی دیا۔ اس طرح ہم اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ شانِ نبوت وولایت کے معمولات نہ بند ہونے کے ہیں نہ بند ہوسکتے ہیں لیکن عادت کی مجبوری پر اپنی دل کی بھڑاس نکال ہی دیں گے مثلاً چند سالوں کی بات ہے کہ نجدیوں کے ایک گروہ نے گنبد خضراء کو گرانے کا مشورہ دیا جس پر عالم اسلام کے احتجاج پر نجدی حکومت کو معذرت کرنی پڑی اور عید میلاد النبی ﷺ کے سالانہ جلوس کے متعلق حکام سے لے کر عوام تک کی وابستگی سے متاثر ہو کر وہابی، دیوبندی، مودودی وغیرہم فرقے کیسی فریادیں کرتے ہیں۔ یہ اسی ابلیسی خباثت کا کرشمہ ہے۔

ابلیس غالی توحیدی

ابلیس تا حال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا قائل ہے اور توحید پر اتنا ثابت قدم ہے کہ وہ قیامت میں بھی دوزخ میں رہنا قبول کرلے گا لیکن غیرُ اللہ کی تعظیم یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا گوارہ نہیں اس سے بڑھ کر توحید کے عقیدہ پر تصلّب ومضبوطی اور کیا ہوسکتی ہے۔

فائدہ : یادرکھئے کہ شیطان (ابلیس) کواللہ تعالیٰ نے فرمایاوہ جو تیری تابعداری کرے گااسے اور تجھے جہنم میں داخل کرونگا۔ یہ فرما کر واضح کردیا کہ شیطان کی برادری جہنم میں ضرور جائیگی اوراس سے اس کی ذاتی غلطیاں یعنی عقائد مراد ہیں اوراس کے ساتھ شریک لوگوں کوبھی جہنم نصیب ہوگی۔ تو ان کے بدعقیدوں سے ورنہ ظاہر ہے کہ شیطان زانی نہیں، چورنہیں، ڈاکونہیں، اورنہ ہی دوسری عملی غلط کاریوں میں مبتلا ہے بلکہ وہ تو اعمال صالحہ کےلحاظ سے تاحال ویسے پابند ہے جیسے پہلے تھا۔اورتوحید میں رئیس الموحدین ہے یہاں تک کہ اب اس کا نام پوچھناممکن ہوتو عزازیل (بمعنی عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ) نام بتائیگا۔ابلیس،شیطان،رجیم وغیرہ نہیں بتائے گا کیونکہ جتنا اسے صرف توحید میں انہماک ہےکوئی اوراس کا ہم پلّہ نہیں ہوسکتا اسے ہم توحیدِ ابلیسی سے تعبیر کرتے ہیں۔

شیطان شیخ نجدی کی شکل میں

تمام کتبِ حدیث وسیرۃ وتاریخ باب ہجرۃ النبی ﷺ میں لکھتے چلے آئے اورہم سب پڑھتے آئے اور پڑھتے رہیں گے کہ شیطان کونجدیوں سے کتنا پیار ہے کہ وہ جب بھی انسانوں کے بھیس میں آیا تو نجدی شیخ بن کر آیا۔ہم اصل عربی لکھتے ہیں تا کہ ناظرین کویقین ہوکہ ابلیس کی برادری دنیا میں کہاں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنھا قال لما اجمعوا لذالك اتعدوا ان ید خلو افی دار الندوۃ لیتشاوروافیھا فی امر رسول اللّٰہ ﷺ غدوافی الیوم الذی اتعدوا لہ وکان ذالك الیوم یسمّٰی یوم الزحمۃ فاعترضھم ابلیس لعنۃ اللّٰہ فی ھیئۃ شیخ جلیل علیہ بت لہ فوقف علی باب الدار فلما رأوہ واقفا علی بابھا قالوامن الشیخ قال شیخ من اھل نجد سمع بالذی اتعدتم لہ فحضر معکم یسمع ماتقولون وعسیٰ ان لایعدمکم منہ رایا ونفحا قالوا اجل فادخل فد خل معھم لعنۃ اللّٰہ علیہ ۔(سیرۃ ابن ہشام جلد۲صفحہ۹۳،تاریخ طبری جلد۲صفحہ۹۸،البدایہ والنہایہ جلد۳صفحہ۲۰۵)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب کفار مکّہ نے اجتماع کیا اوردارالندوہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوئے تا کہ دارالندوہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق مشورہ کریں، صبح صبح ہی تیاری کرکے آئے اوراس دن کا یوم زحمۃ نام رکھا

گیا تو ابلیس لعنت اللہ علیہ ایک بھاری چادر اوڑھ کر شیخ نجدی کی شکل میں آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا ، دیکھا تو پوچھا آپ کون ہیں، کہا میں شیخ نجدی ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مشورہ کر رہے ہو میں بھی اس میں شامل ہونا چاہتا ہوں تاکہ کوئی مفید مشورہ دے سکوں ممکن ہے تم اس میں کوئی غلطی نہ کھا جاؤ۔ سب نے کہا خوب، آیئے تشریف لایئے، اس پر وہ لعنتی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

درسِ عبرت: کہاں مکہ معظّمہ کہاں نجد، لیکن جب آپس میں عشق و محبت ہو تو دوریاں ہٹ جاتی ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ نبوت دشمنی میں شیطان نجدی کے بہت گہرے دوست تھے تبھی تو نام سن کر فوراً اھلاً وسہلاً خوش آمدید کہا۔

ابو جھل کوابلیس کی شاباش

جب دارالندوہ (مکہ شریف) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کفارِ مکہ نے مجلسِ شوریٰ میں مختلف آراء قائم کیں تو:

فقال ابوجهل بن هشام والله ان لی فیه لرأیا ماارا کم وقعتم علیه بعد و قالوا ماهو یااباالحکم ؟ قال اری ان ناخذ من کل قبیلة شابافتی جلیداً نسیباًوسطاً فینا ثم نعطی کل فتی منهم سیفاصار ما ثم یعمدوا الیه فیضر بوه بها ضربة رجل فیقتلوه فتستریح منه فانهم اذا فعلوا ذالك تفرق دمه فی القبائل جمیعا فلم یقدر بنوعبدمناف علیٰ حرب قومهم جمیعا فرضوا منا با العقل فعقلنا لهم قال بقول الشیخ النجدی القول ماقال الرجل هذالرأی لارأی غیره فتفرق القوم علی ذالك وهم مجمعون له۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۶ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۹)

ترجمہ: ابوجہل نے کہا کہ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق میری ایک رائے ہے جہاں تک تم ابھی نہیں پہنچے، سب نے کہا ارشاد فرمایئے وہ کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک جوان ''زبردست'' خاندانی اور ہم سے بہترین نکلے اور ہر جوان کے ہاتھ میں تیز دھار تلوار ہم دے دیں پھر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک ہی بار میں جھپٹ پڑیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں تو

اس سے بے غم ہو جاؤ گے اور تمام قبائل میں اُس کا خون پھیلایا جائے بنو عبد مناف کو تمام قوم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں صرف قید کو ہی پسند کریں گے ہم تسلیم کر لیں گے۔

نبوت دشمنی کا مرکز

شیطان ابلیس جب سے پیدا ہوا تو اس نے نہ کہیں کوٹھی بنوائی نہ بنگلہ اور نہ ہی کسی خاص جگہ کو مرکز بنایا لیکن ہمارے رسول کریم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں اس نے اپنا خصوصی مرکز نجد کو منتخب کیا جس کی نشاندہی رسولِ خدا ﷺ نے خود فرمائی۔ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمن والشام اور بخاری صفحہ ۲۲۷ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریائے رحمتِ مصطفٰے ﷺ جوش میں ہے، بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی جارہی ہے "اللھم بارك لنا فی شامنا۔" اے اللہ ہمارے لئے سارے شام میں برکت دے۔ "اللھم بارك لنا فی یمننا ۔" اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے۔ حاضرین میں سے بعض نے عرض کی "ونجدنا یارسول اللّٰہ" دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے۔ پھر حضور ﷺ نے وہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ فرمایا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ "وفی نجدنا" حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو۔ غرض تین بار یمن اور شام کے لئے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلانے پر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا "ھناك الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطن" میں اس ازلی محروم خِطّہ کو دعا کس طرح فرماؤں وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطانی گروہ پیدا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کی نگاہِ پاک میں دجّال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی آپ نے اس طرح خبر دے دی۔

فائدہ : اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ نجد خیر و برکت کی جگہ نہیں بلکہ فتنہ و شر کی جگہ ہے کیونکہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس خطہ کو اپنی دعائے خیر سے محروم فرما دیا اور ہمیشہ کے لئے اس خطہ کی محرومی پر مہر ثبت ہوگئی۔

نجدی کس کا لقب

اسی لئے شیطان نے ہر اہم شرارت اور نبوت دشمنی میں شیخ نجدی کا رُوپ دھارا اسی وجہ سے اس کا لقب شیخ نجدی پڑ گیا ہے، چنانچہ غیاث اللغات صفحہ ۳۹۳ میں ہے کہ "نجدی لقب شیطان است" شیخ نجدی شیطان کا

لقب ہے۔

لطیفہ

یہ لقب محمد بن عبدالوہاب اور اس کی آل اور اس کے مرکزی پیروکاروں کے لئے آج بھی جز ولا ینفک ہے مثلاً شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ ابن السبیل، شیخ فلاں بن فلاں وغیرہ۔ یہ لقب نجدیوں کے لئے ہے غیروں کے لئےنہیں ہے۔

نوٹ: اس نبوی دعا سے محرومی اور غیبی خبر (وہاں زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا سینگ ابھرے گا) کی تفصیل فقیر کی کتاب ''وہابی دیوبندی کی نشانی'' میں ملاحظہ ہو۔

قرآنی فیصلہ

ان الشیطٰن ینزغ بینھم ان الشیطن کان للانسان عدوا مبیناط۔

الم اعھد الیکم یابنی آدم ان لاتعبدوا الشیطان۔

ان الشیطان للانسان عدو مبین۔ (پارہ نمبر۱۲سورہ یوسف)

انہ لکم عدو مبین وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم جبلا کثیرا۔ (پارہ نمبر۲۳سورہ یٰسین)

ان آیات کے علاوہ دیگر آیاتِ قرآنی کی تصریح بتاتی ہے کہ شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کے ساتھ جہنم میں جائے اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہے اور ظاہر ہے کہ دائماً جہنم میں گنہگار کونہیں رہنا۔ کافر اور بے ایمان کو رہنا ہے کیونکہ گنہگار کے لئے شفاعتِ انبیاء واولیاء ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین نے سرے سے شفاعت کا انکار کر دیا تاکہ ابلیس کی حمایت ہو اسی لئے اس کے چیلے اعمال صالحہ کے لئے خوب سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن عقائدِ صحیحہ سے عوام کو ناواقف رکھتے ہیں بالخصوص انبیاء واولیاء کی عزت واحترام دل سے نکالنے کے لئے شب وروز منہمک ہیں اسی کو جہادِ اکبر سمجھتے ہیں چونکہ ابلیس کا اصلی مشن ہی انبیاء واولیاء سے دشمنی ہے اسی لئے اس کے چیلے تا قیامت اس کے اس مشن کو زندہ رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہیں گے۔

کمالاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد وبغض

روح البیان پارہ ۱۵ آیت اسراء میں ہے کہ شب معراج کے سفر سے حضور نبی کریم ﷺ جوں ہی واپس تشریف لائے تو آسمان دنیا سے نیچے دیکھا تو شور وغل دھواں اور سخت آوازیں سنائی دیتی ہیں۔آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ شیاطین کی شرارت ہے،صرف اس غرض پر کہ انسان (آپ ﷺ) ملکوتُ السمٰوات کو نہ دیکھ سکیں۔اگر ان کی مذکورہ شرارت نہ ہوتی تو تمام انسان آسمانوں کے عجائبات کو دیکھ لیتے۔

چیلے

ابلیس وشیاطین رسول اکرم ﷺ کے کمالات سے کتنا ناراض ہے اورانہیں چُھپانے کے لئے کتنا جتن کرتا ہے یہاں تک کہ لعنتی بننا منظور اور دوزخ میں ہمیشہ رہنا گوارہ کرلیا لیکن ایک نبی (آدم علیہ السلام) کی تعظیم وتکریم کا اعتراف نہ کیا۔یہی کیفیت ہمارے دور کے بعض لوگوں کی ہے کہ ان کے پڑوس میں لاکھوں برائیاں ہوتی رہیں گی کبھی ٹس سے مس نہ ہوں گے لیکن کسی غریب سے نعت خوانی یا "الصلوٰة والسلام علیك یارسول اللّٰہ" کی آواز سن لیں تو پھر اس کی خیر نہیں۔ایسا طوفان بپا کریں گے کہ گویا بہت بڑے جہاد میں اترے ہیں یہاں تک کہ جیل میں جانا منظور کرلیں گے لیکن مجلس نعت خوانی اور محفلِ میلاد قائم نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی درود مذکور سننا گوارہ ہے اگرچہ ہزاروں اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔

وسیلہ کا انکار

آدم علیہ السلام کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی علت نبی علیہ السلام کو وسیلہ نہ ماننے پر مبنی تھا،چنانچہ بیضاوی شریف پارہ اوّل میں "باستقباحه امر الله ایاه بالسجود اعتقاداً بانه افضل منه والا فضل لایحسن ان یؤمر بالشخضع للمفضول والتوسل کمااشعربه قوله انا خیر منه"

یعنی ابلیس کا انکار ازسجدہ کا سبب اللہ تعالیٰ کو قبیح سمجھنے کی وجہ سے تھا۔کیونکہ ابلیس کا عقیدہ تھا کہ وہ افضل ہے اور افضل نہ تو مفضول کے سامنے عجز ونیاز کا اظہار کرے اور نہ ہی اسے وسیلہ بنائے۔

ازالۂ وھم

ابلیس کے لعنتی ہونے کا سبب ترک واجب یعنی سجدہ نہ کرنا بتانا خوارج کا عقیدہ ہے چنانچہ علامہ عبدالحکیم

سیالکوٹی حاشیہ بیضاوی صفحہ ۳۰۵ میں لکھتے ہیں (قولہ لابھترک الواجب) کما زعم الخوارج متمکسین بھــذہ الآیۃ۔ ابلیس کا ترکِ واجب لعنتی ہونا اس کا استدلال آیت ھذا سے خوارج نے کیا یعنی خوارج کا عقیدہ ہے کہ ابلیس کا لعنتی ہونا آدم علیہ السلام کی ترکِ تعظیم سے نہیں بلکہ ترکِ واجب سے ہے ہم کہتے ہیں ترکِ واجب کا اصلی موجب کیا تھا وہی آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے سجدہ سے انکار۔

سب سے پہلا وسیلہ کا منکر کون؟

یقین فرمائیں کہ سب سے پہلا منکر از وسیلہ (انبیاء واولیاء) ابلیس ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو وسیلہ بنانے کا انکار ابلیس نے کیا تو آج جو لوگ وسیلۂ انبیاء واولیاء کو شرک اور حرام کہتے ہیں وہ کس کھاتے میں جائیں گے خود سوچیے، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے خوارج کے مذہب کی نشاندہی کی ہے تو آج ہمارے دور کے فرقوں میں یہی انکار دیکھ کر کیوں نہ کہیں کہ یہی لوگ خوارج کا بقایا ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم اہلسنّت والجماعت انبیاء واولیاء کا وسیلہ مان کر ابلیس کی تلبیس سے اور خوارج کی شرارت سے محفوظ ہیں۔

انبیاء واولیاء کے وسیلہ کا منکر ابلیس

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو سریر سلطنت ملا اور انس وطیوران کے تابع کئے گئے تو حضرتِ عزت عزوجل میں عرض کی کہ شیطان کو بھی میرا مطیع کر دیجیے، حکم ہوا کہ فتنۂ عالم ہے اس کو اپنے پاس مت بلایئے ورنہ تمہارے ملک داری میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن حضرت نے باصرار یہی التجا کی۔ تو شیطان کو حکم ہوا کہ جا کر سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کر۔ ناچار حاضر ہوا اور پایۂ تخت کے قریب بیٹھ کر رونے لگا۔ حضرت نے پوچھا روتا کیوں ہے؟ بولا کہ بھلا تھا یا برا ملعون تھا یا مرحوم مقہور تھا یا مردود۔ جیسا تھا اسی در کا بندہ تھا مگر اب فی الحقیقۃ میرے گلے میں طوقِ لعنت پڑ گیا اور سچ مُچ کا مردود ہو گیا کیونکہ غیر کا تابع کیا گیا۔

حضرت نے تسلّی دی کہ میرا تو یہ ارادہ تھا کہ قیامت کے دن تمہیں بہشت میں ہمراہ لے چلوں گا۔ بھلا شیطان اس لالچ میں کب آتا تھا کہا واہ حضرت! ایسی بہشت کہ غیر کے توسل سے ملے ہزار دوزخ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی اور جس دوزخ کے لئے خاص سرکاری (اللہ تعالیٰ) کا حکم ہوا اس پر ہزار بہشت قربان ہیں۔ (تذکرہ غوثیہ صفحہ ۲۳۹)

فوائد : (۱) انبیاءعلیہم السلام کی دعا رد نہیں ہوتی ۔(۲) شیطان توحید کے معاملہ میں اپنی نظیر آپ ہے کہ الٹا نبی علیہ السلام کی غلامی کو طوقِ لعنت سمجھتا ہے۔(۳) انبیاءعلیہم السلام کو غیر غیر کی رٹل لگانا شیطان کا طریقہ ہے۔(۴) وسیلۂ انبیاء کا پہلا منکر شیطان ابلیس ہے۔

بقایا حکایت مذکورہ

تین دن تک شیطان روتا رہا آخر اس کی گریہ وزاری اور آہ وبیقراری نے اثر دکھایا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم تھا کہ اپنے لئے قوتِ لا یموت حاصل کریں چنانچہ زنبیل بافی کیا کرتے تھے۔اب اس عرصے میں کوئی زنبیل نہ بکی اور حضرت کو روٹی کے لئے کچھ نصیب نہ ہوا تشویش ہوئی کہ اب کیونکر بسر کروں خزانہ سے کھانے کا حکم نہیں اور زنبیل سے دام نہیں اٹھتے۔حکم ہوا کہ زنبیل کیسے بکے کیونکہ دلال تو تمہارے پاس مقید ہے،عرض کی الٰہی تو اس کو اپنے ہی پاس رکھ میں اس کی اطاعت سے باز آیا۔غرض چوتھے دن اس دلاور پہلوان نے قید سے رہائی پائی اور اطرافِ جہاں میں پھر وہی دھوم مچائی۔(تذکرہ غوثیہ صفحہ۲۳۹)

مزارات کی حاضری کاانکار

ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے ابلیس (شیطان) ملا اور عرض کی اے موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اور کلیم کے لقب سے نوازا، میں بھی اس کی مخلوق میں شامل ہوں ۔مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا ہے اس کی توبہ کرنا چاہتا ہوں آپ بارگاہِ الٰہی میں میری سفارش فرمایئے تاکہ میری توبہ قبول ہوجائے اور مجھے معافی نصیب ہو۔موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اب ابلیس (شیطان) معافی چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) میری ناراضگی آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے ہے اس نے اسے سجدہ نہ کیا تو میں ناراض ہوگیا اب اگر وہ معافی چاہتا ہے تو آدم (علیہ السلام) کی قبر پر جائے اور اس کی قبر کو سجدہ کرے میں راضی ہوجاؤں گا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو اللہ تعالیٰ کا پیام سنایا،شیطان نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) رہنے دیجئے! میں نے جب آدم (علیہ السلام) کو زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب ان کے مرنے کے بعد ان کی قبر پر جاکر سجدہ کروں یہ کبھی نہ ہوگا فلہٰذا مجھے ایسی معافی کی ضرورت نہیں۔(روح البیان جلد اصفحہ۲۷)

حیاتِ انبیاء کاابلیس کو انکار

حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے قرار پکڑا تو دیکھا کہ ابلیس کشتی

کے پچھلے حصّے پر ہے۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے بدبخت! تیری وجہ سے تو ساری قوم تباہ و برباد ہوئی تو خود زندہ بچ گیا۔ابلیس نے پوچھا میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بارگاہِ ربّ العزت میں سچّے دل سے تائب ہوجا۔عرض کی مجھے کون سا انکار ہے۔اللہ سے اجازت لیجئے میں حاضر ہوں۔نوح علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں التجا کی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے کہیے کہ وہ آدم (علیہ السلام) کوسجدہ کرلے میں اسے معاف کردوں گا۔نوح علیہ السلام نے شیطان سے کہا: تجھے مبارک ہو میں تیرے لئے معافی کا پیغام لایا ہوں۔شرط یہ ہے کہ تم مزارِ آدم (علیہ السلام) کوسجدہ کرو۔ابلیس لعین نے کہا: جب وہ زندہ تھے میں نے انہیں سجدہ نہ کیا۔اب مردہ کو کیسے سجدہ کروں۔

آدم علیہ السلام جیسے عالمِ دنیا میں زندہ تھے اوران کوسجدہ روا رکھا گیا ان کے وصال کے بعد بھی ان کے سجدے کا حکم ہوا۔اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں۔اسی طرح اولیاء کاملین بھی اپنے مزارات میں زندہ ہیں۔حضرت صائب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ے مشو بمرگ زامداد اھل دل نومید
که خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اہلِ دل اولیاء وانبیاء کی موت سے ناامید نہ ہو کیونکہ ان کی موت ظاہری اان کی عین حیات ہے۔

لیکن شیطان ملعون اس نکتہ سے بےخبر رہا کہ اس لئے حق کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

صاحبِ رُوح البیان صفحہ نمبر ۱۳۷ جلد ۴ پر شیطان کے لئے اوپر کا قول نقل کرکے لکھتے ہیں:

مثله من ینکر الاولیاء اوزیارۃ قبورھم والا ستمداد منھم ۰

ترجمہ: وہ لوگ جو اولیاء کے کمالات اوران کے مزارات کی زیارت اوران سے مدد مانگنے کے منکر ہیں شیطان کے چیلے ہیں۔

فوائد: (۱) وہابی اوربعض دیوبندی یعنی غلام خانی اسی جسمانی زندگی (انبیاء واولیاء) کے منکر ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ ابلیس ملعون کی پیروی کا ثبوت دے رہے ہیں۔(۲) محبوبانِ خدا کے مزارات کی حاضری عین مراد ایزدی ہے لیکن شیطان اس کا منکر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے چیلے آج بھی مزارات کی حاضری سے محروم ہیں بلکہ حاضری دینے والوں کو مُشرک کہتے ہیں۔آزما کردیکھئے کہ سینکڑوں میل اپنے سرپر بستر اٹھا کر پہنچیں گے لیکن

دوقدم قریب کے مزار پر جانے سے کترائیں گے بلکہ "لاتشدوالرجال" (الحدیث) کی رٹ لگائیں گے اور یادرکھنا چاہئے کہ انکا مزارات پرنہ جانا انکا مذہبی جذبہ ہے بلکہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقدس مقامات پرآنے نہیں دیتا۔ ورنہ وہ حدیث شریف "الافزوروھا" خبردار قبروں کی زیارت کرو۔ تو کبھی کبھار مزارات پر چلے جائیں تاکہ حدیث شریف پرعمل ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ مزاراتِ اولیاء بہشت کی کیاریاں ہیں "قبر المؤمن روضة من ریاض الجنة" (مشکوٰۃ) "مؤمن کی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے"۔ تو جنت میں وہی داخل ہوسکتا ہے جو جنتی ہے جو اس کا اہل نہیں اسے اس کی خوشبو سونگھنا بھی نصیب نہ ہوگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی شان بیان کرتے وقت لفظ "الا" (خبردار) فرمایا تاکہ یقین ہو کہ یہ مقدس گروہ ہے اس کے پاس پلید وخبیث کو خود اللہ تعالیٰ نہیں آنے دیتا۔ دیکھئے ہم مسجد جیسی مقدس جگہ پر کُتّے کو نہیں آنے دیتے۔ اس لئے کہ وہ پلید ہے اسی سے سمجھ لیں کہ جس گروہ کو مزاراتِ اولیاء سے محرومی ہے وہ ازلی بدقسمت ہیں۔ اور ابلیس کے پیروکار۔

ازالۂ وھم

اوقاف کی طرف سے مُراعات کا سب کو معلوم ہے کہ مزارات پر ایسے محسوس ہوگا کہ یہ سات پشتوں سے مزارات کے مجاور ہیں لیکن ان کو منجانب اللہ سزا ہے کیونکہ ان کا فتویٰ ہے کہ مزارات کی آمدنی حرام اور ان پر جانا حرام۔ لیکن اب حال یہ ہے کہ ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا مزارات ہیں ان کی اولاد اسی خوراک سے پیدا ہوگی تو بقول ان کے غذا حرام تو اولاد کا کیا حکم ہے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو میرے کسی ولی کا دشمن ہے میرا اس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے"۔ اس معنی پر یہ ان کے لئے عذابِ الٰہی ہوا کہ حرام کا فتویٰ دے کر نہ صرف خود بلکہ تمام کنبہ مزارات کی آمدنی سے پال رہے ہیں بلکہ مزارات کی غذا سے رہتی دنیا تک ان کی نسل میں مزارات کی آمدنی کے اثرات پائے جائینگے۔

نیز دارومدار نیت پر ہے ان کا مزارات پر مجاور رہنا اور ان کی آمدنی ہڑپ کرنا تبرک اور نیک ارادہ کے طور نہیں بلکہ "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کے طور ہے۔

خلاصہ یہ کہ محبوبانِ خدا کے وسیلہ کو شرک اور حرام کہنا اسی ابلیس کی کارستانی ہے اور اس نے طوق لعنت پہنتے

وقت بڑی جرأت کر کے اللہ تعالیٰ کو کہہ دیا تھا کہ مجھے تیری ذات کی قسم ان آدم زادوں کو میں اپنا ہمنوا بنا کر چھوڑوں گا۔

حضرت مولانا محمد انوار اللہ اتالیق نواب دکن اور خلیفہ اعظم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ: ''دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی ہو ضرور ہے کہ اس کے دین میں کچھ نہ کچھ علت ہوگی۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں گستاخانہ انا خیر منہ کہا اور ابدالآباد کے لئے مردودِ بارگاہِ کبریائی ٹھہرا اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور اُن کی خرابی کے درپے ہوا۔ ''کماقال ولا غوینھم اجمعین الآیہ'' کئی اقسام کی تدابیر سوچیں مگر اس غرض کو پوری کرنے میں اس سے بہتر کون سی تدبیر ہوسکتی ہے جس کا تجربہ خود اُسی کی خواہش پر ہو چکا ہے یعنی دعویٰ انانیت اور ہمسری بزرگانِ دین۔ جب دیکھا کہ گستاخی اور بے ادبی کو مردود بنانے میں نہایت درجہ کا اثر اور کمال ہے اس لئے ''ان انتم الابشر مثلنا '' کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفّار انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی کہا کئے اب اس کلام کو دیکھئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو انا خیر منہ میں تھی اور اگر کسی قدر فرق ہے تو وہ بھی بے موقع نہیں کیونکہ تابع ومتبوع کی ہمتوں میں اتنا فرق ضرور ہے جس پر تفاوت درجات ودرکات مرتب ہو۔ غرض کہ انبیاء علیہم السلام ہزار ہا معجزے دکھائیں مگر کفّار کے دلوں میں اُن کی عظمت اُس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہوئے اُن سے کس قدر اس کو مایوسی ہوئی۔ کیونکہ اُن سے تو وہ بیبا کی نہیں ہوسکتی تھی جو کفّار سے ظہور میں آئی یہاں اس فکر کی ضرورت ہوئی کہ وہ چیز دکھائی جائے جو دین میں بھی محمود ہو آخر یہ سوچا کہ راست گوئی کے پردہ میں یہ مطلب حاصل ہوسکتا ہے۔ بس یہاں سے دروازہ بے ادبی کا کھول دیا اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے احمقوں کے فہم میں ڈال دیتا ہے اور کچھ ایسا بیوقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دُھن میں نہ ان کو کسی بُزرگ کی حُرمت وتوقیر کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ چنانچہ کسی بیوقوف نے خود آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ جو یہ مال بانٹتے ہیں اس میں عدل وانصاف نہیں کر رہے، تفصیل باب المنافقین میں ہے۔

نبی بشر ہے ابلیس نے کہا

سب سے پہلے نبی علیہ السلام کو بشر بشر کی رٹ شیطان (ابلیس) نے لگائی چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے

سوال کیا'' قال یاابلیس مالك الاتکون مع الساجدین '' اے ابلیس تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا۔ جواب میں ابلیس نے کہا''لم اکن لاسجد بشر ''میں بشر کو سجدہ نہیں کرتا۔(پارہ نمبر۱۴سورۃ الحجر ع) یعنی اس جملہ سے ابلیس کا ارادہ حضرت آدم علیہ السلام کی حقارت کا اظہار تھا۔اورانہیں بجائے خلیفۃ اللہ الاعظم اورمسجود الملائکہ، نبی اللہ۔رسول اللہ کہنے کے وہ صفت بتائی جوان کی کمی شان پر دلالت کرتی ہے۔یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر چہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں لیکن وہ محبوب اوررسول اور نبی وغیرہ بھی تو ہیں۔ان کو اس صفت سے بار بار ذکر کرنا جو عامی صفت ہے یہ عقیدہ ابلیسی ہےاس کی مزید تفصیل آئیگی۔ان شاءاللہ

ملائکہ نے دیکھا

آدم علیہ السلام کو بشر اورمٹی کا پتلا کہنے کا حق تھا کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار کیا اوران کے سامنے ہی آپ مٹی سے تیار ہوئے لیکن اس کے باوجود بلاچوں و چرا سجدہ میں گر گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی صرف آدم علیہ السلام کی بشریت پر نظر نہ تھی بلکہ ایک دوسری حقیقت کو دیکھا۔امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے لکھا کہ:الرابع ان الملائکة امروابالسجود لآدم لاجل ان نور محمد علیه السلام فی جهة ادم (تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ۲۰۲) فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نورِ محمد ﷺ آدم کی پیشانی میں تھا۔

فائدہ : یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کرام کی نظر نبی کے نور پر تھی۔وہ سجدہ میں گر گئے۔اورقربِ خداوندی حاصل کرلیا۔اورجس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔وہ تکبّر کرکے ابلیس لعین ہوا۔اورابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کرکے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔پس علماءِ اہلِ سنّت کا مسلک یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

شیطان کو نورنظر نہ آیا

لوابصر الشیطان طلعة نوره فی وجه ادم فسجد قبل الملائکه۔

ترجمہ: اگر شیطان چشم بصیرت سے نورِ محمدی ﷺ کو دیکھتا تو سب سے پہلے سجدہ کرتا۔(المواہب اللدنیہ)

انبیاء کو بشر کہنا ابلیس اورکافروں کاشیوہ ہے

قال لم اکن لاسجدلبشر (پارہ نمبر۱۴)

ترجمہ: ابلیس نے کہا میں تو بشر کو سجدہ کرنے کو تیار نہیں۔

ماھذاالا بشر مثلکم (پارہ نمبر۱۸ المومنون)

ترجمہ: کافروں نے کہا یہ (نبی) تو تمہارے جیسا بشر ہے۔

یقولون اطعتم بشر امثلکم (پارہ نمبر۱۸ المومنون)

ترجمہ: کافروں نے کہا اگر تم اپنے بشر (نبی) اطاعت کروگے۔

قالو اماانتم الابشر مثلنا (پارہ نمبر۲۲ یٰسین)

ترجمہ: کافروں نے کہا تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر۔

ابشر یھدوننا فکفروا (پارہ ۲۸ التغابن)

ترجمہ: کیا بشر ہماری رہبری کریں گے تو اس قول سے وہ کافر ہوئے۔

انؤمن لبشرین مثلنا (پارہ ۱۸)

ترجمہ: فرعون نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں۔

یہ نمونہ کی آیات ابلیس سے لے کر حضور سرور عالم ﷺ کے ہمزمان مشرکوں کی ہیں۔اور ہمارے دَور کے فرقوں سے پوچھئے تو وہ کیا کہتے ہیں۔مولوی اسماعیل دہلوی سے لے کر مولوی قاسم نانوتوی تک لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بڑے بھائی ہیں،حضور ﷺ کی عزت وتوقیر گاؤں کے چوہدری جیسی ہے،حضور ﷺ کو علم غیب نہیں، حضور علیہ السلام سے کئی غلطیاں سرزد ہوئی۔(تقویۃ الایمان وغیرہ وغیرہ)

اور دیوبند کے قطب عالم مولوی گنگوہی نے لکھا کہ"لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول ﷺ کی نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ)

تبصرہ اویسی

غالباً آیت قرآن"وما ارسلنك الا رحمة للعلمين"نظر سے نہیں گزری اور اگر گزری ہے تو کیا انکار آیت قرآن پر کوئی فتویٰ صادر ہوسکتا ہے یا نہیں،یہ وقت بتائیگا۔(فانتظروا انی منعکم من المنتظرين)

یہ صرف نمونہ عرض کیا گیا ہے ان کی تفصیل مع تشریح کے لئے فقیر کی کتاب ’’المسائل فی شرح مرأۃ الدلائل‘‘ میں ہے۔

سوال: جب حضور ﷺ بشر ہیں تو پھر انہیں بشر کہنے میں حرج کیا ہے؟

جواب یہ قاعدہ، شرعی اصول میں سے ہے کہ کسی ایک شئے کا ہونا اور بات ہے پھر اس پر کسی شئے کا اطلاق نہ ہونا اور بات۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر شئے کا خالق ہے یہاں تک کہ خنزیر، کتّے، بلّے اور وہ تمام بری اشیاء جنہیں مخالف حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر کے متعلق لکھے ہیں۔

خود فرماتا ہے۔ ’’اللّٰہ خالق کل شئی ‘‘اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے۔ اور فرماتا ہے ’’خلق کل شئی ‘‘ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو پیدا کیا۔ لیکن باوجود ایں ہمہ علم کلام کی کتب میں اللہ تعالیٰ کو خالق القاذورات کہنا جرم ہے۔ ’’کماقال الملاعلی القاری ‘‘اور خالق الخنزیر و خالق الکلاب کہنا بے ادبی و گستاخی۔ (کذا قال التھانوی فی البوادر النوادر)

نتیجہ نکلا کہ اجمالی طور تو کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن تفصیل کے وقت بری اشیاء کا نام لے کر کہنا بے ادبی، گستاخی اور کفر ہے اس طرح حضور ﷺ کو بشر مان لیں گے لیکن زبان پر نہ لائیں گے کہ یہ کلمہ گستاخوں نے استعمال کیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب ’’نور و بشر‘‘ میں ہے۔

ابلیس نور کا منکر

رسولِ خدا ﷺ کے نور مبارک کا سب سے پہلے ابلیس نے انکار کیا چنانچہ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو فرمایا کہ زمین سے ہر قسم کی سُرخ، سفید، سیاہ، کھاری، میٹھی، نرم، سخت، خشک، تر مٹی لاؤ۔ فرشتوں نے تعمیل کی۔ اسی مٹی سے پروردگارِ عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کا خوبصورت پتلا بنایا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی اور اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا نور ان کی پشت میں بطور امانت رکھا۔ جس کی وجہ سے ان کی پیشانی آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکنے لگی، چنانچہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’وفی الخبر لما خلق اللّٰہ تعالیٰ اٰدم جعل اودع (ذلك النور) نورالمصطفیٰ فی ظھرہ فکان لشدتہ۔ (یلمع فی جبینہ)الخ‘‘ (زرقانی علی المواھب جلد ا صفحہ ۴۹)

حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نور مصطفےٰ ﷺ کو ان کی پشت مبارک میں رکھ دیا تو وہ نور ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشتِ آدم میں ہونے کے پیشانی آدم سے چمکتا تھا۔

فائدہ : پشتِ آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزاءِ جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہی اس کے اجزاءِ اصلیہ کہلائے جاتے ہیں نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزائے بدنیہ موجود ہوتے ہیں جو اس سے منتقل ہوکر اس کی نسل کہلاتی ہے اولاد کے ان ہی اجزائے جسمیہ کا آباء کے اصلاب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولدیت اور ابنیت کے رشتہ کا سنگِ بنیاد اور سببِ اصلی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پُشت میں قیامت تک ہونے والی اولاد کے اجزائے اصلیہ رکھ دیئے۔ یہ اجزاءرُوح کے اجزا نہیں، کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سماسکتی ہے ایک سے زائد ایک بدن میں روح نورِ ذاتِ محمدی ﷺ کی شعاعیں تھیں۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کس لئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ان الملئکۃ امروا بالسجود لآدم لاجل ان نورمحمد ﷺ کان فی جبھۃ آدم“(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ۳۱۸ زیر آیت تِلْكَ الرُّسل)

کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو دیا گیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد ﷺ کا نورِ پاک تھا۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ وہ تعظیم وتحیت درحقیقت نورِ محمدی ﷺ کی ہی تھی، چنانچہ تمام نوری فرشتے اس نورِ اعظم کی تعظیم کے لئے جھک گئے اور مقبول ہوگئے جو سب سے پہلے جھکا وہ سب کا سردار ہوگیا اس کے بعد درجہ بدرجہ ان کے درجات بلند ہوئے اور ابلیس انکار کرکے ملعون ومردود ہوگیا اور اس کا عابد وزاہد اور موحد ہونا، اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچاسکا۔

تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا

یہاں یہ بات بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ شیطان ہزاروں برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا مگر اس کا ملعون ومردود ہونا ظاہر نہیں ہوا اس کے ملعون ومردود ہونے کا اظہار حضور ﷺ کی تعظیم کے وقت ہوا۔ معلوم ہوا کہ علامتِ مقبولیت صرف عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تعظیم مصطفےٰ ﷺ بھی ہے۔

دوسرا حوالہ

عارف کبیر سیدی ابوالحسن علی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

عیسےٰ واٰدم

والصدور جمیعھم

ھم اعین ھو نورھا لما

ورد

آدم علیہ السلام سے لے کر عیسےٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء کرام گزر چکے ہیں وہ سب آنکھیں اور حضرت محمد ﷺ ان کا نور ہیں۔

انکار از تقلید

ففسق عن امر ربہ۔ اس نے اپنی گردن سے تقلید کی رسی دُور پھینک دی یعنی (غیر مقلد) ہوگیا۔ (روح البیان مع قرآن پارہ ۱۶)

یہ پہلی کڑی ہے عدم تقلید کی جس کی بنیاد ابلیس نے رکھی اور اس کے مقتدیوں نے۔ اس پر مفصل تبصرہ فقیر کی تصنیف ''فضل المجید فی بحث التقلید'' میں دیکھئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملائکہ میں مقلد بنا کر رکھا تھا چنانچہ روح البیان کے اسی پارہ میں کچھ آگے چل کر لکھا ہے چونکہ ابلیس کو ضلالۃ واضلاع اور غوریۃ واغوء کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس لئے اس کی تخلیق بھی نار سے ہوئی اور نار کی طبع استعلاء واستکبار ہے۔ اگر چہ پیدا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے ملائکہ کے ساتھ ملا دیا اسے ملائکہ کا لباس عنایت فرمایا اس لئے کہ اس کے افعال ملائکہ سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ بھی تقلیداً نہ تحقیقاً۔ اسی لئے یہ بھی ملائکہ میں شمار ہونے لگا بعض نے کہا کہ یہ اس قوم سے تھا جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جب انکار کیا تو انہیں آگ سے جلا دیا گیا ان کے بعد انہیں پیدا کر کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم فرمایا سب نے

سجدہ کیا لیکن ابلیس نے اپنی پہلی برادری کی طرح سجدہ سے انکار کر دیا۔(روح البیان)

ابلیس کون تھا؟

تکملہ میں لکھا ہے کہ ابلیس اول الجن تھا باقی جنات اسی سے پیدا کئے گئے جیسے آدم علیہ السلام اول الانس ہیں کہ باقی تمام انسان انہی سے پیدا ہوئے، بعض نے کہا کہ وہ قوم جن کا بقایا تھا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے جنّات کو پیدا کیا تھا چونکہ انہوں نے زمین پر خون ریزی اور فسادات برپا کئے انہیں ملائکہ کرام سے مٹا دیا گیا یہ ابلیس نیک تھا ان سے زندہ بچ کر رہ گیا۔(روح البیان)

ابلیس کی سج دھج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا، عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد و علم میں بہت بڑا تھا اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اس کا تعلق جنات سے تھا اس کے چار پَر تھے جنت کا خزانچی تھا زمین و دنیا کا بادشاہ تھا۔(ابن کثیر)

سعد بن مسعود کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنّات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کے لئے رہ پڑا۔(ابن کثیر)

اس کی تفصیل پہلے گذری ہے۔

ابلیس کو اجماع کا انکار

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی چودھراہٹ یوں ظاہر کی کہ:

انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین ۔(پارہ ۲۳ سورہ صٓ)

ترجمہ: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے۔

فوائد : (۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف اپنا نظریہ پیش کر کے لعنت و پھٹکار کو گلے کا ہار بنایا ہے۔ ایسے ہی نبی علیہ السلام کی ظاہری حکمتوں کے خلاف لوگ اپنی مانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اگر اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔(تحذیر الناس از قاسم نانوتوی)

(۲) شیطان کا یہاں پر سب سے بڑا جرم یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو بہ نظر حقارت دیکھا تو مارا گیا

یہی وجہ ہے کہ جو آج نبوت کی کسی نسبت کی تحقیر کرتا ہے تو اسے قتل کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔اس کی تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب ''باادب بانصیب،اور بےادب بےنصیب'' کا مطالعہ کیجئے۔

(۳) ابلیس نے اپنے علم وعمل کے گھمنڈ میں اجماع کی مخالفت کی،جب دیکھ رہا تھا کہ تمام نوری،قدسی، ملکوتی سربسجود ہیں تو خود کو بہتر سمجھ کر سجدہ نہ کیا بلکہ اکڑا رہا یہی تو اجماع کا انکار ہے۔یہی ہم کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ کے بعد صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین وجملہ مجتہدین اور فقہاء ومشائخ اور اولیاء وعلماء تقلید کا درس ہے اور محبوبِ خدا ﷺ بلکہ جملہ محبوبان کبریا کے ادب وتعظیم اور مزارات کی حاضری کے قائل عامل رہے لیکن نئی پارٹیوں نے اجماع کو توڑ کر خود مجتہد بننے کی کوشش کی۔

ابلیس کا واویلا

مروی ہے کہ جب نور محمّد ﷺ حضرت عبداللہ سے سیدہ آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا تو رُوئے زمین کے تمام بت اوندھے گر گئے اور تمام شیاطین اپنے کام سے دست کش ہو گئے ملائکہ نے تختِ ابلیس کو سرنگوں کر کے سمندر میں پھینک دیا اور چالیس روز تک اُسے سزا دیتے رہے۔آخر کار وہاں سے جبل بوقبیس پر آ کر اس طرح شورشیں اور فریاد وغوغا کرنے لگا کہ اس کی تمام ذریت جمع ہو گئی،کہنے لگا تم پر سخت افسوس ہے کہ محمد ﷺ بن عبداللہ متولد ہو گئے۔یاد رکھو اس کے بعد لات وعزّیٰ اور تمام بتوں کی عبادت باطل ہو جائے گی۔اور دنیا نورِ توحید سے معمور ہو جائے گی اور اسی طرح عرب کے تمام قبائل اور قریش کے تمام کاھن اپنی صفت گاری (بُت پرستی) سے نادم وشرمندہ ہو گئے اور کہانت کا علم اُن سے سلب کر لیا گیا اسی رات زمین وآسمان سے یہ صدا آنے لگی کہ اس نبی آخرالزمان کی آمد کا وقت آ گیا ہے۔

ابلیس کی میلاد دشمنی

حضرت علامہ نورالدین حلبی المتوفی ۱۰۰۰ھ اپنی مشہور تصنیف سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ابلیس غمگین وپریشان آواز سے رویا۔اور جب ارادۂ بد سے رسول اللہ ﷺ کے قریب ہونا چاہا تو جبریل علیہ السلام نے اسے ایسی ٹھوکر لگائی کہ وہ عدن میں جا گرا۔

فائدہ : آج کے دور میں مخالفین میلاد کا رونا آنسو بہانا ماہ ربیع الاوّل میں قابل دید ہوتا ہے کہ اخبارات، اشتہارات،رسائل،پمفلٹ اور تقریروں سے زمین کو سر پر اٹھا لیتے ہیں وہاں ابلیس کو جبریل علیہ السلام نے دو

رچھینک مارا۔ یہاں ہر دَور کی حکومت نے ان کے ہر مطالبہ کو ان کے منہ پر مارا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت محبوبِ خدا، حبیبِ کبریا، شہ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا اسی طرح رہیگا اور جلنے والے جلتے رہیں گے ؎

رہیگا یوں ہی انکا چرچا رہیگا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

سلام قیام کا دشمن ابلیس

''ابلیس کا روز نامچہ'' کے عنوان کے تحت ''نقاد'' کراچی بابت اپریل ۱۹۶۴ء میں درج ہے کہ خبر ملاحظہ فرمایئے:

کراچی میں جامع مسجد آرام باغ کی نئی ٹرسٹ کمیٹی کے صدر نے آج جمعۃ الوداع کے بعد نمازیوں کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روک دیا جس پر نمازیوں میں زبردست اشتعال پیدا ہوگیا اور انہوں نے مسجد میں نئے صدر کی مرمت کرڈالی۔ معلوم ہوا کہ قیام مسجد کے وقت سے ہر سال جمعۃ الوداع کے مبارک موقعہ پر مسجد میں صلوٰۃ وسلام کا خصوصی اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

اس خبر میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ قیام مسجد کے وقت سے سلام کا اہتمام ہو رہا ہے۔ قیام اسلام یا ابتدائے اسلام کا ذکر نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کے زمانہ میں کبھی کسی مسجد میں کسی الوداع کے موقعہ پر صلوٰۃ وسلام کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اب آرام باغ کی مسجد کے قیام سے یہ سلسلہ اگر شروع ہوا ہے تو بھیا! خدا کی قسم مجھے پتہ نہیں کیا قصہ ہے؟ قرآن اور حدیث میں تو میں نے بڑا تلاش کیا لیکن مجھ جیسے اندھے کو الوداع کے دن یا کسی بھی نماز کے وقت صلوٰۃ وسلام کا تذکرہ نہیں مِلا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ میں ابلیس ہوں۔ اللہ میاں ☆ 1 مجھ سے خوش نہیں ہیں اس لئے یہ اہم مسائل مجھے اپنی کوتاہ بینی کے پیشِ نظر نظر ہی نہ آتے ہوں۔ اور کراچی کے لوگوں پر سب کچھ عیاں ہوگیا ہو۔

تبصرئہ نقّاد

''ابلیس کا یہ کہنا کہ اللہ میاں مجھ سے خوش نہیں ہیں اس لئے یہ اہم مسائل مجھے اپنی کوتاہ بینی کے باعث نظر ہی نہ آتے ہوں'' بالکل درست ہے، کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی اس لئے اسے اس کی ذریت کو قرآن وحدیث کے مسائل کا صحیح طور پر علم نہیں ہوسکتا...... قرآن مجید کی شان میں

مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ نے فرمایا "هُدی للمتقین "یعنی قرآن کی ہدایات سے وہی مُتفع ہوسکتا ہے جسے دولتِ ایمان حاصل ہو۔(تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۶)

ابلیس اپنی ذریت سمیت لاکھ ٹکریں مارے لیکن اسے صلوٰۃ وسلام کا جواز نہ قرآن میں نظر آئے نہ حدیث میں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان پورے ادب واحترام کے ساتھ خدا تعالیٰ جل مجدہٗ کی مقدس کتاب قرآن مجید کو کھول کر بائیسواں پارہ سورۃ الاحزاب رکوع نمبر ۷ پڑھے تو اسے یہ مبارک آیت صاف نظر آئے گی۔

ان اللّٰہ و ملائکته یصلون علی النبی یاایھاالذین امنو صلوا علیه و سلموا تسلیما۔

ترجمہ: بیشک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوں ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت کے مضمون کو ذہن نشین کرنے کے بعد مومن کا ایمان اسے یہ اصول بھی سمجھائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ اقدس سید عالم ﷺ میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے کسی وقت کی تعین و تخصیص نہیں فرمائی، لہٰذا ہم جب چاہیں صلوٰۃ وسلام بھیج سکتے ہیں۔ نماز جمعہ سے پہلے بھی جمعہ کے بعد بھی۔ الگ الگ بھی اور اکھٹے ہو کر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت ایسا نہیں بتایا جس میں کہ صلوٰۃ وسلام کا بھیجنا ناجائز و حرام ہو۔ لہٰذا اگر کسی جگہ کے مسلمان اپنی سہولت کے لئے کوئی وقت معین کرلیں اور اس میں صلوٰۃ وسلام کے نذرانے بارگاہِ رسالت میں پیش کریں تو کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: نقّاد کی تنقید سے ہمیں اتفاق ہے اگر چہ اس سے ابلیس کے چیلے ناراض ہوں تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ابلیس ہمارا اور ہمارے باپ کا دشمن اور اس کے چیلے ہمارے ساتھ دشمنی کریں تو انہیں حق پہنچتا ہے ہاں اسلامی دینی اصول کے لحاظ سے سلام وقیام نہ صرف جائز بلکہ اہل ایمان کو روحانی ذوق نصیب ہوتا ہے، چنانچہ فضلائے دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ یہی فیصلہ فرما چکے ہیں۔

جھاڑ پھونک اوردم درود سے خوف

حضرت علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساتویں پارہ کی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنایا اور اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے بعد کو پیئوں

گا۔صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھا۔بصد تلاش آخر نہ ملا پھر دوسرا شربت تیار کیا اور اُس پر سورہ یٰسین پڑھ کر رکھ دیا اور وہی ارادہ کہ صبح کو پیئوں گا۔صبح کو اُٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے اندر پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جا سکا۔

فائدہ : دم درود جھاڑ پھونک سے تو ہماری عزت افزائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے ''فنفحت فِیْہ من روحی'' مٹی کے ڈھیلے کو حضرت انسان بنا کر ''ولقد کر منابنی آدم'' کا تاج پہنایا، جس سے ابلیس کی چودھراہٹ خطرہ میں پڑی اب اس کے چیلوں کو اپنا خطرہ نہیں بلکہ گروہ کی بے عزتی ایک آنکھ نہیں بھاتی ورنہ جھاڑ پھونک میں کیا ہوتا ہے ''کلام الٰہی'' پڑھ کر بیمار کو پھونک مار کر تندرستی وشفاء کی اُمید کی جاتی ہے اور اس کا ثبوت اور جواز قرآن وحدیث میں صریح موجود ہے۔تفصیل فقیر کی کتاب ''علاج الابدان بالا حادیث والقرآن'' میں پڑھیے۔

فائدہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی اسی عمل کا کرشمہ ہے ''فنفخنا فیھا من روحنا'' اور وہ خود بھی اسی عمل سے بیماروں کو شفا اور مُردوں کو ارواح کی دولت بخشتے تھے ''کما قال فانفخ فیہ'' اور کل قیامت میں ہمارا اٹھنا بھی اسی عمل سے ہوگا'' کماقال تعالیٰ ونفخ فی الصور فاذاھم من الاجداث ینسلون''

لیکن مُخالفین کو چونکہ اپنے گُرو کو خوش کرنا ہے اسی لئے نہ صرف انکار بلکہ اس کے عامل کو شرک کی وعید شدید سناتے ہیں۔اور ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' مثال مشہور ہے۔اپنی بات منوانے کے لئے وہ روایات پیش کرتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت کی غلط رسموں کو روکنے کے لئے حضور سرورِ کونین ﷺ نے بیان فرمائیں، لیکن یار لوگوں نے ان روایات کو اہلِ اسلام پر تھوپ دیں اور یہ بھی حضور نبی پاک، شہ لولاک ﷺ کا معجزہ ہے جیسا کہ فرمایا کہ ایسی قوم پیدا ہوگی جو مسلمانوں کو مشرک کہتی پھرے گی، چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ نجدیت سے لے کر دیو بندیت تک تمام عالِم اسلام کے مسلمانوں کو یہی لوگ مشرک بناتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ''وہابی دیوبندی''۔

بے ادب اور گستاخ ابلیس کے معززین

حضور سرورِ عالم ﷺ نے ابلیس سے پوچھا تیرے نزدیک معزز اور محبوب کون ہے۔کہا جو ابوبکر وعمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دے۔(نزہتہ المجالس جلد۲صفحہ ۵۶)

فائدہ : یہ صرف نمونہ کے طور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہم نے مثال دی ہے ورنہ ابلیس ہر محبوبِ خدا کو گالی دینے اور اُن سے بغض وعداوت رکھنے اوران کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے سے پیار اور صرف اسی کو اپنا معزز ومحترم سمجھتا ہے۔

ناظرین کودعوتِ انصاف ہے کہ محبوبانِ خدا اولیاء کرام کی عزت واحترام پرکون سی پارٹی حملہ آور ہے ان کی تقریریں،تحریریں گواہ ہیں فقیر کیا عرض کرے۔

ابلیس تقیه باز

جب آدم وحوا،علیہما السلام بہشت میں تشریف فرماتھےتو شیطان حاضر ہوکر ''فاسمھاانی لکمالمن الناصحین ''ان کے سامنے قسم کھا کرکہا کہ بیشک میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

فائدہ : شیعوں کا تقیہ تو سب کو معلوم ہے لیکن ہمارے دور میں دیوبندیوں کا تقیہ شیعہ فرقہ سے پندرہ گز آگے ہے اسکے لئے دلائل کی ضرورت نہیں۔مساجد میں گُھس جانا تقیہ کرکے رہنا پھر مساجد پر قبضہ جمالینا کس پارٹی کا شیوہ ہے اور یہ عملی تقیہ مولوی اشرف علی تھانوی کا مرہونِ منّت ہے جب کہ کان پور میں میلا د شریف کی محفلوں میں آنے جانے لگا۔مولوی رشید احمد گنگوہی نے ٹوکا تو جواب دیا کہ اس میں مصلحت ہے۔(تفصیل دیکھئے تذکرۃ الرشید)

ابلیس کی تین طلاقیں

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا''میں مکہ میں عالمِ رؤیا میں رسولِ اکرم شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، دیکھا کہ حضور جلوہ افروز ہیں اور محمد بن مالک صدفی بخاری شریف سنا رہے ہیں تو میں نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔عرض کیا۔

سوال: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو کیا تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی یا ایک رجعی ہوگی؟''

جواب: یہ سُن کر سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''خاوند کے کہنے کے مطابق تین واقع ہوں گی۔''

سوال: میں نے عرض کیا۔''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک واقع ہوگی۔''

جواب: فرمایا ''انہوں نے جواُن تک دلائل پہنچے اس کے مطابق حکم لگایا ہے۔''

سوال: میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میں اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پوچھتا ہوں جو آپ نے فرمایا ہے۔

جواب: یہ سُن کر حضور ﷺ نے فرمایا ہے، ''فلاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔''اور وہ عورت اُس پر حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔(الآیۃ)

ابلیس

جب سرکار نے یہ حکم فرمایا تو میں نے دیکھا کہ مجلس میں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بحث شروع کردی اور وہ ابلیس تھا۔ اُس کی اس تکرار سے میں نے دیکھا کہ سید دوعالم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا۔ گویا کہ حضور کے رُخسار مبارک میں انار نچوڑا گیا ہے اور حضور غضب ناک ہوگئے اور سرکار نے بلند آواز سے متعدد مرتبہ جھڑک کر فرمایا ''کیا تم بدکاری کرنا چاہتے ہو؟'''' یہ تین طلاقیں ہیں، یہ تین طلاقیں ہیں۔'' زاں بعد پھر سنانے والے نے صحیح بخاری سنانا شروع کردی جب ختم ہوگئی تو حبیبِ خدا سید انبیاء ﷺ نے دعا فرمائی پھر آنکھ کھل گئی۔''(رسالہ مبشرات للشیخ الاکبر، سعادۃ الدارین صفحہ ۴۷۷) اس مبارک خواب سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین ہی واقع ہوں گی اور اگر کوئی شخص ایسی مطلقہ بیوی کو آباد کرلے تو ہمیشہ بدکاری ہوتی رہے گی۔ اور اولاد بھی ناجائز پیدا ہوگی جب تک کہ حلالۂ شرعی نہ ہو۔

تبصرہ از اُویسی

طلاق ثلاثہ بیک وقت وقوع کا سب سے پہلا ابلیس ہے۔ اس کی پیروی کس نے کی، اس کے متعلق تفصیل کی ضرورت نہیں صرف ایک حوالہ پڑھ لیجئے:

ابن تیمیہ اورغیر مقلدین

آیتِ مبارکہ ''فلا تحل لہ ''(پارہ۲ آیت۱۳) کے تحت مفسرِ قرآن شیخ صاوی علیہ رحمۃ الباری نے نقل فرمایا، آیت کا معنٰی یہ ہے کہ اگر یکدم یا الگ الگ تین طلاقیں دیں تو عورت اُس پر حلال نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں نے تجھے تین طلاق دی تو وہ اس پر اتنا کہنے سے بھی حرام ہوجائے گی اور اس پر علماء کا اجماع ہوچکا ہے اور ابن تیمیہ کے علاوہ کسی بھی معتمد عالم نے یکدم تین طلاق کو ایک طلاق شمار نہیں کیا ہے۔ ابنِ تیمیہ کا ردّ اس

کے ہم مذہب علماء وائمہ نے بھی کیا یہاں تک کہ علماء نے ابنِ تیمیہ کو گمراہ کنندہ کہا ہے۔‘‘

فتاویٰ ثنائیہ

میں بھی منقول ہے کہ ’’نواب صدیق حسن خان نے ’’اتحاف النبلاء‘‘ میں جہاں شیخ ابن تیمیہ کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب ابن تیمیہ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے اُن کو اونٹ پر سوار کر کے درّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔قید کئے گئے اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ۔‘‘(فتاویٰ ثنائیہ جلد۲ صفحہ۲۱۹)

مزید لکھا ہے کہ ’’تین طلاق مجلسِ واحد کا ایک حکم میں ہونا یہ مسلک صحابہ تابعین تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔‘‘(فتاویٰ ثنائیہ صفحہ۲۱۹)

غیر مقلدین وهابی

اب ہمارے دور میں وہابی غیر مقلدین طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت وقوع کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ الٹا اس کے منکر کو گمراہ اور بے دین گردانتے ہیں بلکہ خود اپنے ہم مسلک مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی گمراہ کہتے ہیں اس کے اور وجوہ بھی ہیں جنہیں فقیر نے کتاب ’’شتر بے مہار‘‘ میں تفصیل سے لکھا ہے، منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ابن تیمیہ کا خلاف کیوں کیا اور یہ کیوں کہہ دیا کہ علامت روافض اور یہ مسلک سات سو سال بعد کا ہے ۔

علامات ونشانات اولادِ ابلیس

ابلیس کی اولادِ حقیقی سے ہماری بحث نہیں بلکہ اس کی معنوی اولاد کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دم مارا کہ وہ اپنے چیلے چانٹے اولاد آدم سے بنائے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے چیلے چانٹے تیار کئے تو ان کی نشانیاں کون سی ہیں۔فقیر معتبر ومستند کتب سے چند علامات ذکر کرتا ہے۔

انبیاء واولیاء سے دشمنی

صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کے پارہ ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ ’’وہ آدم زادے جن کی شکل وصورت

تو آدم علیہ السلام جیسی ہو لیکن ان کے کردار ابلیس جیسے ہوں تو انہیں شیاطین الانس سمجھو ان کی علامت یہ ہے کہ ابلیس معنوی اولاد کو اپنا حامی کار بناتا ہے جو شب و روز اس کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمٰن کی اطاعت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذریت شیطان کے چیلے بننے پر فخر کرتے ہیں لیکن آدم علیہ السلام کی حقیقی اولاد یعنی انبیاء و اولیاء کی اطاعت سے کراتے ہیں انہیں اولیاء و اعداء کے مابین امتیاز نہیں رہتا۔

فائدہ : نجدی وہابی (غیر مقلدین) اور دیوبندی اپنی تصانیف اور تقریروں میں بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

آخری بات

یہ داستان طویل ہے فقیر نے صرف چند نمونے عرض کئے ہیں۔ اب چند حوالے ملاحظہ ہوں کہ جن لوگوں نے انبیاء و اولیاء کے کمالات کو ماننے پر شرک کا فتویٰ دیا لیکن وہی کمالات ابلیس کے لئے ثابت کئے چند نمونے حاضر ہیں۔

ابلیس کا علم محیط

علمائے دیوبند کا قطب مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں لکھا کہ ''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا محض شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصّہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کے لئے یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے لئے کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ مطبوعہ انڈیا دیوبند)

شان درود

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا عبدالسمیع رامپوری کمہاران (رحمۃ اللہ علیہ) نے مجلس میلاد اور سلام و قیام و فاتحہ کے اثبات میں ایک کتاب لکھی ''انوار ساطعہ'' اس میں ثابت کیا کہ بعض مجلس میلاد میں حضور سرور عالم ﷺ کا تشریف لانا یا آپ کو اس کا علم ہونا بعید از امکان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بُری مخلوق شیطان اور بہتر مخلوق حضرت ملک الموت کے لئے ایسی صفت اپنے پرائے سب مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں مذکورہ بالا عبارت دیوبند کے دوستوں نے لکھ ماری جس پر عرب و عجم کے علماء و مشائخ نے اس کی تکفیر

کی۔لیکن افسوس کہ اس سے ندامت کے بجائے فضلائے دیوبند اس منحوس عبارت کی تصحیح پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

عبارت مذکورہ نے فیصلہ فرمادیا کہ آپ کے لئے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اب اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ان کا عقیدہ پڑھ لیجئے۔

مولوی اسمعیل دہلوی اپنی کتاب ''تقویت الایمان'' میں لکھتا ہے جو اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں،سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملائے وہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی مقرب مثلاً کوئی کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں تو اس کے جواب میں نہ کہے کہ اللہ ورسول جانے کیونکہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔

تبصرہ : افسوس کہ درخت کے پتے جاننے کو خدائی علم محدود کردیا اور کہہ دیا کہ اس میں مخلوق کو دخل نہیں حالانکہ یہ تو معمولی بات ہے لیکن اس میں نبی علیہ السلام کو بے خبر بتادیا اور ابلیس کے لئے کہا کہ اس کا ساری زمین کا علم محیط ہے۔

دوسرا حوالہ

مولوی حسین علی واں بھچرانوی نے تفسیر بلغتہ الحیر ان پارہ نمبر۱۲ پہلی آیت کی تفسیر میں معتزلہ کے عقیدہ کو ترجیح دی کہ ''اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک وہ کام (عمل) کر نہیں لیتے۔

تبصرہ : جس برادری کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے لئے ایسا گھٹیا ہو وہ اگر رسولِ خدا ﷺ کا علم گھٹا کر بیان کریں تو اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

شیطان کا دُور سے تصرف

مولوی ظفر احمد تھانوی نے رسالہ ''انوار الصوم'' صفحہ ۳۰ پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ جب شیاطین قید ہوگئے تو پھر وہ آدمیوں کو (رمضان میں) کس طرح بہکاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دُور سے بذریعہ توجہ کے تصرف کرتے ہیں الخ

فائدہ : کتاب مذکورہ اشرفیہ کتب خانہ تھانہ بھون (انڈیا) ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوئی۔ فقیر کے پاس موجود ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ

شیطان کے لئے تو اتنا بڑا تصرف ماننا عین اسلام ہے اگر ایسے تصرفات حضور ﷺ اور اولیائے کرام کے لئے مانے جائیں تو شرک، اس کی وجہ وہ خود ہی بتا سکتے ہیں۔

شیطان ہر قبر میں

ہر قبر میں شیطان کے موجود ہونے کے یہ لوگ قائل ہیں کیونکہ حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضور ﷺ کے ہر قبر میں موجود ہونے کے منکر ہیں اس کے متعلق فقیر کا رسالہ ہے ''القول المؤیدفیما تقول فی ھذارجل المحمد ''عرفی نام''ہر قبر میں زیارتِ رسول ﷺ''۔

تبصرہ اویسی غفرلہٗ

بتایئے کہ شیطان کی اتنی بڑی زبردست قدرت ماننا کہ وہ ہر قبر میں ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے انکار کرنا اس کی وجہ کیا ہے یہ ان سے پوچھئے۔

لطیفہ

مخالفین ابلیس کے علم محیط اراضی کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کا علم نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (براہین قاطعہ) لیکن حضور ﷺ کے لئے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے (براہین) لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خیر و شر کو پیدا فرمایا ہے اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں افسوس ہے کہ مخالفین شر کے لئے تو زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور جس آقا ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں اس سے نہ صرف انکار بلکہ ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ مخالفین شر پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر شے سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے بچائے۔(آمین)

لفظ نبی خود غیب کے عقیدہ کا پابند کرتا ہے کیونکہ یہ نبأ سے ہے بمعنی غیبی خبر دینا اگر اسے مُطلق خبر کے لئے محدود رکھا جائے۔تو پھر مخبر کو نبی مانا جائے لیکن ایسا نہیں بلکہ اس کو نبی ماننا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیبی خبریں دے۔اسی لئے نبی علیہ السلام کے لئے علم غیب ماننا پڑے گا۔لیکن وہ نہیں مانتے۔مگر شیطان کے لئے مانتے ہیں ایسا کیوں؟

ان حقائق سے ماننا پڑے گا کہ وہ ابلیس کے کمالات کے قائل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے منکر ہیں۔

آخری گذارش

اس بحث کو یہاں ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم ہمیں اپنے نبی پاک ﷺ کے سچے اور پکے نیازمندوں سے بنائے۔

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

بہاول پور ۔ پاکستان

۲۱ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ

فضلِ حق خیر آبادی اور سن ستاون

حکیم محمود احمد برکاتی

فضلِ حق خیرآبادی

اور

سن ستاون

حکیم محمود احمد برکاتی

برکات اکیڈمی، کراچی

مؤلف : حکیم محمود احمد برکاتی

ناشر : برکات اکیڈمی، ۲۹۸- اے لیاقت آباد ۱۹ کراچی

کتابت : مرزا اشفاق احمد چغتائی

مطبع : افریشیا پرنٹنگ پریس - کراچی

تاریخ اشاعت : مئی ۱۹۸۷ء

بار دوم
مطبع - شہزاد پرنٹر لاہور

اشاعتِ اوّل : ایک ہزار

قیمت [illegible]/- روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ لاہور

باطل دشمن حریت پسند اور اسلام دوست نوجوانوں کے نام

مولانا فضل حق خیرآبادی نے وطن عزیز پر انگریزوں کے استیلا کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے کسی بھی ممکن قربانی سے دریغ نہیں کیا، مگر انگریز کا تسلط قائم رہا۔ مولانا کے فرزند گرامی مولانا عبدالحق خیرآبادی نے بھی استخلاصِ وطن کی تمنا میں عمر گذاری اور بسترِ مرگ پر اپنے تلامذہ و اخلاف سے یہ فرما گئے کہ

"میں تو وطن سے انگریزوں کو جاتے نہ دیکھ سکا خدا تمھیں یہ روز روشن دکھائے تو میری قبر پر آکر یہ ضرور کہہ دینا کہ انگریز چلا گیا۔"

مولانا عبدالحق کے اخلاف و تلامذہ کی دو نسلوں سے مسلسل یہ وصیت ہم تک منتقل ہوتی چلی آرہی ہے اور انگریزی تسلط کے خاتمے کا انتظار کرتے کرتے تھک کر اب ہم یہ وصیت تم ــــــ نوجوانوں تک منتقل کر رہے ہیں کہ اگر خدا بزرگ تمھاری سرفروشیوں اور قربانیوں کے نتیجے میں یہ ساعتِ سعید تمھارے عہد میں لے آئے تو مولانا کی روحِ پاک کو مخاطب کرکے یہ پیامِ جانفزا ضرور سنا دینا کہ "انگریز حقیقتاً ہماری سرزمین سے چلا گیا اور ساتھ ہی اس کے علوم و نظریات اور افکار و خیالات بھی ہمارے ذہن و دماغ سے محو ہو گئے۔"

مولانا کی روح اِس صدائے دل نواز کے لئے گوش برآواز ہے اور

اِک آنے والی اسلامی حکومت کے تخیل میں
لحد میں بھی کھلی ہے اس کی چشمِ انتظار اب تک

محمود احمد برکاتی
اور دوسرے خدام بارگاہِ فضلِ حق

ترتیب

پس منظر

مولینا فضل حق خیرآبادی سے میری کوئی قرابت داری تو نہیں تھی لیکن میرے اور مولینا کے خاندانوں میں برادری کا وہ قدیم رشتہ ضرور تھا جو اودھ کے تمام قصبات میں پھیلا ہوا تھا۔ پھر سیتاپور اور خیرآباد کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا، پانچ یا چھے میل۔ انقلاب سن ستاون سے پہلے سیتاپور کو مرکزیت ہی حاصل نہیں تھی، بلکہ خیرآباد ہی نظامت (کمشنری) تھی، اس لئے قیاس یہی کرنا چاہیئے کہ سیتاپور اور خیرآباد میں گھر آنگن کا بھی ایک کہاوتی رشتہ ضرور ہوگا! خود مولینا خیرآبادی تمام عمر خیرآباد سے باہر ہی رہے، گر وطنی تعلق ہمیشہ باقی رکھا۔ بہت سے افرادِ خاندان یہیں رہے اور آخری آرام گاہ تو بیشتر افرادِ خاندان کی خیرآباد ہی قرار پائی۔ یہ اور بات ہے کہ چند روز کے بعد خیرآباد میں کوئی یہ بھی بتانے والا باقی نہ رہے گا کہ مولینا فضل امام خیرابادی اور شمس العلما مولینا عبدالحق خیرآبادی کی قبریں بڑے مخدوم صاحبؒ کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں کہاں پر تھیں؟ مولینا

خیرآبادی کے خلاف دشمن تو دشمن خود دوستوں نے وہ سلوک کیا جسکی توقع نہیں کی جاسکتی تھی! انقلاب سن ستاون کے بعد برصغیر کا مسلمان سیاسی خلفشار کے علاوہ معاشرتی، سماجی اور مذہبی افراتفری کا شکار رہا۔ مسلمانوں میں کتنی تحریکیں اُبھریں اور معاشرے کو روندتی ہوئی ختم ہوگئیں۔ مولینا خیرآبادی بھی اسی چکّی میں پس گئے۔ انگریز پرست مسلمان تو مولینا سے اس لئے خفا تھا کہ وہ سن ستاون کی جنگِ آزادی میں مجاہدانہ اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے اور کٹّر مذہبی حلقے اس لئے ناراض تھے کہ مولینا خیرآبادی حضرت شاہ اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔

ایک صدی بیت گئی! لیکن ذہنی گردوغبار کے بادل نہ چھٹ سکے! انگریز جب تک برصغیر میں برسرِاقتدار رہا آئین اور قانون کی دیواروں سے جھانک کر بہت سے چہرے پہچانے گئے، مگر نظر نہ آسکی تو ایک مولینا فضل حق کی ڈراؤنی صورت تھی جن کی "غالب ساز" شخصیت کو چھپانے کے لئے بڑے بڑے غالب شناس، ریسرچ اور تحقیق کی پُرخار وادیوں سے آگے نہ بڑھ سکے!

خدا بھلا کرے محبّی مولینا عبدالشاہد خاں شروانی کا جنھوں نے سب سے پہلے اس مظلوم شخصیت کو حیاتِ ثانیہ بخشی اور "باغی ہندوستان" لکھ کر ایک بار پھر یہ یاد دلادیا کہ مولینا فضل حق خیرآبادی صرف عالمِ دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک مردِ مجاہد بھی تھے جنھوں نے انقلاب سن ستاون میں عزم وعمل کا ایک ایسا کردار ادا کیا تھا جسے ہندوپاک میں کبھی فراموش

نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا شروانی کی یہ پہلی تالیف تھی ـــــ اپنے موضوع سے انھیں والہانہ عشق بھی تھا۔ اس لئے " زورِ بیان " میں وہ بعض مقامات پر اپنے موضوع سے آگے نکل گئے اور کہیں پیچھے رہ گئے۔ سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ انھیں مرحوم مفتی انتظام اللہ خاں شہابی کی غیر معتبر اور غیر مستند حکایات و روایات کا بھی سہارا لینا پڑا۔ انجام ظاہر تھا۔ " خیرآبادیات " کے موضوع پر " نقشِ اوّل " کا درجہ رکھنے کے باوجود یہ تالیف اہل تحقیق و تنقید کی " خوردہ گیری " سے نہ بچ سکی۔

مولانا شروانی کی آواز کہاں تک پہنچی؟ میں اس سلسلے میں بہت کچھ لاعلم ہوں، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ " باغی ہندوستان " کی اشاعت کے بعد ایک روسی مستشرق " مادام پولونسکایا "، مولانا فضل حق خیرآبادی کے سیاسی افکار اور " فلسفۂ بغاوت " پر تحقیقی کام کرنے کیلئے ہندوستان پہنچی تھیں۔ ایک طرف تو " بیرونِ ہند " مولانا خیرآبادی کی سیاسی زندگی " فلسفۂ بغاوت " کی چھان بین ہو رہی تھی دوسری طرف انقلاب سن ستاون کے مسلم مجاہدین آزادی کو رسوا اور بدنام کرنے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں غیر ملکی امداد و تعاون پر چلنے والا دہلی کا ایک نیم ادبی ماہنامہ پیش پیش تھا۔

حسنِ اتفاق کہ اسی زمانے میں محبِّ محترم مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کو کتب خانۂ رامپور میں ایک ایسی تاریخی " عرضی " مل گئی جس پر

مولانا فضلِ حق خیرآبادی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اِس عرضی پر ۱۸ر فروری (۱۸۵۹ء) کی تاریخ پڑی ہوئی تھی جس سے مولانا عرشی کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ تحریر مولانا خیرآبادی کی تاریخی درخواست کا درجہ رکھتی ہے، حالانکہ اگر مولانا غور فرماتے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ عرضی پر جو تاریخ پڑی ہوئی ہے مولانا خیرآبادی کی مہر ہونے کے باوجود وہ کسی طرح اُن کی تحریر نہیں ہوسکتی، کیونکہ مولانا خیرآبادی اس سے قبل ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کئے جاچکے تھے اور غدر سن ستاون کے گرفتارشدگان کے ساتھ انگریز وہی سلوک کرتے تھے جو "مارشل لا" کے ہنگامی دَور میں اب بھی کیا جاتا ہے اِس لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مولانا خیرآبادی قیدِ فرنگ سے کوئی "عرضی" یا درخواست نواب رامپور کو پیش کرسکتے اور وہ بھی اپنی مہر لگا کر —— جو دوسرے سامان کی طرح اُن کے ساتھ جیل میں ہرگز نہیں جاسکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اسی زمانے میں ڈاکٹر اطہر عباس کی ایک کتاب "سوتنتر بھارت" شائع ہوگئی جس میں اخبار الظفر دہلی کے پرانے زمانے میں چھپے ہوئے ایک ایسے فتوے کا عکس بھی شامل تھا جس پر مولانا خیرآبادی کے دستخط نہیں تھے۔ انقلاب سن ستاون میں دہلی کے علما نے کئی فتوے دیے تھے جن کا تذکرہ سن ستاون کے سلسلے میں کہیں کہیں ملتا ہے، لیکن مولانا عرشی نے اس مطبوعہ فتوے ہی کو اول و آخر فتویٰ قرار دیکر ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا اور وہ بھی اس روشنی میں کہ مولانا فضل حق نے سن ستاون کی جنگِ آزادی میں

کسی قسم کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ چونکہ مولانا عرشی نے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنے ذہن کو منفی انداز میں تیار کر لیا تھا اس لئے انھوں نے اپنی دیرینہ روایات کے خلاف اپنے گرد و پیش پر قطعاً نظر نہیں ڈالی اور ضروری مواد کو دیکھے بغیر عجلت میں یہ مضمون قلم بند فرما دیا، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو خود اُن کے گرد و پیش ایسا مواد پھیلا ہوا تھا جسے ملاحظہ فرما کر وہ اپنی دیرینہ روایات کو قائم رکھ سکتے تھے۔

میں مولانا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی اُن کی تحقیقی و علمی عظمت کا قائل ہوں اسی لئے جب میں نے مولانا کے مضمون میں مولانا خیر آبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا:

"ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا خیر آبادی نے "غیر شرعی شوقِ شہادت" سے مجبور ہو کر ایسا "جھوٹ" بولا تھا جو اگر باور کر لیا جاتا اور اس کے مطابق انھیں پھانسی دے دی جاتی تو وہ ایک طرح کی خودکشی کے مرتکب ہوتے"۔

(صفحہ ۱۰-۱۱ ماہنامہ تحریکِ دہلی اگست ۱۹۵۷ء)

مولانا عرشی نے اس موضوع کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا؟ نواب رامپور کے نام اس عرضی کو بنیاد بنا کر مولانا عرشی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا۔ مولانا خیر آبادی پر حسب ذیل تین الزام عائد کئے گئے تھے:

(۱) خان بہادر کے ساتھ بریلی میں تعاون اور مولانا کی طرف سے

پیلی بھیت میں نظامت۔
(۲) پھر خان علی خاں کی طرف سے محمدی کی چکلہ داری۔
(۳) پھر ایک باغی لشکر کی کمان داری۔
مولینا عرشی نے اس عرضی کو بنیاد بنا کر یہ تین الزامات اخذ کئے ہیں اور نھیں الزامات کا سہارا لے کر مولینا فضل حق خیرآبادی کے ”غیر شرعی شوق شہادت“ اور ”جھوٹ“ کا تحقیقی محاسبہ فرمایا ہے۔
لیکن آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے جب مولینا فضلِ حق کی اِس فرد جرم میں ان تین الزامات کے برعکس صرف یہ دو ہی الزام ملیں گے جنھیں جناب مالک رام نے مولینا فضل حق کے خلاف اس سرکاری فائل سے پیش کیا ہے جس کی بنیاد پر مولینا خیرآبادی کے خلاف ”مارشل لا کورٹ“ نے جرم بغاوت لگا کر انھیں کالے پانی کی سزا دی تھی۔
مارشل لا کورٹ کی یہ فرد جرم تین نہیں صرف دو الزامات پر مبنی ہے:
ا۔ پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کو بھڑکانا۔
۲۔ ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اودھ میں بغاوت پر اُکسانا۔
مولینا عرشی کی عائد کردہ فرد جرم میں کتنا فرق ہے؟ اسے ایک قانون داں ہی محسوس کر سکتا ہے، کیونکہ قانون کی اساس و بنیاد الفاظ پر رکھی گئی ہے۔ اگر بقول مولینا عرشی ”عرضی“ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۸۵۹ء سے یہی نتیجہ نکلتا ہو جو انھوں نے نکالا ہے تب بھی وہ فرد جرم کی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ اسے بنیاد بنا کر کسی کو جھوٹا قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ

اس مقدمہ کی روداد سے یہ ثابت ہے کہ مولینا خیرآبادی کے مقدمہ کی کارروائی کا براہِ راست تعلق ان واقعات سے نہیں تھا جن کا تذکرہ مولینا عرشی نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

مولینا فضلِ حق سے منسوب عرضی (۱۸ فروری ۱۹۵۹ء) کے علاوہ مولینا عرشی نے "سوتنتر دہلی" میں چھپے ہوئے اس فتوے کے عکس کو بھی بنیاد بنایا ہے جو "صادق الاخبار دہلی" ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء سے لیا گیا ہے۔ اور جس پر مولینا خیرآبادی کے دستخط نہیں ہیں۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے اخبار "الظفر دہلی" میں چھپا تھا، لیکن مولینا عرشی اب سے ڈیڑھ سو سالہ قدیم اغلاطِ کتابت و طباعت کی مشکلات سے باخبر ہونے کے باوجود کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکے کہ "صادق الاخبار" میں چھپا ہوا فتویٰ اخبار الظفر دہلی کی ہو بہو نقل ہے۔ جن لوگوں کے سامنے ۱۸۵۷ء سے پہلے کی "لیتھو" طباعت کی اسقام ہیں وہ کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ الظفر سے نقل کرنے کے باوجود یہ تحریر کتابت کی اغلاط سے پاک ہے۔ مجھے اس بات پر قطعاً اصرار نہیں ہے کہ یہ فتویٰ وہی جہاد کا فتویٰ ہے جس پر مولینا خیرآبادی کے دستخط تھے۔ مولینا عرشی جیسے محتاط محقق سے مجھے یہ بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اپنی تحقیقی عمارت کو ایسی بودی اور کمزور بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

اگرچہ مولینا عرشی نے فتوے کی بحث میں مفتی صدرالدین آزردہ کے "شہادت بالخیر یا شہادت بالجبر" کا غیر متعلق تذکرہ مناسب سمجھا۔

کاش قدیم لیتھو طباعت کی لاشعوری مشکلات کو سامنے رکھ کر وہ "صادق الاخبار" میں چھپے ہوئے فتوے کے عکس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے!

مولینا عرشی نے جس بحث کا آغاز اگست ۱۹۵۷ء میں کیا تھا، اس کا بہت کچھ تکملہ جناب مالک رام کے اس مضمون (مولینا فضل حق خیرآبادی) پر ہوا جو ماہنامہ تحریکِ دہلی بابتہ جون ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔

جناب مالک رام نے ایک جزو سے زائد ضخامت پر مشتمل اس مضمون میں حکومتِ ہند (نئی دہلی) کے "نیشنل آرکائیوز آف انڈیا" فارن پولٹیکل ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۵۵۷ کے ریکارڈ کی تلخیص کر کے شائع کردی۔ مگر اس التزام کے ساتھ کہ مولینا عرشی نے تحقیق کی جو نئی راہیں نکالی ہیں اُن پر حرف نہ آنے پائے۔

لیکن میں جناب مالک رام کی نیک نیتی اور محتاط نگاری کے احترام کے باوجود یہ عرض کروں گا کہ وہ قانونی موشگافیوں کی پُرپیچ وادیوں سے یقیناً واقف نہیں ہیں۔ اگر اس "مثل" کی تلخیص سے پہلے وہ "بہادر شاہ ظفر" کے مقدمۂ بغاوت کی ترتیب اپنی نظر میں رکھتے تو شاید پڑھنے والوں کو صحیح نتیجہ نکالنے میں زیادہ آسانیاں پہنچا سکتے تھے۔

کیونکہ مارشل لا کا وہ مقدمہ بھی "آرمی ایکٹ" ہی کے تحت چلایا

گیا تھا۔ اس قسم کے مقدمات کی فائلوں کی ترتیب کچھ اس طرح پر کی جاتی ہے:

(۱) استغاثہ (۲) فردِ جرم (۳) کارروائی مقدمہ (۴) پلیڈنگس (۵) کاغذات مدخلہ فریقین (۶) درمیانی اور متفرق درخواستیں۔

آرمی ایکٹ ہو یا تعزیراتِ ہند ہر مقدمہ کی فائل تقریباً انھیں اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ کسی مقدمہ کی کارروائی پر تحقیقی بحث کرنے کے لئے تمام اجزا کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے لیکن مالک رام صاحب نے صرف اپنے مفید مطلب باتوں کی تلخیص پیش کی ہے۔ یہ انداز وکیلانہ تو ہے محققانہ نہیں۔ جناب مالک رام کو کم از کم ان کاغذات کی نقل ضرور پیش کرنی چاہیئے تھی جن کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے، مثلاً کمشنر دہلی کی وہ رپورٹ جس کا ذکر تجویز مقدمہ میں موجود ہے۔

لیکن اِن تفصیلات کے باوجود مقدمہ کے مضمرات پھر بھی تحقیق طلب رہ جاتے ہیں جو مولینا فضل حق کے سرکاری وکلاء میسرز سون ہو۔ بیبی اینڈ لیزلی کے مشورے کے مطابق تھے اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے خلاف نفرت رکھنے کے باوجود انگریز اپنے فرض کی ادائی میں کتنے دیانت دار تھے۔

یہ کربناک ”پس منظر“ ہے ان اوراق کی تالیف کا جسے میری درخواست پر برادرم جناب حکیم سیّد محمود احمد صاحب برکاتی نے

اپنے روایتی علمی اور تحقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ یوں تو یہ فرض میں نے اپنے اوپر عائد کر لیا تھا اور محبِ محترم مولینا عرشی سے وعدہ بھی کر لیا تھا، لیکن جب برکاتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو اپنے سے زیادہ باصلاحیت اور اہل پاکر انھیں دعوتِ فکر دی — اور شکر ہے کہ یہ کام انھیں ہاتھوں سے انجام پا رہا ہے جو "خیر آبادی" مکتبِ فکر کے جائز وارث و جانشین اور پاک و ہند میں خیر آباد کے نمائندے ہیں۔

برکاتی صاحب اس خانوادۂ علم و دانش سے تعلق رکھتے ہیں جس کا براہِ راست معنوی رشتہ خیر آباد سے ہے۔ آپ کے جدّ امجد حضرت مولینا حکیم سیّد برکات احمد صاحب مرحوم نہ صرف شمس العلما علامہ عبدالحق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے، بلکہ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اُن جیّد علما میں شمار کئے جاتے تھے جن کا نام ہر مجلسِ علم و ادب میں عزّت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ برکاتی صاحب کے اندازِ فکر میں تحقیق کے علاوہ علمی سنجیدہ رَوی کا وہ وقار بھی ہے جسے وہ حضرات بھی محسوس کریں گے جو کسی وجہ سے ان کے ہم خیال نہ ہو سکیں۔

نادم سیتاپوری

۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء

تقریب

مولینا فضلِ حق خیر آبادی نے سن ستاون (سنہ ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۹ء) کے معرکہ جہاد میں جو نمایاں حصّہ لیا تھا وہ تاریخِ ملّت کا ایک واقعہ تھا۔ ناقابلِ انکار بھی اور قابلِ فخر بھی، مگر اس کے ساتھ عجیب معاملہ روا رکھا گیا۔ پہلے تو جنگِ آزادی کی تاریخ میں مولینا کا نام لینا بھی گوارا نہیں کیا جاتا تھا، مگر جب سے مولینا عبدُ الشاہد خانصاحب شروانی کی "باغی ہندوستان" شائع ہوئی تھی مولینا کا نام لیا جانے لگا تھا اور مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا اعتراف کیا جانے لگا تھا لیکن مولینا اِمتیاز علی خاں صاحب عرشی اور جناب مالک رام کے مضامین کی اِشاعت (ماہنامہ تحریکِ دہلی) کے بعد پھر یہ کہا جانے لگا، بلکہ لکھا جانے لگا کہ مولینا نے اس معرکے میں کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔

حیرانی تھی کہ ایک حقیقت کے انکار کی ضرورت کیوں لاحق ہوگئی؟ اور انتظار تھا کہ کوئی "فضل حق پسند" نہیں تو حق پسند اہلِ قلم ہی اس زیادتی کی تلافی کے لئے کمربستہ ہو اور احقاقِ حق کا فرض ادا کرے۔ آخر کچھ ادھر سے مایوسی اور کچھ حضرت نادم سیتاپوری کے اُکسانے پر خود میں نے ہمّت کی اور ادبیاتِ غدر کا جو حصّہ بھی میسر آسکا اور اپنے

غیرِ علمی مشاغل کے ہجوم میں جتنا استفادہ بھی اس سے ممکن ہُوا کر کے مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی کچھ تفاصیل فراہم کیں۔ اب یہ تفاصیل آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

آئندہ صفحات میں جو تفاصیل آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ صرف اشارات ہیں اور ان کی حیثیت اربابِ قلم اور محققین کے لئے دعوتِ عمل سے زیادہ نہیں ہے۔ ادبیاتِ غدر میں سے بڑا حصّہ مجھے دستیاب نہیں ہو سکا اور جو کتابیں ملیں اُن سے میں مصروفیت اور انگریزی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے کماحقہٗ استفادہ نہ کر سکا، جو بھی جواں سال وجواں عزم مورّخ اس مہم پر کمر بستہ ہو گا وہ مجھ سے کئی گنا زیادہ مواد۔ یا بقول مولینا ماہر القادری لوازمہ فراہم کرے گا۔

میں نے حق پرستی کا دامن کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اپنے موضوع کے ساتھ دانستہ کوئی بے انصافی نہیں کی ہے مثلاً میں نے یہ نہیں اصرار کیا کہ مولینا نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ صرف یہ ثابت کیا ہے کہ فتوے نہ دینے کے جو دلائل دیئے گئے ہیں اُن میں وزن نہیں ہے۔

غدر پر بہت سا مواد دفترِ ہند (انڈیا آفس) کے کتب خانے میں مقفل ہے۔ اس کی اِشاعت سے پہلے حتمیّت کے ساتھ اظہارِ رائے کرنا بھولپن ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں اور مبارک شاہ کوتوال کی یاد داشتیں اب ہاتھ لگی ہیں اور غدر کے ٹھیک سو سال بعد جناب ڈاکٹر سید معین الحق نے دریافت کی ہیں۔“ یہ دونوں غدر

کے سلسلے میں بڑے اہم ماخذ ہیں۔

میری یہ کوشش ایک مظلوم کی حمایت و دفاع کی (وکیلانہ نہیں) منصفانہ کوشش ہے۔ جہاد تو مولینا کی حیات کا صرف ایک رُخ تھا ورنہ ایک مفکر، متکلم، ادیب، منطقی اور فلسفی کی حیثیت سے کئی عظیم المرتبت کتابوں کے مصنّف کی حیثیت سے وہ تاریخِ ملت کے ایک لازوال ولافانی اور بے مثال و بےنظیر شخص تھے۔ جہاد اُن کی کلاہِ افتخار کا واحد ہیرا نہیں تھا۔ اگر معاصر ماخذ سے یہ مواد فراہم نہ ہوتا جو ہُوا تو آپ مجھے بھی جناب مالک رام کا ہمنوا پاتے۔ مولینا فضلِ حق نے عدالت کے سامنے اپنی بے گناہی کے سلسلے میں جو کچھ کیا اور اپنی رہائی کے لئے جو کچھ کیا، صاف کہتا ہوں کہ یہ خلافِ عزیمت فعل تھا اور حیاتِ فضلِ حق میں یہ ورق کاش سیاہ ہو جاتا۔ مانا کہ کئی مجاہدین[1] نے بھی یہی کیا، مگر کاش مولینا فضلِ حق اپنے شاگرد کے شاگرد مولینا معین الدین اجمیری کی طرح اپنے جرم کا اعتراف فرما لیتے۔ مولینا معین الدین نے ۱۹۲۱ء میں عدالت کے سامنے حکومتِ برطانیہ سے اپنی عداوت اور استیصالِ حکومت کے لئے اپنے عزمِ صمیم کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم حکومت کے خلاف اپنی تمام قوت اور تمام ذرائع استعمال

---

[1] مثلاً خان بہادر خاں اور بہادر شاہ دونوں نے یہی کہا کہ ہم مجرم نہیں ہیں۔

کریں گے۔ مولانا نے حکومت کو چیلنج دیا کہ

"ہم اس کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کو
تباہ کر دینا چاہتے ہیں"

چوں کہ یہ کتاب مولانا کی شرکتِ جہاد کے سلسلے میں اغلاط کے ازالے اور تصحیح کے لئے لکھی گئی ہے، اس لئے آخر میں میں نے اپنا ایک مضمون بھی شامل کر دیا ہے جس میں پوری ایک صدی کی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔

اِس مضمون میں مجھے اپنی طبیعت کے خلاف کئی شخصیتوں پر بھی کلام کرنا پڑا ہے، مگر تصحیح اس کے بغیر ممکن نہیں تھی!

محمود احمد برکاتی

کتاب کے آخر میں جناب حکیم محمود احمد برکاتی ہی کا ایک مقالہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور معرکۂ ہنومان گڑھی شامل کیا جا رہا ہے اس طرح اس اشاعت کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

مولینا فضلِ حق خیر آبادی

مولینا فضلِ حق خیر آبادی الٰہیات، علمِ کلام، منطق اور فلسفے کے امامِ وقت تھے۔ برِعظیم کے معقولین میں ابتدا سے اب تک ان کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔ عالمِ اسلام کے فلاسفہ میں وہ نصیر الدین طوسی میر باقر داماد اور صدر شیرازی کے ہم صف اور ہم رتبہ محققین میں سے تھے۔ فلسفے، الٰہیات اور منطق میں ان کی تالیفات شروح اور حواشی فلاسفۂ عالم میں ان کے مقام کا تعین کرتی ہیں۔ نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسبِ کمال کیا اور یوں منطق و کلام کے ایک جدید مکتبِ فکر ــــــ "مکتبِ خیر آباد" کے بانی قرار پائے۔

علوم میں اس علوِ مقام کے ساتھ مولینا کی حیات کا ایک تابناک باب یہ ہے کہ آپ ایک مدبر سیاسی اور مجاہد بھی تھے۔

یہی باب ہمارا موضوع ہے!

مولانا کے سوانح حیات مختصراً یہ ہیں: ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء فراغتِ درس (بعمر ۱۳ سال) ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء ملازمت کمپنی ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۶ء سے کچھ قبل، ولادت فرزند گرامی (مولانا عبدالحق) ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء - ولادت فرزند (علاء الحق) ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء - وفات والد ماجد (مولانا فضل امام خیرآبادی) ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء کمپنی کی ملازمت (سررشتہ داری[1] عدالت دیوانی دہلی) سے استعفاء ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء کے اواخر میں، ملازمت ریاست جھجر میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء - پھر چند سال الور، سہارن پور اور ٹونک میں قیام کے بعد ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء تک ریاست رام پور میں قیام (محکمہ نظامت اور مرافعہ عدالتین کے حاکم کی حیثیت سے) ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کے اوائل تک لکھنؤ میں قیام (کچہری حضور تحصیل کے مہتمم اور صدر الصدور کی حیثیت سے) ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں الور تشریف لے آئے اور رمضان ۱۲۷۳ھ/مئی ۱۸۵۷ء میں سن ستاون کی جنگِ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور پورے ڈیڑھ سال (مئی ۱۸۵۷ء سے دسمبر ۱۸۵۸ء) تک دہلی اور اودھ کے مختلف اضلاع میں مجاہدینِ حریت کی رفاقت، اعانت اور قیادت فرماتے

---

[1] اُس سررشتہ داری میں انھیں وہ دبدبہ اور قوت و شوکت حاصل تھی جو اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کو ہے۔ آپ کے مکان پر اہلِ مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا اور زندگی نہایت عزت و احترام سے بسر ہوتی تھی"۔ مرزا حیرت، حیاتِ طیبہ ص ۱۰۲

رہے۔ جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر تمام زرعی اور مسکونہ جائداد اور ذخیرۂ نوادر کتب خانے کی ضبطی اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا سُنا دی گئی۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پورٹ بلیئر (جزائر انڈمان) پہنچا دیئے گئے جہاں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ/ ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

مولانا نے "سن ستاون" کی جنگ آزادی میں جو حصّہ لیا وہ کسی وقتی جوش اور جذبے کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ جنگِ آزادی برپا ہونے سے برسوں پہلے آپ برعظیم پر فرنگی راج کے استیلاو تسلّط، فرنگی حکام کی نااہلی اور ستم شعاری کی وجہ سے بد دل، بیزار اور نفور رہتے اور مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت ہی سے کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملازمت ناپسند ہونے کے باوجود والد ماجد کے حکم اور خواہش کی ایک سعادت مندانہ تعمیل تھی۔ ملازمت کے تین چار سال بعد ہی ۱۸۱۸ء میں والد ماجد کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس ملازمت سے بیزاری کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:[1]

"میں خدا کے فضل و کرم سے خوش حال اور مطمئن ہوں مگر ملازمت میں ذلّت و خواری بہت ہے۔ حاکم کے سامنے مستقل حاضر رہنا پڑتا ہے اور اس کے وہ احکام اِملا

---

[1] مولانا کی قلمی بیاض ص ۲۸ (مملوکۂ مولوی حکیم نصیر الدین ندوی، کراچی) ہم نے اس عربی مکتوب کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے۔

کرنا ہوتے ہیں جو قابلِ قبول نہیں ہوتے۔ قسم خدا کی اگر
مجھے رسوائی کی شرم نہ ہوتی تو کبھی کا کہیں اور منتقل
ہو جاتا اور متوکلانہ زندگی بسر کرتا۔"

شاید والد ماجد کا اصرار ملازمت کے برقرار رکھنے کے سلسلے میں جاری
رہا اور مولینا صبر و تحمل سے کام لیتے رہے مگر والد کی رحلت کے معًا بعد
مولینا نے غلامی کا یہ لبادہ اتار پھینکا اور والئ جھجر نواب فیض محمد خاں
کی دعوت پر ریاست جھجر کا قیام منظور فرمالیا۔ مرزا غالب نے "آئینہ
اسکندری" (کلکتہ) کے مدیر کے نام اپنے مراسلے[1] (مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۳۲ء)
میں اس واقعہ پر جن جذبات کا اظہار کیا ہے اگر مولینا سے مرزا غالب
کے مراسم اخوت و اتحاد کے پیشِ نظر ہم انھیں مولینا کے جذبات و
تاثرات تصور کریں تو بے جا نہ ہوگا، خصوصًا اس لیے کہ فرنگی حکومت کے
متعلق مرزا غالب نے ایسے الفاظ کہیں اور استعمال نہیں کیے:

بے تمیزی و قدر ناشناسیِ حکامِ فرنگ	حکامِ فرنگ کی بے تمیزی اور قدر
آں ریخت کہ فاضلِ بے نظیر و المعیٔ	ناشناسی نے یہ رنگ دکھایا کہ
یگانہ مولوی حافظ فضل حق از سررشتہ	فاضلِ بے نظیر و المعی یگانہ مولوی
داری عدالت دہلی استعفا کردہ خود	حافظ محمد فضل حق نے عدالتِ
را از ننگ و عار وارہانند حقا کہ از	دیوانی کی سررشتہ داری سے
پایۂ علم و فضل، و دانش و کنش مولوی	اِستعفا دیکر ننگ و عار سے نجات

---

[1] کلیات نثرِ غالب ص ۱۴۸

فضل حق آں مایہ بکاہند کہ از صد
یک واماند باز۔ آں پایہ رالبسر رشتہ
داری عدالت دیوانی سنجند ایں
عہدہ دوں مرتبہ وے خواہد بُود۔

پائی۔ واقعہ یہ ہے اگر مولینا کے
علم وفضل کے ایک فی صدی کا
عدالتِ دیوانی کی سررشتہ داری
سے موازنہ کریں تو اس عہدہ کا
پلّہ ہلکا نکلے گا۔

مولینا نے اس قطع تعلق پر ہی اِکتفا نہیں فرمایا کہ انگریز حکام کے ظالمانہ احکام واقدامات اور اس سے عوام کی تکالیف اور پریشانیوں کا بھی بہ تفصیل جائزہ لیتے رہے اور ان تکالیف کے ازالہ کے لئے جدوجہد بھی فرماتے رہے۔ مولینا کی ان سرگرمیوں کا پتہ ہمیں اس درخواست[۱] سے

---

[۱] یہ درخواست جناب نثار احمد فاروقی کو اپنی ایک قلمی بیاض میں دستیاب ہوئی ہے اور انھوں نے نوائے ادب بمبئی (جلد ۱۳ شمارہ ۳ جولائی ۱۹۶۲ء) میں شائع کی ہے۔ فاروقی صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ درخواست بہادر شاہ ظفر کے نام ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ اکبر شاہ ثانی کے نام ہے کیونکہ اس میں سر چارلس مٹکاف کے ایک تازہ حکم کا ذکر ہے اور سر چارلس مٹکاف پہلے ۱۸۱۱ء سے ۱۹ تک اور پھر دوبارہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۲۷ء تک دہلی کے ریزیڈنٹ رہے تھے اور ۱۸۴۶ء میں وفات پاگئے تھے۔ (ملاحظہ ہو ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی ص ۲۸۷ مطبوعہ ۱۹۰۶ء از بٹ لینڈ)۔ اس لئے یہ درخواست ۱۸۲۷ء سے پہلے کسی سن میں لکھی گئی ہے اور اس دور میں اکبر شاہ ثانی زندہ تھے۔ بہادر شاہ ظفر تو ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے تھے۔ یہ درخواست افسوس ہے کہ ناقص الآخر ہے۔

سے چلتا ہے جو مولینا نے "سن ستاون" سے کم سے کم ۳۰ سال پہلے اکبر شاہ ثانی (ف ۱۸۳۷ء) کے نام رعایائے شہر کی طرف سے مرتب کی تھی۔ ذیل میں اس طویل فارسی درخواست کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے (اصل فارسی متن ضمیمہ نمبر ا میں ملاحظہ فرمائیں)

ملک کی اقتصادی حالت

یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان ملازمت، تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود و مفقود ہو گئے ہیں۔ ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں، تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کپڑا، سوت، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ فرنگ سے لیکر خود فروخت کر کے نفع کماتے ہیں۔ معافی داروں کی معافیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدحال کر دیا ہے۔

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالت کے نتیجے میں اہلِ حرفہ اور ان سب کے نتیجے میں دریوزہ گر تنگیٔ معاش کے شکار ہیں۔

دہلی کی اقتصادی زبوں حالی

دہلی میں ہوڈل وغیرہ بہت سے پرگنے جاگیر میں شامل

تھے اور جاگیر داروں کے یہاں ہزاروں آدمی فوج، انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اب یہ پرگنے اور دیہات و مواضعات انگریزوں نے ضبط کر لئے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں۔ بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے، رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی۔ اب رسّی کی تجارت حکومت (کمپنی) نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعۂ معاش بھی جاتا رہا۔ عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان سب پر مستزاد اب چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زرِ چوکیداری[1] ادا کیا کریں۔ یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور

---

[1] چوکیدارہ ٹیکس کا قانون یوپی میں سنہ ۱۸۱۴ء میں نافذ ہوا تھا۔ ممکن ہے دہلی میں بھی اسی سال یا چند سال بعد یہ قانون نافذ ہوا ہو۔ اس سے بھی اس درخواست کے عہد کا تعین ہوتا ہے۔

نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں ۵/۵ پنچ مقرر کیے جائیں۔"

اس درخواست سے جہاں مولانا کی سیاسی بصیرت اور عوام کے مسائل اور شہری زندگی کی مشکلات پر اُن کی گہری نگاہ کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ انھوں نے ان تمام مشکلات و مصائب کے سرچشمہ پر انگلی رکھ کر صحیح تشخیص کر لی تھی اور اسباب کا تجسس کر کے اس کا تعین فرما دیا تھا کہ یہ سارے مسائل غیر ملکی حکمرانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ درخواست دہلی کے ریزیڈنٹ کے نام نہیں ہے جو شہر و ضلع کا حقیقی حاکم تھا، بلکہ "حضور جہاں پناہ" کے نام ہے یعنی ساکنان دہلی کے مسائل لال قلعے کے بے اختیار و محروم اقتدار مغل "شہنشاہ" (اکبر شاہ ثانی) کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، حال آں کہ لال قلعہ ۱۸۰۳ء سے ویران تھا اور اکبر شاہ ثانی کے والد شاہ عالم کی حکومت دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی۔ اکبر شاہ ثانی کی تو صرف لال قلعے تک محدود تھی۔ خود "شہنشاہ" نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت فرمالی تھی اور عوام بھی اپنی تمام

ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ انہی کی عدالتوں میں انصاف کے لئے جاتے تھے اور انہی کو سلام کرنے کے عادی ہوتے جارہے تھے۔ ان حالات میں برعظیم کا ایک عالم دین ــــ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا ــــ عوام کو دوبارہ لال قلعے کے پھاٹک کی طرف لئے جارہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر اور اُن کے حالات وخیالات کا ترجمان بن کر ان کو حضورِ" جہاں پناہ" کے دیوانِ عام میں لا کھڑا کرتا ہے اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکزِ حکومت سے گرہ کشائی اور حل مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی، دوسری طرف خود ان جہاں پناہ کی خودی بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت وحمیّت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے۔ تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ سمت قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے اور چونک کر وہ ایک طرف تو اُن مشکلات پر توجہ دیں گے دُوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویّے میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کوشیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انھوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا۔

مولینا کے انگریزوں کے متعلق یہ جذبات صرف وطنیت پر مبنی نہیں تھے یعنی وہ برعظیم پر انگریزوں کے بڑھے ہوئے تسلط کے

اس لئے خلاف نہیں تھے کہ وہ ملکی نہیں تھے، غیر ملکی تھے، ان کا تعلق ایشیا سے نہیں تھا یورپ سے تھا، بلکہ اس کی بنا مذہب پر تھی، اُن کو غم انگریزوں کے قبضے کا نہیں، نصاریٰ کے قبضہ کا تھا اور نصاریٰ سے موالاۃ شرعاً ممنوع ہے اور قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے ولا (دوستی) کی نہی فرمائی گئی ہے۔ (المائدہ ۵۱) ایک قصیدے[1] میں فرماتے ہیں:

لم اقترف ذنبًا سوی ان لیس لی مع ھؤلا مودۃ وولاء

فولائھم کفر بنص محکم ما فیہ للمرء المحق مراء

کیف الولاء وھم اعادی من لہ خلق السماء والارض والانشاء

میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے ان (نصاریٰ) سے محبت اور دوستی نہیں کی کیونکہ ان کی دوستی بنص محکم کفر ہے، اس بات میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بھلا ان سے کیسی دوستی؟ جو اُس ذاتِ گرامی سے عداوت رکھتے ہیں جو وجہ تخلیقِ ارض و سما ہے۔" (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولانا ان "النصاریٰ البراطنۃ" (برطانوی عیسائیوں) کے عزائم اور اقدامات کا بغور مطالعہ کر رہے اور بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے کہ

ھموا بان ینصروا کلاً من قطانھا انگریزوں نے ملک کے تمام امیر و غریب

---

[1] قصائد فتنۃ الہند، قصیدۂ ہمزیہ

وسکانہا ورؤسہا ووجوہہا واعیانہا ونبالہا ونذالہا واجلتہا واذلتہا تنصیراً [1]

چھوٹے بڑے، مقیم ومسافر، شہری اور دیہاتی باشندوں کو نصرانی بنانے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز اب شعائر دین اور احکام شرع پر عمل میں بھی مزاحم ہو رہے ہیں،

والی غیرذلک مما فی قلوبہم من المنی اولاھوأ وماتکن صدورھم من الفتن والاسوار کالافتتان بمنع الختان ورفع الحجاب من العقائل والخواتین وطمس سائر احکام الدین الحکم المتین [2]

ان (اقدامات) کے علاوہ ان کے دل میں اور بہت سے مفاسد چھپے ہوئے ہیں، مثلاً ختنہ کی مخالفت، شریف مستورات میں بے پردگی کا رواج اور تمام احکام دینِ متین کو مٹا ڈالنا۔

مولینا یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی نظر میں ملک پر اُن کے ہمہ گیر تسلط اور ان کی حکومت کے استحکام کے لیے اس ملک کے تمام باشندوں کا صرف ایک مذہب "عیسائیت" ہونا شدید ضروری ہے اور اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے وہ نظامِ تعلیم کو تبدیل کر رہے ہیں اور جگہ جگہ اسکولوں کا جال بچھاتے چلے جا رہے ہیں [3]۔

مولینا کی طرح ملک کے دوسرے گوشوں میں بہت سے دردمند اور وطن دوست ہندو اور مسلمان، علما، زعما اور فوجی بھی ان

---

[1] رسالہ غدریہ [2] ایضاً [3] رسالہ غدریہ

حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور برطانوی سامراج کے امنڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف جدوجہد کی تیاریاں کر رہے تھے۔ باہم ملاقاتیں ہو رہی تھیں، مشورے کیے جا رہے تھے اور پورے ملک میں بیک وقت ایک تحریک شروع کر دینے کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا تا آں کہ اس کے لئے مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ طے کر لیا گیا اور بالآخر دہلی کے قریب ایک فوجی مرکز میرٹھ میں ۱۶ / رمضان / ۱۰ مئی کو انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا آغاز ہو گیا۔

مولانا کی مجاہدانہ سرگرمیاں دہلی میں

جنگِ آزادی کے آغاز کی خبر سنتے ہی مولانا معرکۂ آزادی میں شریک ہو گئے اور مسلسل ڈیڑھ سال تک ملک کے مختلف اطراف میں انگریزوں سے سرگرم جہاد رہے (تا آں کہ دسمبر ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر لئے گئے)۔

مولانا نے دہلی کے مرکزِ جہاد میں بھی حصّہ لیا اور اودھ کے مرکزِ جہاد میں بھی۔ دونوں مراکز میں مولانا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی تفاصیل ذیل میں الگ الگ پیش کی جاتی ہیں:

مولانا "سن ستاون" سے تقریباً ایک سال پہلے سے ریاست الور میں مقیم تھے، جو دہلی سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ دہلی ۱۸۰۳ء سے مولانا کا وطن بن چکی تھی۔ ان کا گھر، اہل وعیال

اور کتب خانہ وغیرہ دہلی ہی میں تھے۔ آغازِ جہاد[ع۱] کے بعد مولینا نے قیامِ الور کو مستقلاً ترک کر دینے کا فیصلہ کیا اور دہلی ہی کو محور و مرکز قرار دیا۔ دہلی اور بہادر شاہ ظفر دونوں مولینا کے جانے پہچانے تھے لیکن اب نیا ماحول، موجودہ صورتِ حالات اور درپیش مسائل کے پیشِ نظر مولینا نے دہلی اور اہلِ دہلی کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ:

ان مسلمان اور ہندو فوجیوں نے جو انگریزوں کی فوج میں ملازم تھے اور جنھوں نے میرٹھ میں علمِ بغاوت بلند کیا اور دہلی آگئے ہیں اور ان مجاہدین نے جو جہاد کے آغاز کی خبریں سن کر جہاد کی نیت سے اطرافِ ملک سے آکر دہلی میں جمع ہو گئے ہیں، ان سب نے ضرورتاً اور مجبوراً بہادر شاہ کو دوبارہ بادشاہ بنا دیا ہے اور انگریزوں کو دہلی سے باہر دھکیل دیا ہے اور اب لال قلعہ ۱۸۰۳ء کے بعد دوبارہ آباد اور مرکزِ حکومت بن گیا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ دہلی پر دہلی والوں کا قبضہ ہے اور انگریز دہلی سے باہر ہیں اور دہلی فتح کرنے کے

ع۱ آغازِ جہاد سے فوراً پہلے مولینا الور میں تھے یا دہلی میں؟ اسکی کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری۔ ویسے آغازِ جہاد چونکہ وسطِ رمضان میں ہوا تھا اور روزہ دار عموماً اپنے اہل و عیال کے ساتھ رمضان گزارنا پسند کرتے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ مولینا آغازِ جہاد (۱۶ر رمضان) سے پہلے ہی یعنی ابتدائے رمضان یا آخر شعبان سے دہلی آئے ہوئے ہوں۔ بہرحال آغازِ جہاد کے فوراً بعد تو یہ طے ہے کہ مولینا دہلی میں تھے۔ ہم اس پر آئندہ صفحات میں مفصل کلام کریں گے۔

لیے حملے کر رہے ہیں اور مسلسل سامانِ جنگ اور سپاہ کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں، لیکن اس طرف مختلف طبقات کا جو رنگ مولینا نے دیکھا وہ یہ تھا: [1]

بادشاہ

ضعیف الرائے، غم زدہ، ناآزمودہ کار، سال خوردہ، برُے بھلے کی تمیز سے عاری، بے اختیار، اپنی رفیقۂ حیات اور اپنے وزیر کا محکوم، وزیر نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ نصاریٰ تمند ہونے کے بعد اس کے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے اور اس کو ملک کا اقتدار منتقل کر دینگے۔

وزیر

حکومت دراصل وزیر کے ہاتھ میں ہے بادشاہ کے نہیں۔ وزیر نصاریٰ کا دوست اور ان کے دشمنوں سے شدید عداوت رکھتا ہے۔

شاہ زادے

بادشاہ کے افرادِ خاندان خود رائے ہیں، جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں مگر بادشاہ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں۔ انھیں نہ کبھی زندگی میں شمشیر و سناں سے واسطہ رہا، نہ میدانِ جنگ سے۔ بازاری لوگ ان کے ندیم و جلیس ہیں اور عیش و راحت، اسراف و فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ عسرت میں تھے۔ اس ہنگامے میں کشادہ دست ہو گئے ہیں۔ لشکر کے اخراجات کے نام پر بڑی بڑی رقمیں حاصل

---

[1] ماخوذ از رسالۂ غدریہ

کرتے ہیں اور خود ہضم کر جاتے ہیں۔ بادشاہ نے انہی میں سے ایک کو سپاہ سالار بنا دیا ہے حالاں آں کہ وہ ناعاقبت اندیش، بے عقل، خائن اور بُزدل ہے۔

فوج

میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوج مختلف ٹولیوں میں بٹی ہوئی ہے (۱) بعض دستے تو ایسے ہیں کہ جن کا کوئی کمان دار ہی نہیں ہے (۲) کچھ لوگوں کو میدانِ جنگ کی مشقتوں نے پس ہمت کر دیا ہے۔ (۳) کچھ لوگ قیام و طعام کی سہولتیں حاصل نہ ہونے سے ضعیف و لاغر ہو گئے ہیں۔ (۴) ایک گروہ کو ابتدا ہی میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اسی کو کافی سمجھ کر بیٹھ گئے (۵) صرف ایک حصۂ فوج نصاریٰ کے سامنے صف آرا ہو کر دادِ شجاعت دے رہا ہے۔

ہندو

شہریوں میں سے ہندوؤں کا یہ حال ہے کہ پنجاب کے ہندو سرمائے سے اور افرادی طاقت سے انگریزوں کی اعانت کر رہے ہیں۔ دہلی کے ہندو باشندوں میں سے بیشتر انگریزوں کے حامی ہیں۔

مسلمان

دہلی کے مسلمانوں میں سے ایک گروہ انگریزوں کا مخالف اور دشمن ہے، مگر دوسرا گروہ انگریزوں کی محبت میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ باغی لشکر کو نقصان دینے اور مجاہدین کو ذلیل و رسوا کرنے میں

کوئی کسر اٹھا کے نہیں رکھتا اور ان میں باہم پھوٹ ڈالنے میں مصروف ہے۔

دہلی اور اہلِ دہلی کے متعلق مولینا کے یہ مشاہدات وتاثرات بڑے یاس انگیز اور ہمت شکن تھے، مگر مولینا نے ایک مخلص اور فاضل معالج کی طرح عوارض اور حالات کا تجزیہ ان کے اسباب وعلل کی تعیین وتشخیص کے لئے کیا تھا تاکہ ازالۂ مرض کی جدوجہد علی وجہ البصیرت کی جاسکے۔ چنانچہ مولینا نے فیصلہ کیا کہ :

(۱) شاہ ضعف رائے، شیخوخت، ناتجربہ کاری وغیرہ کی وجہ سے تحریکِ جہاد کی قیادت اور اگر اللہ نے اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی تو بعد میں نظامِ حکومت چلانے کا اہل نہیں ہے، اس لئے اس کو اقتدار کی علامت (SIMBOL) کے طور پر باقی رکھ کر اختیارات ایک مجلسِ منتظمہ کے سپرد کر دیئے جائیں اور اس طرح اسکی بیگم اور وزیر کی غداریوں سے بھی نجات حاصل کی جائے۔

(۲) سرمایہ کی کمی تحریکِ جہاد کی کامیابی میں سدِ راہ ہے۔ سرمایہ کے حصول کی مساعی تنظیم اور باقاعدگی سے جاری کی جائیں۔

(۳) شاہ زادے صرف اس "جرم" کی سزا میں کہ وہ لال قلعے میں پیدا ہوئے ہیں خواہ مخواہ نظامِ حکومت وسیاست میں دخیل ہیں، ان کو بے دخل اور معطل کیا جانا چاہیئے ویسے اصولاً وشرعاً ان سے بھی کلیتہً مایوس ہونے کا حق نہیں ہے اس لئے ان کو پُرخطر صورت

حالات، درپیش مسائل کی پیچیدگی، مستقبل کے فرائض کی گراں باریوں کا احساس دلا کر جہاد کی مہم میں مخلصانہ شرکت کی دعوت دی جاتی رہنی چاہیئے، خصوصًا اس لئے بھی کہ دہلی کے بھولے بھالے، کم علم اور قدامت پرست باشندوں نے اب تک ان "سلاطین"[1] سے عقیدت "فسخ" نہیں کی ہے۔

(۴) فوج میں جہاد کا جذبہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اسے منظم کرنا ہے، نظم کا پابند بنانا ہے، اس کی ضرورتوں — راشن، اسلحہ، مناسب اور آرام دہ قیام گاہ وغیرہ کو پورا کرنے پر فوری توجہ ضروری ہے۔

(۵) تحریک کو ہمہ گیر بنانے اور پورے برعظیم کو اس مہم میں شریک کر لینے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے اطراف ملک میں برسر جہاد حلقوں سے روابط پیدا کرنا اور ملک کی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں سے مراسلت کر کے ان کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دینا اور اُن سے زر اعانت کا حصول ناگزیر ہے، خصوصًا دہلی کے قرب و جوار کی ریاستوں کی شرکت تو بہت ضروری ہے۔

(۶) ملک میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، ان کی متعدد ریاستیں بھی ہیں۔ باغی فوج میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ دہلی میں شہری آبادی کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل ہے اور عام طور پر ہندوؤں کا اندازِ فکر یہ ہے کہ اس جنگ میں اگر فتح ہوئی تو پھر وہی مسلمانوں کی سلطنت آ جائے گی، ہمیں کیا ملے گا، پھر انگریزوں کے ملازمین، مخبر اور بہی خواہ

---

[1] دہلی میں شاہ زادوں کو "سلاطین" کہا جاتا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں میں افتراق انگیزی کے درپے ہیں اور کوئی نہ کوئی حیلہ ایسا ڈھونڈھ رہے ہیں کہ ہندو مسلم فساد ہو جائے تاکہ یہ تحریک ضعیف ہو جائے، اس لیے ہندو مسلم اتحاد کے جدّ و جہد کی ضرورت ہے اور ایسی مستقل بنیادیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے جن پر ہندو مسلم اتحاد استوار کیا جا سکے۔

(۷) مسلم عوام بھی اس تحریک سے بے تعلق سے ہیں، کچھ باہر سے مجاہدین کی آمد کی وجہ سے اور انگریزی فوجوں سے مقابلوں اور شہری نظام کی برہمی کی وجہ سے ان کو کچھ تکالیف اور شکایات بھی ہیں ضرورت ہے کہ ان کو شرکتِ جہاد کی ترغیب دی جائے۔ اور ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔

(۸) سب سے اہم مسئلہ رَسد کا ہے۔ ہر قدم پر سرمائے کی ضرورت ہے اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ شاہ کا جو وظیفہ کمپنی کی طرف سے مقرر تھا وہ بھی بند ہو گیا ہے، اِس لئے شاہ اور شاہ زادوں کو بھی پریشانی لاحق ہے اور وہ تحریک کو اِس پریشانی کا سبب سمجھ رہے ہیں۔ مجاہدین بھی بے سرو سامانی کے ہاتھوں انگریزوں سے کسی فیصلہ کُن تصادم کے قابل نہیں ہیں۔

(۹) شہر میں قیامِ امن اور حسنِ انتظام کے لئے اہل کار، قابلِ اعتماد اور تحریک کے ساتھ مخلص حکام کے اِنتخاب اور تقرر کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ شاہ کو تو تخت نشین ہونے کے بعد کبھی اِقتدار اور اِختیار

ملا ہی نہیں، اس لئے انھیں انتظام کا کوئی تجربہ ہونا ہی نہیں چاہیئے۔
شہر کا انتظام ریذیڈنٹ کرتا تھا۔ اب پھر اقتدار شاہ کی طرف منتقل
ہو گیا ہے اور ان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بدنظمی عام ہے۔

ان عزائم اور مقاصد کے ساتھ مولینا نے دہلی میں اپنی مجاہدانہ
سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بہادر شاہ سے ملے۔ بہادر شاہ سے
ان کے دیرینہ مراسم تھے اور وہ اپنی ولی عہدی کے عہد سے مولینا کے
فضل وکمال اور ذاتی محاسن سے متاثر تھا۔ چنانچہ جب سنہ ۱۸۳۲ء
میں مولینا نے دہلی کی سررشتہ داری سے مستعفی ہو کر دہلی کا قیام ترک
کیا اور ریاست جھجر تشریف لے جانے لگے تو

> ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابوظفر بہادر شاہ
> نے اپنا دوشالہ علامہ کو اڑھایا اور بوقتِ رخصت
> آبدیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے
> لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اس کو منظور
> کرلوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظِ وداع زباں پر لانا دشوار ہے۔[1]

مولینا بہادر شاہ سے مسلسل ملاقاتیں کرتے رہے اور ان کی توجہ
وقت کے اہم مسائل کی طرف دلاتے رہے اور ان کے حل کے سلسلے
میں اپنے مخلصانہ مشورہ بھی دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد
کی بنا پر جو اسے مولینا کے اخلاص اور ان کی اصابت رائے پر تھا

---

[1] کلیات نثر غالب ص ۱۴۸

ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے، مثلاً ایک ملاقات، کی جو غالباً ۱۲ / مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی تفصیل حکیم احسن اللہ خاں نے اپنی یادداشتوں میں[1] دی ہے، اس ملاقات میں جن مسائل پر گفتگو ہوئی وہ یہ ہیں :

(۱) مجاہدین کی اعانت، روپیہ اور سامان رسد سے

(۲) اہل کار حکام کا تقرر

(۳) مال گزاری کی تحصیل کا انتظام

(۴) ہمسایہ والیانِ ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کی دعوت چوں کہ مجاہدین کی مالی اعانت، مال گذاری کی تحصیل اور والیان ریاست کی مالی اعانت پر موقوف تھی اس لئے حکیم صاحب کے بیان کے مطابق :-

"بادشاہ نے حکم دیا کہ مولوی صاحب کی تجویز کے مطابق والیانِ ریاست کو پروانے لکھے جائیں اور بعجلت روانہ کر دیئے جائیں"

قابلِ اعتماد اور کارداں حکام کے تقرر کے سلسلے میں مولینا نے اپنے اعزہ کی خدمات پیش کی تھیں چنانچہ دو اہم مناصب پر مولینا کے دو اعزہ مقرر کئے گئے :

---

[1] میموائرس آف حکیم احسن اللہ خاں ص ۲۳-۲۴ - مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی ۱۹۵۸ء

(۱) مولینا عبدالحق[1] خیرآبادی، آپ مولینا فضلِ حق کے فرزند گرامی تھے اور غدر سے پہلے الور میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ مولینا عبدالحق گوڑگانوہ کے کلکٹر مقرر کیئے گئے۔

(۲) میر نواب[2] اسی روز (۱۲ مئی کو) دہلی کا گورنر[3] مقرر کیا گیا۔ مولینا کو بہادر شاہ کی طرف سے جو اختیارات حاصل تھے اور انتظامی امور میں جو دخل تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بہت سے حکام کا تقرر مولینا نے براہِ راست بھی کیا تھا۔ حکیم احسن اللہ کا بیان[4] ہے کہ

"مولوی فضلِ حق نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا۔"

۱؎ جیون لال غدر کی صبح و شام ص ۲۲۲ غدر کے گرفتار شدہ خطوط ص ۱۳۱ ذکاء اللہ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۷/۶۹۱ ۲؎ میر نواب مولینا کے داماد سید احمد حسین رسوا (والد مضطر خیرآبادی و بسمل خیرآبادی) کے حقیقی بھائی تھے۔ میر نواب اور رسوا دونوں سید تفضل حسین کے بیٹے تھے جو غالب اور مومن کے گہرے دوست تھے۔ سید صاحب کے نام غالب کے ۲ خطوط ہیں (سید باغ دو در) مومن سے سید صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے مومن کے بیٹے احمد نصیر کو متبنیٰ کر لیا تھا۔ مومن کے کئی خطوط سید صاحب کے نام ہیں (آثارِ مومن) مومن نے مکان کی تعمیر، باغ کی تعمیر وغیرہ پر بھی قطعات تاریخ کہے تھے اور میر نواب کی شادی (۱۸۴۵ء) پر بھی قطعہ تاریخ کہا تھا (کلیات مومن ص ۱۸۹) ۳؎ جیون لال ص ۱۰۲ ۴؎ حکیم احسن اللہ خاں، بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۲۵۶۔

اس طرح لال قلعہ کے دار الانشا (سیکریٹریٹ) سے مولینا کے حکم سے پروانے جاری ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ بہادر شاہ کا پرائیویٹ سیکریٹری مکندلال اپنی ایک تحریر (مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء) میں[1] لکھتا ہے کہ بہادر شاہ کے دربارِ عام سے اپنے کمرۂ خاص میں چلے جانے کے بعد مولینا نے حسب ذیل افراد کے نام پروانے جاری کرنے کا حکم دیا:

(۱) بنام حسن بخش عرض بیگی، ضلع علی گڈھ کی آمدنی وصول کرنے کے لیئے۔

(۲) بنام فیض محمد (غالباً مولینا فیض احمد بدایونی) اسے ضلع بلندشہر اور علی گڈھ کی آمدنی وصول کرنے کے لیئے مقرر کیا گیا۔

(۳) بنام ولی داد خاں مذکورہ بالا دونوں آدمیوں کو، آمدنی وصول کرنے میں مدد دینے کے لیئے۔

(۴) بنام مولوی عبدالحق ضلع گوڑ گانوہ کی مال گذاری وصول کرنے کا انتظام کیا جائے۔

مولینا نے دستور بنایا

دہلی پر انگریزوں کا کامل تسلط ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا اور اب مغل بادشاہ برائے نام رہ گیا تھا۔ وہ خود انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا اور ہر قسم کے اختیارات سے قطعاً محروم، بے زور اور بے اثر۔ انگریز اس برائے نام شاہی کو بھی ختم کر دینا چاہتے

---

[1] غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط ۱۲۹ و مابعد

تھے اور وہ ایسا کر سکتے تھے، مگر خود اپنی ہی مصلحتوں کی خاطر انھوں نے ابھی تک یہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اختیارات سلب کر لینے کے بعد وہ اعزازات بھی رفتہ رفتہ ختم کر دینا چاہتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ بہادر شاہ کی صرف یہ حیثیت رہ گئی تھی کہ وہ سابق فرمانرواؤں کی نسل کا ایک فرد اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا دست نگر ایک معزز شہری ہے مگر سن ستاون کی جنگِ آزادی نے پھر اس کو اہمیت دے دی تھی اور تحریک مجاہدین کو چوں کہ ایک مرکزی شخصیت کی ضرورت تھی، اس لئے دہلی کی فوجی، سیاسی اور تاریخی اہمیت کی بنا پر دہلی ہی سے اس مرکزی شخصیت کا انتخاب مناسب سمجھا گیا اور اس طرح بہادر شاہ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ ان کی حکومت کا ڈنکا پیٹ دیا گیا۔ ۱۸۰۳ء سے دہلی میں ڈنکا یوں پٹتا جاتا تھا:

"خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا"

اب ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ڈنکا یوں پیٹا جانے لگا:

"خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم بادشاہ کا"

مگر یہ سب جوش اور جذبات کی باتیں تھیں۔ جوش میں افراد، جماعتیں، طبقے اور قومیں بہت سی ایسی باتیں کر گزرتی ہیں جن پر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ نعروں اور جے کاروں سے جوش میں آکر جو قدم اٹھائے جاتے ہیں وہ بالعموم واپس لینا پڑتے ہیں۔ میرٹھ سے جو فوج بغاوت کرکے دہلی آئی اُسے لال قلعہ میں ڈیرے ڈالنا پڑے اور اسی رواروی

میں بہادر شاہ بھی بادشاہ بن گئے، لیکن یہ بادشاہی ایک فاتح کی سی بادشاہی تو تھی نہیں، جیسے بہادر شاہ کے بزرگوں نے ملک کو فتح کیا تھا، اِس لئے وہ اس ملک کے بادشاہ تھے۔ اب اس صورتِ حالات میں بہادر شاہ کی بادشاہی کو ثبات و دوام اُس وقت مل سکتا تھا جب کہ یہ تحریکِ جہاد فتح مندی پر منتج ہوا اور فتح مندی اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ ملک کے تمام طبقے شہری اور فوجی، عوام اور خواص تمام قومیں ہندو اور مسلمان اس جنگ میں متحد و متفق ہو کر حصّہ لیں، مگر حقیقت یہ تھی کہ ہندو ریاستیں، ہندو فوجی اور ہندو عوام یہ سوچتے تھے کہ اگر ہم اِس جنگ میں جیت بھی گئے تو ہمیں کیا ملے گا؟ حکومت تو پھر مسلمانوں کی ہو جائے گی، پھر انگریزوں کے ہَوا خواہ اور ہمنوا بھی ہندوؤں کو وَرغلا رہے تھے اور ان کے فرقہ وارانہ جذبات مشتعل کر رہے تھے۔

اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہوش مند مسلمانوں کے خیالات بھی بہادر شاہ کی حاکمانہ صلاحیتوں کے متعلق اچھے نہیں تھے۔ شاہ زادوں کی اخلاقی کمزوریوں کے چرچے عام تھے اور وہ ان تمام صفات و محاسن سے عاری سمجھے جاتے تھے جو ایک اچھے فرمانروا میں ہونے چاہیئے۔

اِس حقیقت کو اس ہنگامی و وقتی جوش و خروش میں جس شخص نے سب سے پہلے محسوس کیا وہ مولٰینا فضلِ حق کی ذاتِ گرامی تھی۔

مولینا نے اس کا یہ حل تجویز کیا کہ آل تیمور اور خاندان گورگان کے بجائے
کسی اور فرمانروا خاندان کا انتخاب کرنا اور بہادر شاہ کے بجائے کسی
اور شخصیت کو مرکزیت دلانے کی کوشش کے بجائے تو بہتر یہ ہے
کہ بہادر شاہ کی شاہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت
میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے ، جس میں بادشاہ کے اختیارات
کم سے کم ہوں اور ملک کے شہریوں کو بھی حکومت میں شرکت کا موقع
ملے ، اس مقصد کے لئے مولینا نے ایک

"دستور العمل سلطنت"

مرتب کیا - مولوی ذکاء اللہ[1] نے اس دستور کا ذکر کیا ہے ، لیکن اس کی
کوئی تفصیل نہیں دی - ڈاکٹر مہدی[2] حسین نے اسے ایک جمہوریت
اساس دستور (A CONSTITION BASED ON PRINCI-
PLES OF DEMOCRACY) لکھا ہے ۔ افسوس ہے کہ غیر معمولی
تاریخی اہمیت کا یہ دستور سن ستاون کے ہنگامے میں ناپید ہو گیا -
بہر حال مولوی ذکاء اللہ نے اس کی جس واحد دفعہ کا ذکر کیا ہے - وہ
مولینا کے سیاسی تدبر کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے - مولوی ذکاء اللہ
لکھتے ہیں :

"مولوی صاحب عالم متبحر مشہور تھے - وہ الور سے

---

[1] تاریخ عروج سلطنتِ انگلشیہ ص ۶۸۷

[2] بہادر شاہ دوم (انگریزی) ص ۱۸۲ و ص ۳۸۹

ترکِ ملازمت کر کے دہلی آئے تھے۔ انھوں نے بادشاہ
کے لئے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا جس کی ایک
دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری
میں ذبح نہ ہو"۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولینا کا مرتب کردہ یہ دستور مکمل یا اس کے کچھ
اجزا نافذ بھی کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ جیون لال کا بیان ہے کہ مذکورہ
بالا دفعہ ۹ رجولائی کو نافذ کر دی گئی تھی اور

"منادی کر دی گئی کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا اُسے
توپ کے منہ سے اُڑا دیا جائے گا۔

ہندو مسلم اتحاد کی مساعی

دستور کی یہ دفعہ اور ۹ رجولائی کا یہ اعلان، ہندو مسلم اتحاد برقرار
رکھنے اور غیر ملکی غاصبوں کے خلاف اہلِ وطن کی متفقہ جدوجہد کے
لئے کس قدر مفید اور ضروری تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
انگریزوں کے ہوا خواہ اور آلۂ کار حکیم احسن اللہ خاں نے اس فیصلے سے
شدید اختلاف کیا اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں اس مسئلے میں علماء سے استفتا
کروں گا کہ یہ حکم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جیون لال لکھتا ہے کہ[2]

"بادشاہ اس مخالفت سے سخت ناراض ہوئے۔
دربار برخواست کر دیا اور حرم میں چلے گئے"۔

---

[1] غدر کی صبح و شام ص ۱۶۳ [2] ایضاً ص ۱۸۹

دیکھنا یہ ہے کہ اس حکم پر کسی عالمِ دین نے کوئی اعتراض نہیں کیا اس لیئے کہ علماء دیکھ رہے تھے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت مسلمان ہندوؤں کے ساتھ فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کریں، اعتراض ہوا تو صرف اس "حامئ دینِ متین" بزرگ کو ہوا جو ہر قیمت اداکر کے ملک میں برطانوی حکومت کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں کا اِس فیصلے سے اختلاف انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تھا۔ اس وقت انگریزوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ ذبیحہ گاؤ کی ممانعت نہ ہونے پائے۔ مسلمان گائے ذبح کریں اور انگریزوں اور اُنکے حامیوں کو ہندوؤں کو بھڑکانے کا موقع مل جائے اور ہندو مسلم فسادات آزادی کی اِس جد وجہد کو کمزور کر دیں۔ مگر مولینا کی اصابت رائے اور سیاسی بصیرت کی جو دھاک بہادر شاہ پر بیٹھی ہوئی تھی اس کی وجہ سے یہ فیصلہ تبدیل نہیں کیا جاسکا۔ ذبیحہ گاؤ کی مخالفت کا حکم برقرار رہا اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر بھی مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی اور انگریزوں کی یہ حسرت پوری نہیں ہوئی کہ عید کے دن (یکم اگست) ہندو مسلم فساد ہو جائے۔ چنانچہ ایک انگریز نے بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی بیوی کو خط میں لکھا[1]

"بظاہر کل (عید کے دن) زبردست فساد کے لیئے ہماری امیدیں پوری نہ ہوسکیں ....." بادشاہ نے نہ صرف

---

[1] خورشید مصطفیٰ - جنگِ آزادی ص۱۹۱

گائے بلکہ بکری تک کی قربانی کی شہر میں ممانعت کر دی ہے ....." چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ لوگ آپس میں لڑتے وہ سب ہمارے خلاف ایک متحدہ اور بھرپور حملہ کرنے کے لئے ایک ہو گئے۔"

ایک اور انگریز رابرٹ لکھتا ہے[1]

"اس خاص موقع (یکم اگست / عید الاضحیٰ) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور اس کی جگہ فرنگیوں کو ختم کرنے کے لئے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحدہ کوشش ہو رہی ہے۔"

ترغیب جہاد کے لئے وعظ

عامۂ مسلمین اس جدوجہد کے سلسلے میں تذبذب کا شکار تھے۔ امت کا معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر علما کی طرف دیکھتی ہے اور ان کے فیصلے اور فتوے کی بنیاد پر اقدام کرتی ہے۔ چناں چہ مولینا اور دوسرے علمائے دہلی نے اپنے فرض کو پہچانا اور مسلمانوں کو اس صورتِ حال میں شریعت غرا کے احکام سے واقف کرانے سے غافل نہیں رہے اور مساجد میں جلسے کر کے اعلان کرتے رہے کہ کفار کے حملے کی شکل میں دارالاسلام کو ــــ چاہے وہ کسی پیمانے کا ہو بچانے کی فکر و کوشش کرنا شرعاً واجب ہے چناں چہ دہلی کے اس

---

[1] خورشید مصطفیٰ ص ۱۹۲

دور کا ایک اخبار نویس جینی لال ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو یہ خبر دیتا ہے [۱]

"علمائے دین نے تمام شہر کے مسلمان باشندوں کو جمع کر کے انگریزوں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ کفار کو قتل کرنے سے اجرِ عظیم ملتا ہے۔ ہزاروں مسلمان ان کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔"

اس قسم کے متعدد جلسے ان علما نے مسجدوں خصوصاً جامع مسجد میں کیئے اور ان میں مولینا فضلِ حق اپنی پُرجوش تقریروں سے مسلمانوں میں جوشِ جہاد پیدا کرتے رہے۔ چنانچہ یہی جینی لال لکھتا ہے [۲]

"مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں۔"

سپاہ کو ترغیب جہاد

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکا ہیں۔ مولینا کا تجزیہ تھا کہ فوجیوں میں سے صرف ایک گروہ ایسا ہے جو انگریزوں سے نبرد آزما ہے، اس لیے فوجیوں کے ان باقی گروہوں جو نیم دلی سے لڑ رہے تھے یا میدانِ جنگ سے لوٹ آئے تھے، ترغیبِ جہاد کی سخت ضرورت تھی، مولینا اس سے بھی غافل نہیں تھے اور فوجیوں میں بھی ان کی تبلیغی جدّ و جہد جاری تھی۔ انگریزوں کے ایک مخبر تراب علی نے رپورٹ دی کہ [۳]

---

[۱] بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۱۱۷ [۲] اخبار دہلی از جینی لال ص ۲۷۳ فائل ۱۲۷

[۳] اخبار دہلی، رپورٹ تراب علی مورخہ ۲۸ راگست ۱۸۵۷ء

"مولوی فضلِ حق جب سے الور سے آئے ہیں وہ فوجیوں اور شہریوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں مسلسل مصروف ہیں ....

مولوی فضلِ حق کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر ہو کر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں اور سبزی منڈی کے پُل والے محاذ پر صف آرا ہیں"

آمدنی پر توجّہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غدر شروع ہوتے ہی انگریزوں نے بہادر شاہ کا وظیفہ بند کر دیا تھا۔ ایک تو اسی وظیفہ میں کام نہیں چلتا تھا اور بادشاہ اس میں اضافہ کے لئے مسلسل کوشاں تھے پھر یہ بھی بند ہو گیا تو اور بھی حالات خراب ہو گئے اور اطراف ملک سے ہزاروں مجاہدین اور فوجیوں کی آمد نے مصارف میں اضافہ کر دیا تھا۔ ادھر خزانہ بالکل خالی تھا۔ سپاہیوں کی تنخواہ دینے کے لئے بھی رقم نہیں تھی۔ سپاہی اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر تقاضا کرتے تھے اور تلخی پیدا ہوتی تھی۔ ایک بار فوج کے مختلف دستوں میں باہم جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ایک مرحلے پر بادشاہ نے اپنی بیویوں کا زیور پیش کیا کہ اس کو فروخت کر کے اخراجات پورے کئے جائیں۔

ان حالات میں تحریک کی کامیابی کے امکانات کا دھندلا جانا لازمی ہے۔ مولینا نے اس اہم مسئلے پر پہلے دن سے توجّہ دی اور

بہادر شاہ سے اپنی پہلی ملاقات میں اس پر زور دیا کہ مجاہدین کی روپیہ اور سامانِ رسد سے مدد کرنا نہایت ضروری ہے[1]۔ حکیم احسن اللہ خاں نے لکھا ہے کہ[2]

"مولوی صاحب جب بھی بادشاہ سے ملتے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے باہر (محاذ پر) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں"

اس سلسلے میں مولینا نے بہادر شاہ کے سامنے یہ دو تجویزیں رکھیں:

(۱) دُور اور قریب کے تمام والیانِ ریاست سے زرِ اعانت کا مطالبہ کیا جائے۔

(۲) زرِ مال گزاری کی تحصیل کے لئے موجودہ نااہل ملازمین کی جگہ موزوں اور کارداں افراد کا تقرر کیا جائے۔

بادشاہ نے پہلی تجویز کو منظور کر کے والیانِ ریاست کے نام خطوط روانہ کئے جائیں۔ چنانچہ جھجر، بلب گڈھ، فرخ نگر، بریلی، جے پور، الور، جودھپور، بیکانیر، گوالیار، جیسلمیر، پٹیالہ کے فرمانرواؤں کو خطوط لکھے گئے۔

دوسری تجویز کے سلسلے میں مولینا ہی کے نامزد کردہ چند قابلِ اعتماد افراد کا تقرر کیا گیا، مثلاً مولینا ہی کے فرزند گرامی مولینا عبدالحق

---

[1] میموائرس ص۲۳ [2] ایضاً ۲۴

کا گوڑ گانوہ کے کلکٹر کی حیثیت سے تقرر کیا گیا اور وہ ۱۹ اگست کو گوڑ گانوہ روانہ ہوئے[1]۔ بادشاہ کی طرف سے جو اختیارات حاصل تھے ان کی بنا پر مولینا نے اپنے قلم سے بھی چند تقرر کئے تھے اور[2]

"کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا تھا"

حسن بخش عرض بیگی کو ضلع علی گڈھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مقرر کیا[3]۔ مولینا فیض احمد بدایونی کو ضلع بلند شہر کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مقرر کیا[4]۔

مولینا کے ایک عزیز میر نواب (جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) میر فتح علی کے ساتھ گورنر گوڑ گانوہ اور گڑھی پر سرو سے چالیس ہزار روپیہ لائے[5]۔

مولینا نے فوجیں لڑائیں

مولینا کی مجاہرانہ سرگرمیاں صرف مشوروں، ہدایات، منصوبہ بندی، فکری قیادت اور انتظامی امور و معاملات میں شرکت تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس جہاد میں عملی شرکت اور محاذ آرائی تک کا سراغ ملتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں[6]:

"اگر جیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو مولوی

---

[1] جیون لال ص ۲۲۲، [2] بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۲۵۷، [3] غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط ص ۱۲۹، [4] ایضاً ص ۱۲۹، [5] نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۲۲، [6] بہادر شاہ دوم ص ۳۹۱

فضلِ حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے"۔

کنگ کونسل کی رکنیت

سیّد مبارک شاہ (جو دورانِ غدر دہلی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے

(۱) جنرل بخت خاں

(۲) مولوی سرفراز علی اور

(۳) مولوی فضلِ حق

پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی، مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پریوی کونسل بھی لکھا ہے [۱]

ایڈمنسٹریشن کورٹ

جیساکہ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں مولینا نے حالات کی رو کو دیکھ کر اور غالباً دہلی میں رہنے کی وجہ سے یورپ میں ملوکیت کے بجائے جمہوریت کے رواج کی (مجملاً ہی سہی) اِطلاعات سے متاثر ہوکر ملک کے نظامِ حکومت کے لئے ایک دستور ترتیب دیا تھا اور اس طرح بے آئین شاہی اور مطلق العنان ملوکیت کو دستور کا پابند کرکے جمہوری طرزِ حکومت کی طرف اقدام کیا تھا تاکہ شہریوں کو بھی حکومت میں شرکت کا موقع ملے اور صرف مسلمان ہی نہیں دُوسری اقوام بھی اِس شرکت سے مطمئن ہوکر استخلاصِ وطن کی اِس جدّوجہد

---

[۱] بحوالہ ڈاکٹر سیّد معین الحق دی گریٹ روولیوشن آف ۱۸۵۷ء ص ۱۲۸ و ص ۱۸۳

(غدر) میں کھلے دل سے حصّہ لیں۔

۱۹ ویں صدی کے عین وسط میں ہمارے ملک میں لال قلعہ کی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر بہادر شاہ کی ناک کے نیچے آئینی حکومت کی بات کرنا، شاہ کو دستور کا پابند بنانا، عوام کو حکومت میں شریک کرنے کے لئے آواز اٹھانا جس روشن خیالی، دوراندیشی، انقلاباتِ عالم سے باخبری اور حُسنِ تدبّر کا آئینہ ہے اس کے پیشِ نظر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولینا فضلِ حق صرف ایک یگانۂ عصر مصنّف و مدرّس ہی نہیں تھے، بلکہ وہ سیاست مدنیہ اور تدبیر مملکت پر بھی اِس درجے کا عبور رکھتے جس طرح دوسری انواعِ حکمت پر اور اس طرح وہ تاریخِ ملّت میں نظام الملک طوسی اور شاہ ولی اللہ جیسے ماہرینِ سیاست و مدنیت کے ساتھ محسُوب علمائے دین میں سے تھے اور ان کا یہ "دستور العمل سلطنت" "سیاست نامہ" اور "البدور البازغہ" کی سی اہمیت اور قدر و قیمت کا حامل تھا، افسوس یہ ہے کہ ہم اس دستور العمل کے تحفظ سے قاصر رہے اور غدر کا ہنگامہ عالم آشوب دوسرے ہزاروں نوادر کی طرح اِس کو بھی بہالے گیا۔ اس کی صرف ایک دفعہ (امتناعِ ذبیحۂ گاؤ) اور ۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو اس کے نفاذ کا ذکر اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے۔

اِس دستور کی بنیاد بہرحال ظاہر ہے اصولی اور اساسی احکام پر مشتمل ہوگا۔ ایک مجلس منتظمہ (جلسۂ انتظام) تشکیل دی گئی اور

بقول مہدی حسین[1] اس کا ڈائرکٹر (نگراں) مولینا کو بنایا گیا۔ اِس مجلسِ انتظامیہ کے قواعد و ضوابط (بائی لاز) کا مسودہ حسنِ اتفاق سے محفوظ رہ گیا ہے۔ بھارت کے نیشنل آرکایوز میں وہ مسودہ[2] محفوظ ہے اور اس کا عکس ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ تحریر اُردو میں ہے اور اس نقطۂ نظر سے بھی تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ اِس نوع کے اجتماعی اور دستوری مسائل پر یہ بھی غالباً پہلی اُردو تحریر ہے اور اس کے مطالعے سے سیاسی مسائل اور انجمنوں اور اداروں کے سلسلے میں اردو اصطلاحات میں عہد بہ عہد تغیرات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً اس میں مجلس کے بجائے جلسہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور ووٹ کے بجائے رائے، سیکرٹیری کے بجائے سِکرتر وغیرہ۔

اس مجلس کا نام اس کے بانیوں نے "ایڈمنسٹریشن کورٹ یعنی جلسۂ انتظام ملکی و فوجی" رکھا تھا، لیکن یہ صرف کورٹ CORT اور غدر کے نیم تعلیم یافتہ مخبروں[3] کی اِملا میں KOTE لکھا گیا ہے۔ انگریز حکام اسے باغیوں کا کورٹ
لکھتے ہیں۔ مرزا مغل نے "مجلسِ شوریٰ" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ کورٹ غالباً اگست کے آخری ہفتے میں قائم کیا گیا تھا جیسا کہ جنرل بخت خاں

---

[1] بہادر شاہ دوم ص ۱۸۲

[2] FOR POL. CONS. N.A. BOX 57 NO 539-541

[3] میوٹنی ریکارڈ جلد ۱۱۷ حصہ ۱۱ ص 8/9 مطبوعہ ۱۹۱۱ء لاہور

کے مکتوب[۱] بنام مرزا مغل مورخہ ۲۴ اگست) سے واضح ہوتا ہے۔

مشہور محقق اور مورّخ ڈاکٹر سید معین الحق[۲] نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہی تحریر دراصل دستور العمل سلطنت مصنفہ مولانا فضل حق ہے جس کا ذکر مولوی ذکاءُ اللہ نے کیا ہے۔ مگر ہماری رائے میں ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور دستور کی بنیاد پر جو کورٹ۔ اور آجکل کی اصطلاح میں اسے آپ کابینہ بھی کہہ سکتے ہیں، بنایا گیا اس کی کارروائی کے لیے جو قواعد و ضوابط مرتب کیے گئے تھے۔ یہ وہ ہیں، نہ کہ اصل دستور۔ آجکل کی زبان میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ ملک کا جو دستور مرتب کیا گیا تھا اس دستور کی روشنی میں جو کابینہ تشکیل پانا تھی، یہ اس کابینہ کے بائی لاز ہیں کہ یہ کابینہ کس طرح فیصلے کرے؟ اسکی ہیئت کیا ہو؟ وغیرہ۔ چنانچہ قواعد و ضوابط کے پہلے ہی جملے میں ہے:

"ازاں جاکہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بدانتظامی طریقہ فوجی و ملکی کے مقرر ہونا دستور العمل کا واجب اور مناسب اور واسطے عمل درآمد دستور کے اولاً معیّن ہونا کورٹ کا ضروری ہے اس لئے حسب ذیل قواعد لکھے جاتے ہیں۔"

یعنی قیام نظم و امن کے لئے دستور کا ہونا ضروری ہے اور دستور پر

---

[۱] خط نمبر ۱۳۔ گرفتار شدہ خطوط طبع دوم ۱۹۲۳ء دہلی ص ۱۰۸ تا ۱۰۹

[۲] دی گریٹ ریولیوشن آف دی ۱۸۵۷۔ ص ۱۲۸ و ۱۸۲ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

عملدرآمد کورٹ ہی کرسکتا ہے، اس لئے کورٹ کے قواعد منضبط کیے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ دستور نہیں بلکہ دستور کو نافذ و روبعمل کرنیوالے کورٹ کے قواعد ہیں۔

یہ کورٹ دس ارکان پر مشتمل تھا جن میں ۶ فوج کے نمائندے تھے اور ۴ شہری۔ فوج کے نمائندے تین قسم کی فوجوں، پیادہ (انفنٹری)، سوار (کیویلری) اور توپ خانہ (آرٹلری) میں سے دو دو منتخب ہوتے تھے۔ ۴ شہری ارکان کے لئے قواعد میں کوئی وضاحت نہیں ہے کہ ان کا معیار انتخاب کیا ہوگا۔ نہ مولینا کے سوا کسی اور شہری رکن کا نام کہیں نظر سے گزرا۔ انگریزوں کے مخبر تراب علی[1] نے یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو "دہلی کی خفیہ خبروں" کے عنوان سے جو مراسلہ انگریز حکام کو بھیجا تھا اس میں اس کورٹ کی تشکیل کی خبر کے ساتھ کورٹ کے فوجی ارکان کی فہرست دی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

"مولوی فضلِ حق بھی اس کے ایک رکن ہیں"

ممکن ہے باقی ۳ شہری ارکان کی شمولیت مختلف مصالح اور مجبوریوں کے پیشِ نظر معرضِ التوا میں پڑگئی ہو اور غیر فوجی رکن صرف مولینا فضلِ حق ہی رہے ہوں جو اس دستور کے مصنف اور مرتب تھے جس کی بنیاد پر یہ کورٹ تشکیل دیا گیا تھا۔

اس کورٹ کے ارکان کو جو حلف اٹھانا پڑتا تھا اس سے اس

---

[1] میوٹنی ریکارڈ جلد ۱۷۱ حصہ ۱۱ 8/9 وسیکریٹ لیٹرس ع ۱۹۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء

کے دائرۂ کار، اختیارات کی وسعت اور حدود اختیارات کا بھی اندازہ ہوتا ہے، حلف یہ تھا:۔

"کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا ردو رعایت کمال جانفشانی سے اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے اور کوئی دقیقہ وقائق متعلقہ انتظام سے فروگذاشت نہ کریں گے اور حیلۃً و صراحتہً اخذ اجر یا رعایت کسی طرح کسی لحاظ سے وقت تجویز امور انتظام کورٹ میں نہ کریں گے، بلکہ ہمیشہ ساعی اور سرگرم ایسے انتظام امورات سلطنت میں مصروف رہیں گے کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاہ اور آسائش رعیت ہو اور کسی امر مجوزۂ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب عالم[1] قبل اجرا اس کے صراحتاً یا کنایتہً کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

اِس حلف سے اندازہ ہوتا ہے کہ

(۱) کورٹ کی مدت کار صرف ہنگامی حالات اور زمانۂ جنگ تک محدود نہیں ہے بلکہ زمانۂ مابعد جنگ (اغیار سے استخلاص وطن) کے مسائل بھی پیشِ نظر ہیں۔

(۲) صرف دہلی اور جنگ سے متاثرہ علاقے تک اس کورٹ کا دائرۂ کار محدود نہیں ہے بلکہ سلطنت، ریاست (اسٹیٹ) جیسے

---

[1] مرزا مغل

الفاظ بتاتے ہیں کہ پورے ملک کا انتظام مقصود ہے۔

اِن قواعد میں سب سے اہم بات وہ ہے جس کی طرف ہم پہلے توجہ دلا چکے ہیں کہ اس کے ذریعے بادشاہ کو بے اختیار اور صرف آئینی سربراہ بنا دیا گیا ہے۔ دفعہ ۶ میں ہے:۔

"جو امورات انتظام کے پیش آئیں اوّل تجویز ان کی کورٹ میں ہوگی اور بعد منظوری صاحب عالم بہادر کے اطلاع رائے کورٹ سے حضور والا میں ہوتی رہے گی"۔

اِس طرح اصل فیصلہ کورٹ کرے گا جس کو صاحبِ عالم (مرزا مغل جو کمانڈر انچیف تھے) منظور کر کے بادشاہ کو صرف اس کی اطلاع کریں گے۔ دفعہ نمبر ۷ میں ہے کہ کورٹ کے ہر فیصلے کے نفاذ کے لئے صاحبِ عالم کی منظوری اور حضور والا (بادشاہ) کی اطلاع ضروری ہی مگر جب کسی فیصلے سے صاحبِ عالم کو اتفاق نہ ہو تو وہ ———— کورٹ کو واپس کر دینگے اور کورٹ اس پر نظر ثانی کر کے پھر صاحبِ عالم کو بھیج دے مگر اب صاحبِ عالم کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ اس فیصلے کو حضورِ والا تک پہنچا دیں اور اس صورت میں حضور والا کا فیصلہ ناطق ہوگا بہادر شاہ کو اپنے اختیارات پر یہ قدغن پسند نہیں تھی اور یہی بھی نہیں چاہیے تھی اگر انھیں مستقبل کے ہولناک واقعات کا وہ اندازہ ہوتا جو مولینا فضل حق کو تھا تو یہ جدّ و جہد ناکام ہی کیوں ہوتی؟ چنانچہ انھوں نے گرفتار ہونے کے بعد فوجی عدالت کے سامنے جو بیان دیا تھا اس میں اس کورٹ کا بھی ذکر کیا تھا:۔

"باغی سپاہ نے ایک کورٹ قائم کیا تھا جہاں تمام معاملات کے فیصلے ہوتے تھے اور جن معاملات کو وہاں طے کیا جاتا تھا انھیں کو یہ کونسل اختیار کرتی تھی، لیکن میں نے ان کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔"[1]

ایک بار لال قلعہ کے ایک حصّے میں مجاہدین کا قیام بہادر شاہ کو گوارا اور مناسب معلوم نہ ہوا تو مرزا مغل کو لکھا کہ[2]

"کورٹ کے ممبران سے انھیں ہٹانے کے لئے کہو۔"

شاہ زادگان عالی تبار کو بھی یہ دخل در معقولات بہت ناگوار تھا چنانچہ ان کے بھی کئی شکایت نامے اوراقِ تاریخ نے "وقت ضرورت" کام میں لانے کے لئے سینے سے لگا رکھے ہیں۔[3]

---

[1] بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۱۳۶

[2] گرفتار شدہ خطوط

[3] گرفتار شدہ خطوط ص ۸۱ و ص ۸۲

اودھ میں مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء دہلی پر انگریزوں کا مکمل تسلّط ہوگیا اور نہ صرف مولینا فضل حق بلکہ دوسرے ہزاروں محبانِ وطن اور حریت پسندوں کی سرفروشانہ جدّوجہد ناکام ہوگئی اور اب ہر اُس فرد کے لئے جس نے کسی پیمانے پر بھی اِس جدّوجہد میں حصّہ لیا تھا دہلی میں قیام دشوار بھی ہوگیا اور خطرناک بھی۔ مجاہدین نے یہ منصوبہ بنایا کہ بہادر شاہ کو لے کر دہلی سے نکل جائیں اور اب دہلی کے بجائے لکھنؤ کو میدانِ جنگ بنائیں اور وہاں انگریزوں سے مقابلہ کریں، مگر بہادر شاہ تو انگریزوں کے ہوا خواہ مشیروں کی رائے سے متاثر ہوکر اور اپنی پست ہمتی اور بد قسمتی کی وجہ سے مجاہدین کا مزید ساتھ دینے سے معذور رہے اور لال قلعہ خالی کر کے ہمایوں کے مقبرے چلے گئے۔ بہادر شاہ کے برعکس مولینا فضل حق، جنرل بخت خاں وغیرہ باقی تمام مجاہدین نے ہمت نہیں ہاری۔ اُن کے نزدیک محاذ دہلی پر شکست، ہر محاذ پر شکست

کے مترادف نہیں تھی، اُن کے عزائم ابھی بلند تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے دہلی سے نکل کر یوپی کا رُخ کیا، جہاں ابھی میدانِ کارزار گرم تھا اور بریلی، مراد آباد، لکھنؤ وغیرہ متعدّد محاذوں پر مجاہدینِ وطن فرنگی عساکر سے سرگرم جنگ اور مقابلہ آرا تھے۔

مولینا فضلِ حق ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بھرا پُرا گھر، بیش قیمت اسباب اور سب سے بڑھ کر لعل و گوہر سے سوا قیمتی نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ چھوڑ کر صرف اپنی اور اہل و عیال کی جانیں لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ راستے پُر خطر تھے اور مواصلات کا نظم درہم و برہم تھا۔ بڑی دشواریوں کے بعد نومبر ۱۸۵۷ء میں وطن مالوف خیرآباد (ضلع سیتاپور) پہنچ سکے۔ وطن پہنچ کر یوپی میں برپا جنگِ آزادی کے مختلف محاذوں کا جائزہ لیا اور بالآخر حضرت[۱] محل کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا۔

---

[۱] غدر سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے اودھ کے حکمراں واجد علی شاہ کو معزول کر دیا تھا اور وہ اس وقت مٹیا برج (کلکتہ) میں نظر بند تھے۔ سن ستاون کی جنگِ آزادی برپا ہونے پر محبانِ وطن نے واجد علی شاہ کے کم سن صاحبزادے مرزا برجیس قدر کو واجد علی شاہ کا جانشین قرار دے کر تخت نشین کیا اور بہادر شاہ سے اس کی منظوری بھی حاصل کر لی اور پھر اُن کی قیادت میں انگریزوں سے مقابلہ کا اعلان و آغاز کر دیا۔ مرزا برجیس قدر کم سن تھے، اس لئے اصل قیادت انکی والدہ ملکہ عالیہ بیگم حضرت محل کر رہی تھیں۔ بیگم نے تقریباً ۱½ سال انگریزوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور دسمبر ۱۸۵۸ء میں ناکام ہو کر نیپال چلی گئیں، جہاں ۱۸۷۴ء میں وفات پائی۔

مولینا نے بیگم حضرت محل کے ساتھ تعاون کا آغاز غالبًا مارچ ۱۸۵۸ء میں کیا۔ بیگم نے انگریزوں سے مقابلہ کا آغاز چن ہٹ (لکھنؤ سے ۹ میل دور ایک مقام) سے ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو کیا تھا اور تقریبًا ایک لاکھ ساٹھ ہزار انگریز فوج کے سپاہیوں سے جنگ کی تھی۔ اس کے بعد سات ماہ تک لکھنؤ میں معرکہ گرم رہا اور جنرل بخت خاں اور شاہ زادہ فیروز شاہ اور مولوی احمد اللہ شاہ بھی بیگم کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں بیگم اور مجاہدین لکھنؤ خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بیگم لکھنؤ سے نکل کر سیتاپور پہنچیں اور یہیں غالبًا مولینا فضل حق بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور یہ قافلہ سخت جان سیتاپور سے بوندی (ضلع بہرائچ) پہنچا۔ اس عرصے میں انگریز روہیل کھنڈ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے اور خان بہادر خاں وغیرہ کی طرف سے مطمئن ایک سُو ہو کر ایک بڑی ——— ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر بوندی پہنچے اور یہاں مجاہدینِ وطن اور انگریزوں کے درمیان ایک فیصلہ کن اور آخری معرکہ ہوا۔

بیگم کی فوج مولینا کی مدبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں سے مسلسل مستفید ہوتی رہی اور مجاہدین کی مجلسِ شوریٰ کے جسے "اربابِ شوریٰ" بھی کہا جاتا تھا اور "پارلیمنٹ" بھی، مولینا ایک ممتاز اور خصوصی رکن تھے۔ بیگم کے وزیر ممو خاں سے مولینا کا خصوصی ربط و قرب رہا اور مولینا کو ممو خاں کا مشیر سمجھا جاتا تھا۔ ممو خاں مولینا کے

ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر مولینا کی قیام گاہ پر آتے رہتے تھے۔

اِس جنگِ آزادی میں اہلِ وطن کی ناکامی مقدر ہو چکی تھی اور وہ تمام اسباب و عوامل مفقود تھے جو کامیابی کے لیئے ناگزیر ہیں۔ مجاہدین میں باہم انتشار و تشتت، قائدین فوج میں باہم اعتماد کا فقدان اور مشترکہ دشمن کے خلاف اتحاد و اتفاق کے بجائے آپس ہی میں بار بار تفرقہ پیدا ہوتا رہا۔ چنانچہ پہلے تو مولوی احمداللہ شاہ اور بیگم کی فوج میں اختلافات پیدا ہوئے اور ان کے نتیجے میں مجاہدین کے ان دونوں گروپوں میں باہم جنگ ہو گئی اور بہت سے مجاہدین اس آپس کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ اِسی طرح فیروز شاہ اور مولوی احمداللہ شاہ میں بھی باہم اختلاف ہو گیا تھا اور دونوں اپنی اپنی فوجوں کو لے کر متفرق ہو گئے تھے۔ مولوی احمداللہ شاہ نے محمدی پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی تھی اور فیروز شاہ دوسرے مقامات پر انگریزوں سے نبرد آزما رہا۔ دسمبر ۱۸۵۸ء کے ایک سرکاری مراسلے سے پتہ چلتا ہے کہ مولینا اس عرصے میں فیروز شاہ کے ساتھ تھے، بلکہ گرفتاری کے بعد مقدمہ میں جو فرد جرم مولینا پر عائد کی گئی تھی اس کی رُو سے تو ایک باغی فوج کی کمان خود مولینا کر رہے تھے۔

بہرحال اس وقت فتح و نصرت ہمارے لئے مقدر نہیں تھی۔

یہ جنگ ناکامی پر منتج ہوئی بیگم حضرت اور مرزا برجیس نے نیپال میں پناہ لی، فیروز شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں نے حجاز کی راہ لی۔ جنرل بخت خاں نے سرحد کا رُخ کیا، مولوی احمد اللہ شہید کر دیئے گئے تھے اور جو مجاہدین بچ گئے تھے وہ متحیر تھے کہ کیا کریں؟

انگریز جب ہر محاذ پر جیت چکے تو نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کا اعلان معافی شائع کیا گیا جس میں ۳۰ دسمبر ۱۸۵۸ء تک کی مہلت دی گئی تھی۔

مولینا رفقائے جہاد کے منتشر ہو جانے کے بعد استخلاصِ وطن سے مایوس اور مستقبل کے سلسلے میں متحیر تھے کہ یہ اعلان معافی نظر سے گزرا اور وہ اس پر اعتماد کر کے اپنے گھر خیر آباد آ گئے۔

گرفتاری

خیر آباد پہنچ کر مولینا ۲۶ دسمبر کو کرنل کلارک سے ملے۔ کرنل نے انھیں ڈپٹی کمشنر کی تحویل میں دیتے جانے کا حکم دیا۔ ۳۰ دسمبر کو مولینا ڈپٹی کمشنر سے مل کر اپنے گھر میں مقیم اور گویا نظر بند رہے۔ ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو انھیں گرفتار کر کے لکھنؤ روانہ کر دیا گیا۔ ۲۲ فروری کو مقدمہ پیش ہوا اور ۲۸ فروری کو حسب ذیل فرد جرم عائد کی گئی:

● —" وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور

قتل کی ترغیب دی۔"

"اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۹ء میں باغی سرغنے ممو خاں کی مجلسِ مشاورت میں نمایاں حصّہ لیا۔"

مقدمے کی سماعت کے بعد ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو حبس دوام بعبور دریائے شور اور تمام جائداد کی ضبطی کا فیصلہ سُنایا گیا۔ مولینا نے وائسرائے کے یہاں اپیل کی، مگر وہ بھی مسترد ہو گئی اور مئی ۱۸۵۹ء میں مولینا کو لکھنؤ سے کلکتے روانہ کر دیا گیا اور وہاں سے ۸ اکتوبر کو انڈمان لے جائے گئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے ۹ جنوری ۱۸۶۰ء کو ایک درخواست وزیر ہند کے نام روانہ کی۔ ادھر مولینا کے صاحبزادے[1] نے بھی اپنی طرف سے ایک اپیل کی جس کے جواب میں بقول ذکاءُ اللہ[2] رہائی کا حکم ہوا، مگر رہائی کا حکم نافذ ہونے سے قبل ہی ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو اس امام معقول اور مجاہد حریت نے انڈمان ہی میں وفات پائی۔

مولینا کی تمام جائداد بھی ضبط کر لی گئی، جس میں دیوان خانہ، محل سرا اور کئی دیہات[3] اور مجموعۂ نوادر کتب[4] خانہ بھی تھا۔

---

[1] "چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا بیٹا عدالت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔" (مکتوب غالب بنام یوسف مرزا اردوئے معلّی) [2] تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۸

[3] ان میں سے دو کے نام موضع زین پورہ اور موضع نندو پورہ

[4] "اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کیا

انڈمان ہی میں مولینا نے قصائد[۵] فتنۃ الہند (ہمزیہ و دالیہ) اور رسالہ غدریہ[۶] تالیف فرمائے۔

تھا کلکتہ کالج میں موجود ہے"۔ ولیم ہنٹر (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

۵ء ان میں سے ہمزیہ کے تین شعر پہلی بار ۱۹۰۷ء میں مولینا سید برکات احمدؒ نے "حسرۃ العلما" میں نقل فرمائے تھے۔

۶ء اِس رسالے کا ذکر پہلی بار ۱۸۷۳ء میں امیر مینائی نے انتخاب یادگار میں کیا تھا اور رسالے کا نام "تاریخ احوال غدر" لکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نام انھیں مولینا عبدالحق خیرآبادی نے بتایا ہوگا۔ اس کا نام "الثورۃ الہندیہ" مولینا آزاد نے تجویز کیا تھا۔
(تقریظ باغی ہندوستان)

مولٰینا اور فتوائے جہاد

مولٰینا فضلِ حق نے " اٹھارہ سو ستاون " کے جہاد حریت میں جس جس پہلو سے اور جتنا حصّہ لیا تھا ہم اس کی تفاصیل مثبت انداز میں آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم ان شبہات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو مولٰینا کی شرکتِ جہاد پر کیئے گئے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر مولٰینا امتیاز علی خاں عرشی (تحریک دہلی، اگست ۱۹۵۷ء) اور جناب مالک رام (تحریک دہلی جون ۱۹۶۰ء) کے مضامین ہیں۔ اِن مضامین میں اِن دونوں حضرات نے عہدِ ماضی وحال کے بعض مورخین کی تحریروں پر گرفت کرتے ہوئے کئی مسائل چھیڑے ہیں مگر خصوصیت سے جن دو سوالات سے مجھے اِس وقت بحث کرنا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) مولٰینا نے اس معرکۂ جہاد میں کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا؟

(۲) مولٰینا اگست میں دہلی پہنچے تھے ؟

فتویٰ

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ مولانا نے دورانِ جہاد کوئی فتوےٰ دیا تھا یا نہیں تو مولانا عرشی نے لکھا ہے کہ مولانا فضلِ حق خیر آبادی کا جہاد کے فتوے سے کوئی تعلق نہ تھا اور تاریخ عروج سلطنتِ انگلشیہ مؤلفہ مولوی ذکاءُ اللہ کا اقتباس نقل کر کے بتایا ہے کہ جنرل بخت خاں نے اپنے ورود دہلی (۲ جولائی ۱۸۵۷ء) کے بعد علما سے جو فتویٰ حاصل کیا تھا اور جو پہلے اخبار الظفر دہلی اور پھر اس کے حوالے سے صادق الاخبار دہلی کی ۲۶ جولائی کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اس پر دستخط کرنے والے علما میں مولانا فضلِ حق نہیں ہیں۔ یہی بات مالک رام صاحب نے لکھی ہے کہ

"جس فتوے میں اُن کی شمولیت پر اصرار (؟) کیا جاتا ہے وہ ان کے آنے سے بہت پہلے جولائی ہی میں شائع ہو چکا تھا اس لئے اِس پر اُن کے دستخط کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یقیناً انھوں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا جس میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہو۔"

اس سلسلے میں پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ صادق الاخبار میں جو فتویٰ شائع ہوا تھا کیا یہ وہی فتویٰ تھا جو بخت خاں نے حاصل کیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ وہ فتویٰ نہیں تھا کیوں کہ

(۱) بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا ذکاءُ اللہ ہی کے

مطابق اس میں لکھا تھا کہ "مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالینگے"۔ (ص ٦٧٦) اور صادق الاخبار کے فتوے میں جو صادق الاخبار کے عکس سے عرشی صاحب نے اپنے مضمون میں مکمل نقل کیا ہے یہ الفاظ ہیں نہ ان سے ملتے جلتے الفاظ اور نہ ان کا مفہوم اور یہ نکتہ :

(۲) ذکاءُ اللہ نے لکھا ہے کہ "مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاءُ الدین نے فتوے پر مہریں نہیں کیں"۔ مگر اس فتوے پر پانچویں نمبر مولوی محبوب علی کے اور سولھویں نمبر پر خواجہ ضیاءُ الدین کے دستخط موجود ہیں۔

اس لیے ہم بجا طور پر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ بخت خاں نے جو فتوٰی حاصل کیا تھا وہ دوسرا تھا اور یہ دوسرا ہے۔ دراصل تحریکِ آزادی کے دَوران ایک نہیں کئی فتوے حاصل کیئے گئے تھے :

(۱) ایک تو وہ فتوٰی تھا جسے سر سیّد نے "پہلا فتوٰی" کہا ہے اور جس میں جہاد کے عدم وجوب کا حکم بیان کیا گیا تھا۔

(۲) دوسرے فتوے کا ذکر ذکاءُ اللہ نے ہی کیا ہے :-

"ایک شخص نے اپنا فرضی نام محمدّ صادق لکھ کے جامع مسجد کے اندر دیواروں پر ایک اشتہار چسپاں کیا جس کے اوپر تلوار اور سپر کی بھدّی سی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ ایران کی سپاہ

انگریزوں کے پنجے سے ہندوستان کو چھڑانے آئی ہے۔
سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ جہاد کے لئے مستعد
ہوں۔" ص ۳۸۶ ۔

اس اشتہار کے اثرات کے متعلق بہادر شاہ کے مقدمے میں ایک
گواہ بتاتا ہے کہ [۱]

"اس اشتہار کو دیکھ کر دہلی کے پانچ سے زیادہ مسلمانوں
نے جہاد پر آمادگی ظاہر کی تھی اور یہ بھی بتایا ہے کہ ماہ
مئی میں غدر سے چند روز قبل یہ اشتہار چسپاں ہوا تھا۔

(۳) اس سلسلے میں ذکاءُ اللہ کے یہ الفاظ بھی توجہ کے مستحق ہیں،
کہ "جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا۔ جہاد
کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ اور مساجد میں
ممبروں (منبروں) پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا" ص ۶۷۶

گویا بخت خاں سے پہلے شہر میں جہاد کے فتوے کا چرچا تھا مگر
بہت کم تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سا فتویٰ تھا جس کا چرچا رہت
کم ہی سہی، مگر تھا؟ جب "لوگ جہاد جہاد پکارتے تھے" اور مساجد
میں منبروں پر جہاد کا وعظ (کم تر ہی سہی) ہوتا تھا تو اسی بنیاد پر ہوتا
ہوگا ناکہ جہاد کی فرضیت کا فتویٰ ہو چکا ہے؟
اب آپ بخت خاں والے فتوے کے الفاظ اور مولینا فضلِ حق

---

[۱] بہادر شاہ کا مقدمہ (مرتبہ خواجہ حسن نظامی) ص ۵۷، دہلی ۱۹۲۳ء

کے اس ارشاد میں لفظی و معنوی قرب و تطابق ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے بہادر شاہ سے فرمائے تھے۔ بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا اس کے الفاظ تھے:

"اگر کافروں کو فتح ہوئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے"

اور مولٰینا فضل حق نے بہادر شاہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ[1]

"اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندانِ تیموریہ بلکہ سب مسلمان نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔

مولٰینا کا ورود دہلی

اسی فتوئ جہاد میں مولٰینا کی شرکت کے سلسلے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ مولٰینا دہلی کب تشریف لائے؟ بات یوں نکلی کہ مولوی ذکاء اللہ نے اپنی کتاب تاریخ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ میں لکھا تھا کہ

"جب تک بخت خاں دہلی میں نہیں آیا تھا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا .... مگر جب بخت خاں دلی میں آیا تھا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لیئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے"۔ (ص ۶۷۶)

---

[1] حکیم احسن اللہ خاں کی یادداشتیں (انگریزی) مرتبہ ڈاکٹر معین الحق کراچی ۱۸۵۸ء ص ۲۳

اس کے بعد ایک کتاب "سوتنتر دہلی" ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی جس میں صادق الاخبار دہلی کی ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کی اشاعت میں شائع شدہ ایک استفتا اور فتویٰ کا عکس طبع ہوا تھا، اس پر عرشی صاحب نے قیاس کر لیا ہے کہ دوران جہاد صرف ایک ہی فتویٰ جاری ہوا تھا اور یہ عکس اسی فتوے کا ہے حالاں کہ

(۱) ذکاءُ اللہ ہی کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بخت خاں کے دہلی آنے سے پہلے بھی دہلی میں فتوے کا چرچا تھا، اگرچہ بہت کم تھا۔

(۲) ذکاءُ اللہ نے بخت خاں کے حاصل کردہ فتوے کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس فتوے میں نہیں پائے جاتے۔

بہر حال عرشی صاحب نے یہ فرض کر لیا کہ ذکاءُ اللہ نے جس فتوے کا ذکر کیا ہے وہ یہی فتویٰ تھا اور اس پر دستخط کرنے والے علما میں مولینا فضل حق شامل نہیں ہیں، اس لئے مولینا خیرآبادی کا جہاد کے فتوے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

مولینا فضل حق کے فتوے میں شامل نہ ہونے کی دوسری دلیل عرشی صاحب نے یہ دی ہے کہ یہ فتویٰ ۲۶ جولائی سے پہلے مرتب ہوا تھا اور جیون لال کے بیان[۱] کے مطابق مولینا ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو شریکِ دربار (بہادر شاہ) ہوئے تھے۔ گویا یہ فتویٰ مولینا کے ورودِ دہلی سے پہلے مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا، اس لئے

---

[۱] غدر کے صبح و شام ص ۲۱ دہلی ۱۹۲۶ء۔ مرتبہ خواجہ حسن نظامی

اس پر مولینا خیر آبادی کے دستخط ہو ہی نہیں سکتے۔

عرشی صاحب کی اس تحلیل کی تائید مالک رام صاحب نے فرمائی اور لکھا:

"جس فتوے میں اس شمولیت پر اصرار (؟) کیا جاتا ہے
وہ آنے سے بہت پہلے جولائی ہی میں شائع ہو گیا تھا،
اس لئے اس پر ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...
یقیناً انھوں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا جس میں
جہاد کی ترغیب دی گئی ہو۔"

مختصر یہ کہ مولینا فضلِ حق کے فتوئے جہاد میں عدم شرکت کے دو دلائل ان حضرات نے دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ صادق الاخبار میں شائع شدہ فتوے پر جسے ان حضرات نے بخت خاں والا فتویٰ فرض کیا ہے مولینا فضل حق کے دستخط نہیں ہیں۔ اس دلیل کے بارے میں ہم گذشتہ سطور میں وضاحت کر چکے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہی صادق الاخبار میں شائع شدہ فتویٰ ۲۶ جولائی سے پہلے حاصل کیا گیا تھا اور مولینا ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچے تھے۔ ۱۶ اگست کو دہلی پہنچنے کا ثبوت عرشی صاحب نے یہ دیا ہے کہ "مولینا شروانی (عبد الشاہد خاں، مصنف باغی ہندوستان) نے اپنی کتاب میں منشی جیون لال کے روزنامچے سے نقل کیا ہے کہ ۱۶ اگست کو مولینا خیر آبادی شریکِ دربار ہوتے۔"

اس سلسلے میں گذارش ہے کہ عرشی صاحب جیسے محقق سے یہ اندازِ استدلال ہمارے لئے غیر متوقع ہے۔ کسی بھی بات کی ایسی تحقیق کہ قائل دمخاطب کی کسی کوتاہی، لغزش یا غلطی کو سند بنا کر بات کی تردید کر دی جائے "تحقیق" نہیں کہی جا سکتی۔ اس طرح قائل کی تردید و تنقید کا حق چاہے ادا ہو جاتا ہو مگر نفس مسئلے کی تحقیق کا حق ادا نہیں ہو سکتا، قائل کے سہو و خطا کی نشان دہی چاہے ہو جائے مگر اس اندازِ استدلال سے تحقیق کا حق ادا اور مسئلے کے ساتھ، انصاف نہیں ہو سکتا۔ زیرِ نظر مسئلے کی تحقیق کی ایک صورت تو یہ تھی جو عرشی صاحب نے اختیار فرمائی کہ چونکہ مولانا شروانی نے مولینا فضلِ حق کے ورود دہلی کی تاریخ بحوالہ جیون لال ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء متعین کی ہے اور فتوے اس سے پہلے مرتب ہو چکا تھا اس لئے مولینا فضلِ حق کی اس فتوے میں شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ تھی اور ہم عرشی صاحب جیسے نامور محقق سے اس کے متوقع تھے کہ وہ خود ادبیاتِ غدر کا مطالعہ کر کے یہ طے فرماتے کہ مولینا فضل حق کب دہلی تشریف لائے تھے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر عرشی صاحب اِس طرح سعی فرماتے تو یقیناً وہ یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ مولینا اس سے قبل بھی دہلی میں تھے یا الور سے دہلی (جن میں صرف اسّی میل کا فاصلہ ہے) آتے جاتے رہتے تھے۔

بہر حال اس سلسلے میں ہمارا حاصلِ فکر و مطالعہ یہ ہے کہ

کہ مولینا آغازِ جہاد یعنی مئی ۱۸۵۷ء ہی سے دہلی میں تھے۔ دہلی ان کا وطن و مسکن تھا۔ ان کے غالب، ان کے آزردہ اور ان کے اہل و عیال بھی یہیں تھے۔ پھر غدر کا آغاز رمضان میں ہوا تھا اور رمضان عموماً ہر روزہ دار اپنے اہل و عیال میں گذارتا ہے۔ ۲۵ مئی کو عید الفطر تھی۔ عید پر مسافر ضرور اہل و عیال سے آملتا ہے۔ مختصراً یہ کہ عقلاً ان کا اس زمانے میں دہلی میں ہونا مستبعد اور خلافِ قیاس نہیں، قرینِ قیاس ہے۔

جیون لال کے یہ لکھ دینے سے کہ وہ ۱۶ اگست کو بہادر شاہ سے ملے تھے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ اس تاریخ سے پہلے دہلی میں نہیں تھے؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ مولینا جب بھی دربار میں آئے ہوں جیون لال ضرور لکھے، مثلاً ۱۹ اگست کو بھی عبداللطیف کے بیان کے مطابق مولینا بادشاہ سے ملے تھے۔ (غدر کا تاریخی روزنامچہ از خلیق احمد نظامی) مگر جیون لال کا روزنامچہ خالی ہے۔ اگر جیون لال کے ان الفاظ سے کہ "مولوی فضلِ حق شریکِ دربار ہوئے اور انھوں نے ایک اشرفی نذر کی" یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ پہلی بار شریکِ دربار ہونے کا ثبوت ہے تو جیون لال نے ۱۰ اگست کے روزنامچے میں جو یہ لکھا ہے کہ "حکیم احسن اللہ شریکِ دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی" (ص ۲۱۳)، تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ حکیم صاحب بھی پہلی بار کہیں سے دہلی ۱۰ اگست ۱۸۵۷ء کو

آئے تھے اور پہلی بار شریک دربار ہوئے تھے؟

حکیم احسن اللہ خاں نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ مولینا نے بہادر شاہ سے کہا کہ مجاہدین کی مالی اعانت کیجیے۔ بادشاہ نے خزانہ خالی اور مال گزاری وصول نہ ہونے کا عذر کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ

"آپ کے تمام ملازمین نا اہل ہیں... کسی ہوشیار آدمی کو رسد کی فراہمی پر مامور کیجیے۔ میرے لڑکے (مولینا عبدالحق) اور دوسرے اعزّہ تحصیل داری کا کام انجام دیں گے اور رسد بھی فراہم کریں گے"۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

"جس تاریخ کو سپاہ آئی (۱۱ مئی) دوسرے روز (۱۲ مئی) قلعے میں اکابر شہر کی ایک مجلس مقرر ہوئی کہ شہر کا اور سپاہ کی رسد رسانی کا انتظام کیا جائے۔ اگر بندوبست نہیں ہوگا تو وہ (سپاہی) سارے شہر کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔ اِس کا اہتمام محبوب علی صاحب اور میر نواب پسر تفضل حسین خاں وکیل کے سپرد ہوا" ص ۶۷۹

حکیم احسن اللہ نے مولینا اور بہادر شاہ کی گفتگو کی تاریخ نہیں لکھی۔ مولوی ذکاء اللہ نے تاریخ متعیّن کر دی ہے۔ مولینا کے مشورے کی بنا پر اُن کے ایک عزیز میر نواب کو رسد رسانی کی ذمے دار سب کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا۔ میر نواب مولینا کے داماد سیّد احمد حسین رسوا خیر آبادی کے حقیقی

بھائی تھے! محمد حسین اور میر نواب دونوں سید تفضل حسین خاں کے بیٹے تھے جو غالب کے دوست تھے۔" سبد باغ دو در" میں سید صاحب کے نام غالب کے ۷ خطوط ہیں۔ مومن خاں سے سید تفضل حسین خاں کے تعلقات اور بھی گہرے تھے۔ انھوں نے مومن کے بیٹے احمد نصیر کو متبنی کر لیا تھا۔" انشائے مومن" میں کئی خطوط سید صاحب کے نام ہیں۔ مومن نے سید صاحب کے مکان کی تعمیر، باغ کی تعمیر وغیرہ پر بھی قطعاتِ تاریخ کہے تھے، اور میر نواب کی شادی پر بھی (۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) میں قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔[1] بہر حال میر نواب مولینا فضلِ حق کے قریبی عزیز اور معتمد تھے اور اُن کا دو رکنی سب کمیٹی میں ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو انتخاب مولینا فضل حق کی بہادر شاہ سے ۱۱ مئی کی گفتگو کے نتیجے میں ہوا تھا۔[2]

مولوی ذکاءُ اللہ لکھتے ہیں:[2]

" انھوں (مولینا فضل حق) نے بادشاہ (بہادر شاہ) کے لئے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا جس کی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری میں ذبح نہ ہو۔"

مولوی ذکاء اللہ ہی کا بیان ہے کہ:[3]

" ۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو اوّل حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا

---

[1] کلیاتِ مومن ص ۱۸۹، [2] تاریخ عروجِ سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۷،
[3] ایضاً ص ۶۶۱ نیز جیون لال غدر کے صبح و شام ص ۱۶۳

وہ یہ تھا کہ گائے کہیں ذبح نہیں کی جائے گی - ۹ رجولائی کو ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو گائے ذبح کروائے گا وہ توپ کے منہ سے اڑا یا جائے گا"

ظاہر ہے کہ ۹ رجولائی کو جس دستور کی پہلی دفعہ باقاعدہ نشر اور نافذ کر دی گئی تھی وہ دستور اُسی دن تو بہادر شاہ کو پیش نہیں ہوا ہوگا بہادر شاہ کے مطالعے، نقد و نظر، رد و کد، تذبذب و تامل اور اس کے مشیروں کے مشوروں کی ہفت خواں طے ہونے کے بعد اس کی بعض دفعات کے نشر و نفاذ کا فیصلہ ہوا ہوگا اور یہ بات تو بہادر شاہ سے متعلق تھی۔ جس شخص نے اُسے مرتب کیا تھا تو یہ سلطنت کا دستور تھا خطوطِ غالب نہیں تھے کہ بیٹھے اور لکھ مارا۔ مطالعہ فکر و مشورت کی جانے کن کن جاں کاہیوں کے بعد یہ تسوید و تبییض کی منزل سے گزرا ہوگا۔

بہرحال مولوی ذکاءُ اللہ کے دونوں مندرجہ بالا اقتباسات سے مولینا فضل حق کا جولائی سے بہت پہلے دہلی میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور حکیم احسن اللہ خاں اور مولوی ذکاءُ اللہ کے سابقہ اقتباسات سے مولینا کا ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے بھی ذکاءُ اللہ کے اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مولینا آغاز غدر کے فوراً بعد (شارٹ لی آفٹر دی آؤٹ بریک آف میوٹنی) دہلی آگئے تھے۔ ص ۳۸۹

مولینا نے ۲۶ جولائی کو فارسی میں ایک خط بنام مرزا مغل لکھا ہے جس میں مطالبہ کیا ہے کہ ان کی جنرل بخت خاں سے ملاقات میں جو گفتگو ہوئی ہے اس کی تفصیل سے مجھے (فضل حق) آگاہ کریں۔
میوٹنی پیپرس بکس ۱۰۰ نمبر ۹۶، ۲۶ جولائی) ڈاکٹر مہدی حسن ص ۳۹۱

اِن حقائق کے بعد اب آپ جناب مالک رام کا یہ فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

"غرض پورے حالات کو بہ نظرِ غائر مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مولینا فضل حق مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ انھوں نے اس سے پہلے لوگوں کو جو بھی تلقین کی ہو (اور اس کی طرف انھوں نے ایک جگہ اشارہ بھی کیا ہے) لیکن جب ہنگامہ شروع ہوا تو وہ عملاً اس سے الگ تھلگ رہے نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے نہ عملی لحاظ سے۔ انھوں نے نہ کوئی فتویٰ لکھا نہ تلوار اٹھائی۔"

سب سے پہلے تو آپ یہ سُن لیں کہ مالک رام صاحب نے یہ قطعی فیصلہ اپنے اس مضمون (تحریکِ دہلی جون ۱۹۶۰ء) میں صادر کیا ہے جس میں انھوں نے مولینا فضلِ حق کے مقدمہ کی مِسَل نیشنل آرکائیوز آف انڈیا سے حاصل کر کے اس کے مشمولات کا اردو ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ اس مِسل میں وہ فیصلہ بھی جو اسپیشل کمشنر نے مولینا کے

کے مقدمے کا دیا تھا۔ اس میں مولینا کی دہلی کی باغیانہ سرگرمیوں کا اس طرح ذکر کیا ہے:

"اس کی گرفتاری کے بعد دہلی سے اس کے پُرانے تعلقات کے باعث وہاں حکام سے بھی اس کے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو جوابات تحریر کیے ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی (باغیانہ) تھیں... وہ الور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ و دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔"

سقوطِ دہلی کے بعد اودھ میں مولینا تحریکِ جہاد میں جو حصّہ لیا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کمشنر لکھتا ہے:

"وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران میں بغاوت کا "سرغنہ" رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی .... اس نے بوندی کے مقام پر ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنے ممو خاں کی مجلسِ مشاورت میں "نمایاں حصّہ" لیا۔ اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کرنیکی ترغیب دی....."

اُس نے قرآن کی آیات پڑھیں اور اُن کے من مانے معنی کیے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کافر اور مرتد ہیں اور اس لئے شریعت کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے .... وہ باغیوں کی مجلس شوریٰ (پریوی کونسل) کا اہم "رکن" تھا .... یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیرانِ خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی "ارباب شوریٰ" کے نام سے شہرت تھی، بلکہ کبھی کبھی انھیں "کچہری پارلیمنٹ" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولینا) بہت ممتاز تھا ..... یہ تو ظاہر ہے کہ ملزم بہت قابل آدمی ہے، لیکن جس طرح اوپر بیان ہوا اس نے بے ایمانہ ہوس یا مذہبی تعصب کے باعث باغیوں سے اپنا رشتہ جوڑا اور ان کا مشیر بن گیا۔ وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لیے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے .... ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیئے اور اسے خاص طور ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیئے"

مالک رام صاحب جنھوں نے اپنے مضمون میں یہ فیصلہ عدالت

نقل کیا اور اس پر تنقید بھی نہیں کی، حیرت ہے کہ تحریکِ جہاد میں مولینا کی شرکت سے کلیتہً انکار کس طرح کر رہے ہیں؟

عدالت کے اس فیصلے کے علاوہ ہم مولینا کی شرکت کے ثبوت میں پانچ معاصرین کی شہادت پیش کرتے ہیں:

(۱) جیون لال کا گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے جو ۱۶ اگست ۲/۶/۷ ستمبر کو لال قلعے میں مولینا کو موجود پاتا ہے۔ ایک دن مولینا نے بادشاہ سے صورتِ حالات کے متعلق گفتگو کی۔ ایک دن مولینا نے بادشاہ کو یو پی میں مجاہدین کی سرگرمیوں کے متعلق اطلاع فراہم کی۔ ایک دن بادشاہ کے دربار میں تمام امرا ؤ رؤسا کے ساتھ مولینا بھی شریک ہوئے۔

(۲) ایک دوسرا معاصر عبداللطیف ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء کے روزنامچے میں لکھتا ہے[۱]:

"جب ہنگامہ برپا ہوا تو مولوی فضل حق آئے دربار میں حاضر ہوئے، نذر پیش کی، روپیہ صدقے اتارا۔ انھیں انتظام سنبھالنے کی خواہش تھی۔"

(۳) دورانِ غدر میں دہلی کے کوتوال سید مبارک شاہ کا بیان[۲] ہے کہ بحیث حال

---

[۱] سن ۱۸۵۷ تاریخی روزنامچہ مرتبہ خلیق احمد نظامی دہلی ص ۹۶ - [۲] انڈیا آفس منوسکرپٹس آف آر ایم ایڈورڈس ٹرانسلیشن آف سید مبارک شاہز نریٹیو آف سیز آف دی دہلی۔ بحوالہ دی گریٹ ریوولیوشن آف ۱۸۵۷ء از ڈاکٹر سید معین الحق ص ۱۸۲ کراچی ۱۹۶۸ء قاضی فیض اللہ کوتوال شہر کے مستعفی ہونے پر سید مبارک شاہ رامپوری کو کوتوال شہر مقرر کیا گیا اور آخر آخر غدر تک وہی رہا، عروج سلطنت انگلشیہ ص ۱۸۸

مولوی سرفراز علی اور مولانا فضلِ حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی گئی۔

(۴) انگریزوں کا ایک مخبر تراب علی یکم ستمبر ۵۷ء کے خفیہ خبرنامے میں برطانوی حکام کو مطلع کرتا ہے[۱] کہ باغیوں نے ایک انتظامی مجلس تشکیل دی ہے جس کا نام انھوں نے کوٹ (KOTE) (کذا) رکھا ہے اس کے ارکان میں جنرل غوث محمد خاں بریگیڈیر ہیرا سنگھ جنرل بخت خاں، محمد شفیع رسالدار، حیات محمد رسالدار، قادر بخش صوبیدار سفر مینا، نتھو صوبیدار، ہردت صوبیدار وغیرہ کے علاوہ ہر رجمنٹ کے ۵،۵ سپاہی بھی شامل ہیں اور

"MOLVI FAZLHAQ IS ALSO A MEMBER"

(مولوی فضل حق بھی اس کورٹ کے ایک رکن ہیں)

(۵) ایک اور نامور معاصر حکیم احسن اللہ خاں اپنی یادداشتوں[۲] میں لکھتے ہیں:

"دوسرے روز مولوی فضل حق آئے اور نذر پیش کی۔ وہ باغی فوج کی بڑے زور شور سے تعریف کر رہے تھے۔

---

[۱] موٹنی ریکارڈ کراسپنڈنس، لاہور ۱۹۱۱ء ص ۹ (مراسلہ ۲۷۹ ازجی سی بارنس کمشنر کلکٹر سیس ستلج بنام سیکریٹری چیف کمشنر پنجاب مورخہ ۳ ستمبر ۱۸۵۷ء

[۲] مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق ۱۹۵۸ء ص ۲۳

انھوں نے بادشاہ سے کہا اب وقت کا تقاضہ ہے کہ
باغیوں کو رقم اور سامانِ رسد کی مدد پہنچائی جائے، تاکہ
انھیں کچھ سہارا ہو۔ بادشاہ نے کہا رقم کہاں ہے؟ رہا
رسد کا تو وہ پہنچی تھی، مگر ناکافی تھی اور اس کی وجہ ان
باغیوں کا عوام کے ساتھ غلط رویّہ ہے۔ مولوی صاحب
نے کہا، حضور کے تمام ملازمین نا اہل ہیں۔ دُور اور قریب
کے تمام حکمرانوں سے رقم کا مطالبہ کرنے کی اجازت
دیجیے اور کسی ہوشیار آدمی کو رسد کی فراہمی پر مامور
کرنے دیجیے۔ میرے لڑکے (مولانا عبدالحق) اور دیگر
اعزہ تحصیل کا کام انجام دیں گے اور رسد بھی فراہم
کریں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا، آپ تو یہیں ہیں،
آپ انتظام سنبھالیے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا،
میرے بھتیجے اور دوسروں کو گوڑگانوہ کی تحصیلداری
اور کلکٹری کا پروانۂ تقرر جاری کیا جائے وہ سب
انتظام کرلیں گے اور الور، جھجر، بلّب گڑھ اور پٹیالہ
کے راجاؤں کے نام بھی (رقم کے مطالبے کے) پروانے
جاری کیجیے۔ پٹیالہ کا راجہ اگرچہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے
لیکن اگر دوستانہ مراسلت کی جائے تو وہ ساتھ آجائیگا۔
بادشاہ نے بتایا کہ پیرزادہ ابوالسّلام کی درخواست پر

پر بخت خاں نے راجہ پٹیالہ کو ایک پروانہ بھیج دیا ہے، مگر ابھی تک اِس کا جواب نہیں آیا۔ مولوی صاحب نے کہا میں اپنے بھائی (فضل عظیم) کو جو راجہ کے یہاں ملازم ہیں، لکھوں گا کہ وہ جلد جواب بھجوائیں۔

مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے ساتھ باہر (میدان میں) بھی نکلیں، فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر مُعاوضہ دیں ورنہ اگر انگریز جیت گئے صرف خاندان تیموریہ بلکہ تمام مسلمان نیست و نابُود ہو جائیں گے۔

تقریبًا یہی بات حکیم احسن اللہ نے بہادر شاہ کے مقدمے کے دوران عدالت میں شہادت دیتے ہوئے کہی تھی:[1]

"زمین داران گوڑ گانوہ نے بادشاہ کو ایک درخواست ارسال کی تھی جس میں بدنظمی کا ذکر کر کے التجا کی تھی کہ کوئی افسر نظم و نسق کے لئے مقرر کیا جائے۔ مولوی فضلِ حق نے جو الور سے آئے تھے، اپنے بھانجے کا (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر کر دیا جائے، کیوں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے دَورِ حکومت[2]

---

[1] بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۲۵۶/۲۵۷ [2] مولوی فیض الحق لکھا ہے۔

میں بھی وہ اس ضلع میں مقرر تھا۔ چنانچہ یہ شخص ضلع دار مقرر کیا گیا، مگر میں آگاہ نہیں ہوں کہ وہ گوڑ گانوہ گیا یا نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوالِ دہلی کے ۱۵/۲۰ روز قبل یہ تقرر ہوا تھا۔ مولوی فضل حق نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا گیا تھا۔"

انگریزوں کے جاسوس جیون لال نے اپنے روزنامچے میں اس تاریخ کا تعین کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے[۱]:

"۱۹/ اگست ۱۸۵۷ء .... عبدالحق خلف مولوی فضل حق اور مولوی فیض احمد لگان وصول کرنے کی غرض سے گوڑ گانوہ گئے۔"

یہ پانچوں معاصر شہادتیں ان کی دہلی کی باغیانہ سرگرمیوں میں شرکت سے متعلق تھیں۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں سقوطِ دہلی کے بعد مولینا نے دہلی کو بادیدۂ نم الوداع کہا اور اس کے بعد وہ جنوری ۱۸۵۹ء تک مسلسل دوسرے مجاہدین کے ساتھ اودھ میں سرگرمِ جہاد رہے، اس لئے اودھ کے معاصر حکام کی شہادت ملاحظہ ہو:

"اودھ کے چیف کمشنر کا سیکرٹری ہمیر پور کے کلکٹر کے

---

[۱] غدر کی صبح و شام دہلی ۱۹۲۶ء ص ۲۲۲

نام ۸ دسمبر ۱۸۵۸ء کو اپنے سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے[1]

"باغی بسواں میں، جو لکھنؤ سے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر ہے، شکست کھا کر ۵ دسمبر کو گنگا فرار ہو گئے ..... ان کی تعداد ۹۰۰ سوار، جن میں ۴۰۰ پوری طرح مسلّح ہیں اور باقی سپاہیوں کے پاس اسلحہ کافی نہیں ہے، ۳۰۰ پیدل وغیرہ تھے۔ ان میں سے ۱۰۰ عورتیں، ۶ ہاتھی، ایک توپ جس کا نام گروہ ہے۔ اس جماعت کے لیڈر فیروز شاہ شہزادہ دہلی، لکڑ شاہ، گلاب شاہ عرف پیر جی، محسن علی خاں ساکن منٹو شمس آباد فرخ آباد (جو خود کو یورپین ظاہر کرتا ہے) اور مولوی فضل حق سابق سررشتہ دار کمشنر دہلی جس کے بہت سے اعزہ اعلیٰ مناصب حکومت پر ہیں اور جس کا بھائی پٹیالہ میں راجہ ہری سنگھ کا ملازم ہے۔"

یہی سیکرٹری ۱۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری کے نام اپنے ایک سرکاری مراسلے میں[2] لکھتا ہے:

"مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت کو قیامِ امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے۔ فیروز شاہ

---

[1] فریڈم اسٹرگل اِن اتر پردیش حصّہ دوم ص۱۳۰ و حصّہ پنجم ص۸۱۰ لکھنؤ ۱۹۵۸ء (انگریزی) [2] فریڈم اسٹرگل ص۵۶۵

"نادر شاہ، مولوی فضل حق، جو ہماری حکومت کا دشمن ہے، حالانکہ حکومت نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کئے تھے"

لکھنؤ چیف کورٹ میں غدر سے متعلق بستہ (فائل) میں ٹھیک اسی دور کے ایک حاکم کا مراسلہ[1] ہے، جس میں محمدی (ضلع لکھم پور کھیری) کے قرب و جوار میں مولینا فضلِ حق اور ان کے رفقائے جہاد کی سرگرمیوں کے تجسس کی جو کوشش برطانوی حکام کر رہے تھے اس کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ:

"کچھ لوگ مولوی فضل حق کی صحیح خبر لانے کے لئے بھیجے گئے ہیں جو اپنے متبعین کے ساتھ شاہ آباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں"

معاصرین کے بعد اب قریب تر عہد کے مورخین کے حوالے بھی ملاحظہ ہوں۔ مولینا کی وفات کے صرف ۹ سال بعد مشہور انگریز مصنف ہنٹر اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے اس وقت کے صدر مدرس علامہ عبدالحق خیرآبادی فرزند علامہ فضل حق خیرآبادی کے متعلق لکھتا ہے[2]

"موجودہ ہیڈ مولوی اس عالمِ دین کے صاحبزادہ ہیں"

---

[1] فریڈم اسٹرگل ص ۵۱۸۔ [2] "ہمارے ہندوستانی مسلمان" ص ۲۰۲ مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین طبع دوم ۱۹۵۵ء لاہور

جن کو ۱۸۵۸ء کے غدر نے "نمایاں کر دیا تھا اور جنھوں نے
اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا تھا کہ بحرِ ہند کے
ایک جزیرے میں تمام عمر کے لئے جلا وطن کر دیئے جائیں
اس غدار عالمِ دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے
ضبط کر لیا تھا اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔"

مولوی ذکاء اللہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو سن ستاون میں ۲۵
سال کے تھے اور دہلی کی جنگِ آزادی کے عینی شاہدوں میں سے تھے
اور انھوں نے اس کے ۲۰/۲۵ سال بعد ہی اپنی تاریخ مرتب کی۔
ان کا بیان ہے کہ[1]

"اِن (مولانا) کو اِس "بغاوت" کے سبب سے جلا وطنی
کی سزا ملی تھی۔"

خود مولانا فضل حق نے اپنے عربی رسالے "غدریہ" میں جو واقعات
غدر پر ایک مستند و معتمد دستاویز بھی ہے۔ اگرچہ اپنی سرگرمیوں
کے متعلق از راہِ انکسار اور مدحِ خود سے احتراز کے پیشِ نظر یا ممکن ہے
اُس وقت کے مہیب و پُرخطر ماحول کے باعث بہت کم لکھا ہے، مگر
پھر بھی اتنا ضرور لکھ گئے ہیں کہ دہلی پہنچ کر

اشرت الی الناس بما (تحریکِ آزادی کے سلسلے میں) میری جو
اقتضی رائی وقضی بہ رائے تھی اور میری عقل کا جو فیصلہ تھا

---

[1] تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۷

عقلی فلم یات عروا بما | میں نے لوگوں کے سامنے رکھا مگر انھوں
اشرات ولم یات عروا | نے میری رائے اور میری ہدایت کو
بما امرت | نہ مانا۔

اسی طرح غدر ہی سے متعلق اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں انڈرمان سے لکھتے ہیں:

قد قمتُ ارجی القاعدین | میں (تھک کر) بیٹھ جانے والوں کو
الی الوغی | مسلسل ہمت دلاتا رہا۔

ضمیمہ ۱

عرضی رقم زدہ مولوی فضل حق صاحب

از طرف

رعایائے شہر درباب امتناع ٹیکس وغیرہ

حضرت جہاں پناہ! خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ۔ بعرض اقدس و اعلیٰ رمی رسانند برائے جہاں آرائے اقدس روشن و مبرہن است کہ رعایائے ایں ملک چہ ہنود وچہ مسلماں برخے ازاں ہا مزارعاں و کشتا ورزاں و اکثر روزگار پیشہ وبعض ازاں ہا تجار و اکثرے اہلِ حرفہ و بعض لاخراج دار و روزینہ دار وبعض دریوزہ گر بودہ اند و اکثرے از اہلِ اسلام وبعض ہنود اصل متوطن ایں جانیستند بلکہ بہمراہی حکام وسلاطین ترک اوطان خود ہا کردہ دریں (جا) توطن گزیدہ اند تا وقتے کہ ممالکت ہندوستان بقبضہ وتصرف سلاطین و راجگاں بود وجہ معیشت سکان ایں دیار ہیچ گونہ تنگی نکردہ بود کہ ہمگی وجوہ معاش کہ خدمات عمدہ وجہ روزگارِ سپاہ صرف بسکنہ ایں دیار اختصاص داشت ہر کس از سکنہ ہمیں ملک بقدر حوصلہ وفراخور لیاقت خود روزگارے در اہل مناصب یا در زمرۂ سپاہ یا در پیشہ تجارت یا در حرفہ میداشت از زمانے کہ عملداری سرکار انگریزی در مملکت ہندوستان

رسیده است بتدریج تنگی روزی وضیق معاش رفته رفته الحال بحدے
رسیده است کہ نوبت بجان وکارد باستخوان رسیده زیرا در سرکار
انگریزی ہمگی وجوہ معاش مفقود وابواب روزی مسدود شده اند
بجز معدودے چندیعنی چندکس در عملۂ عدالت دیوانی وکلکٹری و
فوجداری وپرمٹ وتھانہ وتحصیل بمشاہرۂ قلیل ملازم اند وپس از
تبدیل دفاتر وتغیر طرز نوشت وخواند کچہری ہا چنان تخیل می گردد کہ در
چندے این روزگار ہم نصیب این بےچارگان نہ خواہد ماند۔ این است
حال تنگی معاش روزگار سکان این دیار وحال تجار این است کہ سرکار
انگریزی ہمہ وجوہ تجارت خود اختیار نموده وہمگی اجناس از قسم پارچہ و
ریسمان وظروف واسپان وغیره دوّاب خود از ملک انگلستان وغیره بہم
رسانیده، در این ملک برائے فروش علی التواتر در ہر قریہ وبلده از بلاد
این ملک می آرد ومنفعتے برائے کسے از سکنۂ این دیار نمی گذارد۔ در این
جہت ہمہ تجار این دیار از پیشۂ خود دست بردار شدند وحال لاخراجیداران
اینست کہ ہمہ لاخراجی باوجود اینکہ در قوانین سنہ ۱۸۰۳ء وسنہ ۱۸۰۵ء
سرکار انگریزی عہد ومیثاق نوشتہ اند کہ ہر اراضی لاخراجی کہ پیش از
غرۂ جنوری سنہ ۱۸۰۱ء وغرۂ جنوری ۱۸۰۳ء بقبض وتصرف لاخراجیدار
خواہد بود، گو سند باشد یا نہ یا واہب آن اختیار عطا داشتہ باشد یا نہ گاہے
بضبطی نہ خواہد آمد الحال بلاہیچ تحقیقات وبلاتامل در ہر یک ضلع
ضبط شده می شود حالا از وجہ معیشت لاخراجیداران بالمرہ مسدود شد

است در روزے کہ یک قلم در ہمہ اضلاع موقوف شدہ است ایں وجہ معیشت ہم باقی نماندہ، و حال مزارعاں و کشاورزاں اینست کہ براں ہا آں چناں جمع خراج مقرر شدہ است کہ دراں حالتے و استطاعتے باقی نماندہ است، و حال بے استطاعتی و بے مقدوری آنہا خود از دفاتر کلکٹری ظاہر و ہرگاہے کہ برائے ایں سکان ایں دیار وجہ معیشت باقی نہ ماند اہل حرفہ چہ کار برائے کدام کس تواند کہ بذریعہ آں برائے خود کسب معیشت تواند نمود ہرگاہے کہ ہمگی خلائق از معیشت خود تنگ باشد بدریوزہ گر کدام کس تواند داد؟ ایں ہمہ حالات اجمالی تنگی معاش جملہ رعایائے ہندوستان ست۔

وحال تنگی معاش رعایائے علاقہ شاہ جہاں آباد مجملاً اینست کہ در ابتدائے عمل سرکار انگریزی پرگنہ ہوڈل و پلول و ہتین و نجف گڈھ و سالکہ و فیروز آباد و ڈیگ و پوناہانہ و سانگرس و بجنور و سونی پت و گوہانہ و جرسٹہ و کھرکھودہ و روہتک و مہم و ہانسی و حصار وغیرہ پرگنات در جاگیر بودند و در سرکارات جاگیرداران ایں ہمہ پرگنات ہزارہا کسان در ہر کار و در فوج و شاگرد پیشہ ملازم بودند و اکثر دیہات در و بست و اراضیات لاخراجی متصرفہ در معافی بودند، ایں ہمہ پرگنہ و دیہات و اراضیات بحیطۂ ضبطی درآمدند و معیشت لکوکہ کسان بالمرہ موقوف شدہ حالا در تمام عالم روزگار ہمچو عنقا ناپدید است و بسہا دبے چارگاں از مسدودی روزینہ و ضبطی املاک مدار

بر سر بر داوقات خود با بر چرخہ زنی و ریسمان فروشی و آسیا سائی می داشتند بسبب ایں کہ سرکار تجارت ریسمان اختیار کردہ و آسیا ہائے آبی نصب نمودہ است ایں وجہ معیشت آنہا بالمرہ مسدود گردید، و ہم چنیں ایں حرفہ دو دکان داراں و ساہوکاراں (بہ سبب بضاعتی خلائق از انتفاع مایوس گشتہ سرمایۂ کہ داشتند بصرف خورد و نوش در آوردہ اند باایں ہمہ تنگی ہا از عدش مسٹر چارلس مٹکاف صاحب بہادر مصادرۂ ادائے زر چوکیداری بر ما بے چارگاں چار و ناچار کہ حکم حاکم مرگ مفاجات است، دادن مصادرہ باوصف آں کہ گاہے از عہد سلاطین و حکام سلف علت آں ندا شتیم بذمۂ خود نہادہ تا حال کردہ ماندیم حالا چند روز ست کہ صاحب مجسٹریٹ حال در ہر کوچہ و برزن و بازار بہ تعمیر پھاٹک ہائے قدیم و جدید کہ ہیچ یک فائدہ براں مترتب نیست و گاہے مترتب نخواہد شد حکم داد ند ما غربا جبراً و کرہاً تکالیف فاقہ کشی و بیع و رہن اسباب خورد و نوش برداشتہ بصرف ہزارہا روپیہ تعمیل حکم نمودیم و تکالیف ہر روزہ (کہ) از مسدود ماندن دروازہائے نو تعمیر و غماض چوکیداران ہر یک محلہ، در بست و کشاد آں عائد حال ما یان می شود بہ خود گوارا می نمائیم۔ الحال علاوہ ازیں خبر صاحب مجسٹریٹ حال حکم نقرر ہیچ ہیچ کس پنجاں در کوچہ و محلہ ...''

(نوائے ادب جولائی
سنہ ۱۹۶۲ع)

ضمیمہ ۲

قواعد و ضوابط کورٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از آنجا کہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بد انتظامیِ طریقہ فوجی اور ملکی کے مقرر ہونا دستور العمل کا واجب اور مناسب اور واسطے عمل در آمد دستور العمل کے اوّلاً معین ہونا کورٹ کا ضروری ہے۔ اس لئے حسبِ ذیل قواعد لکھے جاتے ہیں:

۱۔ ایک کورٹ قائم کی جائے اور اس کا نام کورٹ ایڈمنسٹریشن بمعنی جلسۂ انتظام فوجی و ملکی رکھا جائے۔

۲۔ اِس جلسے میں دس آدمی مقرر کیے جائیں، اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی ہوں اور جنگیوں میں ۲ دو شخص پلٹن پیادگان سے اور دو شخص رسالہ ہائے سواراں سے اور ۲ دو سررشتہ توپ خانہ سے منتخب کئے جائیں اور ملکی چار شخص۔

۳۔ ان دس شخصوں سے ایک شخص بالتفاق غلبہ آرائے پریسیڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص وائس پریسیڈنٹ یعنی نائب

صدر جلسہ مقرر ہو اور رائی صدر جلسہ کی برابر دو رائے کے قرار پاوے گی اور ہر ایک سررشتہ میں بقدر ضرورت سکتر مقرر کئے جائیں اور پانچ گھنٹے ہر روز (؟) جلسہ کورٹ کا....

۴۔ ان شخصوں کے مقرر ہونے کے وقت حلف ان باتوں کا لیا جائے کہ کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا رُو رعایت کمال جانفشانی سے اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے اور کوئی دقیقہ دقائق متعلقۂ انتظام سے فروگذاشت نہ کریں گے اور حیلۃً اور صراحتاً اخذ اجر یا رعایت کسی طرح کی کسی لحاظ سے وقت تجویز امور انتظام کورٹ میں نہ کریں گے، بلکہ ہمیشہ ساعی اور سرگرم ایسے انتظام امورات سلطنت میں مصروف رہیں گے کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاہ اور آسائش رعیت ہو اور کسی امرِ مجوزہ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب عالم قبل اجرائے اوس کے صراحتاً یا کنایتاً کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

۵ ۔ انتخاب اشخاص کورٹ کا اس طریقے سے کہ غلبۂ آرائے سے دو دو شخص پلٹن پیادگان اور رسالہ ہائے سواران سے اور سررشتہ توپ خانہ جنگی سے جو قدیم الخدمت اور ہوشیار اور واقف کار اور لائق و عقیل ہو کئے جاویں اور اگر کوئی شخص ہوشیار، بہت عقیل و فہیم اور لائقِ انصرام کار

کورٹ ہو اور شرط قدیم الخدمتی اوس میں نہ پائی جائے تو یہ ایک
امر خاص ان صورتوں میں مانع تقرر ایسے شخص کا نہ ہوگا اور
اسی طرح تقرر چار شخص ملکی کا بھی عمل میں آدے گا، بعد مقرر
ہونے دس شخصوں کے اگر کوئی شخص جلسۂ انتظام کورٹ میں
رائے اپنی کسی امر میں ایسی خلاف دیانت اور امانت اور
محمول اوپر رعایت کسی کے ہووے گا تو . . . . کامل غلبہ آرائے
کورٹ سے وہ شخص موقوف کیا جاوے گا اور دوسرا شخص
حسب قاعدہ پانچویں ...[1] اوس کے انتخاب ہوگا۔
جو امورات انتظام کے پیش آویں اوّل تجویز ان کی کورٹ
میں ہوگی ———— اور بعد منظوری صاحب عالم بہادر
کے اطلاع رائے کورٹ سے حضور والا میں ہوتی رہے گی۔
۷۔ بعد مرتب ہونے رائے غلبہ آرائے جلسۂ کورٹ سے واسطے
منظوری کے پیش گاہ حضور صاحب عالم بہادر میں پیش ہونگے
اور کورٹ ماتحت حکومت صاحب عالم بہادر ممدوح کے
رہے گی اور کوئی امر امور انتظامی، جنگی و ملکی کے تجویز کورٹ
اور بلا منظوری صاحب عالم محتشم الیہ اور بلا اطلاع حضور
والا قابل اجرائی نہ ہوگا اور در صورت اختلاف رائے
صاحب عالم بہادر بعد تجویز ثانی کورٹ وہ رائے بحالت

---

[1] بمقام

اختلاف بوساطت صاحب منظم الیہ پیش گاہ حضور ظلِ سبحانی میں پیش ہو اور اس میں حکم حضور کا ناطق ہوگا۔

۸۔ کورٹ میں سوائے اشخاص مقرّرہ جلسہ کے بجز صاحب عالم بہادر اور حضرت ظلِ سبحانی کوئی شخص شریکِ جلسہ اور حاضر نہ ہوگا اور جب اشخاص معینہ کورٹ میں سے بعذر قوی لائقِ پذیرائی ایک شخص اپنے زمرہ مقرر سے حاضر جلسۂ کورٹ نہ ہو سکے تو رائے غلبہ آرائے اشخاص مابقی حاضرین جلسۂ کورٹ کے بمنزلہ رائے غلبہ رائے کل جلسۂ کورٹ کے متصوّر ہوگی۔

۹۔ جب کوئی شخص کورٹ میں سے بنسبت کسی امر کے رائے اپنی پیش کرنی چاہے تو اوّلاً اتفاق ایک رائے دوسرے شخص کا پہلے کر کے اس وقت رائے اپنی متفق علیہ ۲ دو شخص کورٹ میں پیش کرے۔

۱۰۔ جس وقت کوئی امر کورٹ میں موافق قاعدنویں کے پیش ہو اوّل پیش کرنے والا تقریر اپنی کورٹ میں بیان کرے اور جب تک بیان اس کا تمام نہ ہو کوئی شخص اس میں دخل نہ کرے۔ اہلِ کورٹ میں سے اگر کسی کو کچھ اعتراض ہو تو وہ پہلے اپنا اعتراض ظاہر کرے "ناتمام ہونے اوس کے بھی کوئی دخل نہ دے اگر معترض پر کوئی تیسرا شخص تقریر درباب اصلاح یا ترمیم

کسی طرح کی کمی بیشی کے ساتھ پیش لاوے اور مابقی اہل کورٹ
کو سکوت ہو تو ہر ایک اہل کورٹ اپنی اپنی رائے علیحدہ
لکھے، بعد ملاحظہ موافق قاعدہ آٹھویں کے غلبۂ آراء پر عمل ہوگا
اور بعد منظوری ہر ایک سررشتہ کے سکریٹر کے پاس بھیجی جاوے۔

۱۱۔ ہر ایک سررشتۂ فوج کے جو اشخاص حسب قاعدہ دوسرے کے
منتخب کیے جاویں گے وہی اشخاص اس سررشتہ کے منتظم اور
منصرم مقرر کیے جاویں اور ان کے تحت میں چار آدمی کی
کمیٹی حسب طریقہ قاعدہ چوتھے کے قرار پاوے اور بقدر
ضرورت اُسے اس کمیٹی میں بھی سکرٹر مقرر ہوں اور جو رائے
اس کمیٹی میں غلبہ آرا سے مرتب ہوئے وہ رائے بذریعہ ان
شخصوں افسر کمیٹی کے کورٹ میں پیش کی جاوے اور کورٹ
سے موافق قاعدہ ساتویں کے عمل میں آوے اور یہی طریقہ ہر
ایک سررشتہ فوجی اور ملکی میں مرعی کیا جاوے۔

۱۲۔ ہر وقت بمقتضائے مصلحت کورٹ کو اصلاح اور ترمیم
قواعد دستور العمل ہٰذا کا غلبۂ آرا سے اختیار دیا جاوے۔"

منقول از عکس مطبوعہ مقابل ص ۱۸۲ "بہادر شاہ دوم" از ڈاکٹر مہدی حسین
(نیز ڈاکٹر سین کی "۱۸۵۷" کے مقابل ص ۴۲ اور میوٹنی پیپر کے ص ۳۶
بکس نمبر ۱۴۱-۵۴۱-۵۳۹

مآخذ

اُردو فارسی:

بہادر شاہ کا مقدمہ بار اول ۱۹۲۰ء دہلی
غدر کی صبح و شام بار اول ۱۹۲۶ء دہلی
غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط بار اول ۱۹۱۹ء
غدر کا نتیجہ (نصرت نامۂ گورنمنٹ) بار اول ۱۹۳۰ء
ہندوستانی مسلمان، از مسٹر صادق حسین بار سوم ۱۹۵۵ء لاہور
غدر کا تاریخی روزنامچہ (عبدُاللطیف) مرتبہ خلیق احمد نظامی
داستانِ غدر ظہیر دہلوی
تاریخ عروج عہدِ سلطنت انگلشیہ ذکاءُ اللہ بار اول ۱۹۰۴ء
جنگِ آزادی از خورشید مصطفیٰ اول ۱۹۵۹ء دہلی (مکتبۂ بُرہان)
بیاض علامہ فضل حق خیر آبادی مملوکۂ حکیم مولوی نصیر الدین ندوی
رسالۂ غدریہ، علامہ فضل حق
حسرۃ العلما بوفات شمسُ العلما مولینا سید برکات احمد
حیاتِ طیبہ، مرزا حیرت طبع ۱۹۵۸ء لاہور
سبد باغ دو در مرزا غالب
کلیاتِ مومن
ماہنامہ تحریکِ دہلی اگست ۱۹۵۷ء و جون ۱۹۶۰ء
کلیاتِ نثر غالب

سہ ماہی نوائے ادب بمبئی جلد ۱۳ شمارہ ۳ر جولائی ۱۹۶۲ء
قیصر التواریخ جلد دوم از سید کمال الدین حیدر مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۹۰۷ء

انگریزی

* FREEDOM STRUGGLE IN UTTER PERDESH ED. BY A. A. RIZVI. LUCKNOW. 1958-1959.
* BAHADUR SHAH II. MEHDI HUSSAIN. DELHI. 1958.
* HISTORY OF THE INDIAN MUTINY. SIR JOHN KAVE MALLESON. LONDON. 1897-99.
* THE SEPOY MUTINY AND REVOLT OF 1857. R. C. MAJUMDAR. CULCUTTA. 1957.
* MUTINY RECORDS CORRESPONDENCE. LAHORE. 1911.
* PRESS LIST OF MUTINY PAPERS 1857. CALCUTTA. 1921.
* PRESS LIST OF MUTINY PAPERS 1857-58. LAHORE. 1925. (Correspondence and Reports)
* TWILIGHT OF THE MUGHALS. P. SPAEAR. LONDON.
* THE GREAT REVOLUTION OF 1857. S. MOINUL HUQ. KARACHI. 1968.
* MEMOIRS OF HAKIM AHSANULLAH KHAN. KARACHI. 1958.
* THE DICTIONARY OF INDIAN BIOGRAPHIES. 1906.

"1857" by DR. SIN.

-O-O-O-O-O-O-

مولینا خیر آبادی کی زندگی کے سلسلے میں

چند اغلاط کی تصحیح

دوسرے اعاظم رجال کی طرح مولینا فضل حق خیر آبادی بھی ابتدا ہی سے مختلف و متعدد "اغلاط" کا ہدف رہے ہیں اور ان اغلاط کی ایک خاص گروہ بڑے اہتمام سے بار بار دہراتا رہا۔ ہم مولینا فضل حق کے پرستار نہیں ہیں، ان کو خطا اور نسیان سے مبرا نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کسی بڑے سے بڑے پاک باز میں کوئی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہو مگر ایک مورخ کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ ہے کہ اُس کے محاسنِ اخلاق کے ساتھ معائب کا بھی ذکر ناگزیر سمجھتے ہیں تو سنداً اور حوالے کے ساتھ کریں ہے بے بنیاد بات، الزام، گپ اور افواہ کی قلعی بالآخر کھل کر رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص تو اپنی مظلومیت کی بنا پر ہمدردیوں کا مستحق بن جاتا ہے اور مورخ کی تحریر پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے

اور اس کا بھرم باقی نہیں رہتا۔

مولٰینا فضلِ حق کے متعلق غلط بیانیاں زیادہ تر ایک خاص گروہ کے حضرات نے کی ہیں جس نے بھی شاہ اسمٰعیل شہید کے سوانح کو موضوع بنایا اس نے شاہ صاحب کی مدح کے ساتھ مولینا کی قدح کو بھی لازمی قرار دیا۔ مولینا کا جرم صرف یہ تھا کہ جب شاہ اسمٰعیل نے ۱۸۱۸ء میں امام معیّن کی تقلید ترک کر کے "تمسک بالکتاب والسُنۃ" کا (بزعم خود) پرچم بلند کیا اور "تقویت الایمان" کے نام سے اُردو میں ایک رسالہ لکھا جس کا نہ صرف انداز بیان حُسنِ ادب سے عاری تھا، بلکہ جمہور امّت کے عقائد کے برعکس شفاعت کا انکار بھی کیا تھا اور نظیر نبی (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم) کے امتناع کا بھی انکار تھا تو دہلی کے دینی حلقوں میں ہلچل مچ گئی اور وقت کے علما، جن میں اکثریت ولی اللٰہی علما کی تھی سخت برہم ہوئے، مگر چوں کہ شاہ اسمٰعیل شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبد العزیز کے بھتیجے تھے، اس لئے کسی کو حرفِ اختلاف زبان پر لانے کی جرائت نہ ہوتی تھی۔ اس نازک لمحہ میں مولٰینا فضلِ حق نے جرات سے کام لے کر امتناع النظیر کے مسئلے پر شاہ اسمٰعیل کے جواب میں ایک رسالہ تالیف فرمایا اور پھر "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس پر علمائے عصر اور خانوادۂ ولی اللٰہی سے وابستہ علما کے بھی دستخط تھے۔ مولٰینا کے اس اقدام نے دوسرے علما کی بھی

ہمت افزائی کی اور وہ میدان میں آگئے۔ ابتداءً نجی گفتگوؤں تک بات محدود رہی، مگر شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) کے فوراً دہلی کی جامع شاہ جہانی میں ایک تاریخی مجلس مناظرہ منعقد ہوئی جس میں ایک طرف شاہ اسمٰعیل کے اعوان و انصار تھے دوسری طرف باقی علمائے حق پرست۔ شاہ اسمٰعیل تو دورانِ مناظرہ برہم ہو کر چل دیئے، مولوی عبدالحی بڈھانوی نے بھی اٹھنا چاہا، مگر نہ اُٹھ سکے اور آخر میں انھیں کئی باتوں کو تسلیم کرنا پڑا اور لکھ کر دینا پڑا۔

مولینا فضلِ حق کا یہ وہ جرم ہے جو آجتک معاف نہیں کیا گیا اور ان کی تخفیف شان، تفسیق و تضلیل کا کوئی موقع اب بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ اور صرف مولینا فضلِ حق ہی تک بات محدود نہیں رہی، مولینا کے تمام وابستگانِ داماں اور اصحاب سلسلہ اس انتقام کا شکار ہیں۔ مولینا کے فرزند علامہ عبدالحق ان کے تلامذہ خصوصاً مولینا سید برکات احمد پر اتہامات ایسے ایسے ثقہ اور متدین اور داعی الی اللہ بزرگوں نے لگائے ہیں کہ انسان متحیر ہو ہو جاتا ہے میں ان اتہامات کا جائزہ "حیات عبدالحی پر ایک نظر" کے عنوان سے ایک مضمون میں لے چکا ہوں (العلم کراچی اپریل۔جون ۱۹۷۲ء) اس وقت صرف اُن کرم فرمائیوں کا جائزہ لینا مقصود ہے جو مولینا فضلِ حق کی ذاتِ گرامی پر روا رکھی گئیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام نواب صدیق حسن خاں

کا ہے۔ پہلے آپ مولانا صدیق حسن خاں کا ایک جملہ سن لیں۔ مولوی محسن ترہتی نے اپنی کتاب "الیانع الجنی" میں شاہ اسمٰعیل کی تقویت الایمان پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اس کے بعض حصوں میں عسل و تمر کی سی حلاوت ہے اور بعض میں حنظل کی سی تلخی ——— اس پر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی محسن کے اس تبصرے کا راز یہ ہے کہ وہ مولانا فضل حق کے شاگرد ہیں اور

فانه اول من قام بصدده وتصدی لرده فی رسائله التی لیست علیها اثارة من الکتاب والسنة [1] ......

مولانا فضل حق وہ پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے شاہ صاحب سے اختلاف کیا اور اپنے ان رسائل میں شاہ صاحب کا رد کیا جس میں علم کتاب و سنت کا کوئی اثر و نشان نہیں ہے۔

نواب صاحب کے اِس جملے سے آپ کو ہماری اس بات کی تصدیق ہوگئی ہوگی کہ مولانا سے کد صرف اس لئے ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کے رد میں پہل کی تھی۔ پھر آپ نے انداز فکر بھی دیکھ لیا کہ ایک انصاف پسند نے تقویت پر ایک درمیانی سی بات لکھ دی تھی کہ اس میں حلاوت بھی ہے اور تلخی بھی تو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور اس کو مولانا فضلِ حق کے تلمذ کے اثرات پر محمول کیا۔

نواب صاحب نے مولانا کے متعلق فرمایا ہے

---

[1] ابجد العلوم بحوالہ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۵۹

کان زیہ زی الامراء | ان کی سج دھج علما کی سی نہیں تھی
دون العلماء | امرا کی سی تھی۔

ہم نے نواب صاحب کے اِس جملے کو اس لئے اہمیت دی ہے کہ یہ حضرات اس بات کو بار بار دہراتے ہیں۔ مرزا حیرت نے بھی یہی لکھا ہے اور مولوی سید عبدالحئیؒ نے بھی اس کی تکرار کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ بات کسی نے بھی واضح نہیں کی کہ زی[1] علما اور زی امرا کا کیا مطلب ہے؟ اور ان دونوں میں بنیادی فرق کیا ہے؟ اگر ان حضرات کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیر شرعی لباس پہنتے تھے تو صاف صاف لکھنا چاہیئے تھا کہ ہم شرعی لباس کا مطلب پوچھتے کیونکہ شریعت نے تو کچھ اصول اور کچھ حدود مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے بعد آزادی دی ہے۔ ہاں قدامت پسند علمائے ہند بے شک اِس باب میں متشدد رہے، مگر اُن کے بھی معیار بدلتے رہے۔ پوشش سر کے سلسلے میں صافے کو شرعی لباس سمجھا جاتا اور علما کے لئے لازمی تصور کیا جاتا تھا، مگر مولینا ابوالکلام نے کبھی صافے کا تکلّف روا نہیں رکھا۔ وہ اپنی مخصوص (غیر عالمانہ) ٹوپی پہنتے تھے اور بڑے بڑے علما اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے اور پھر انقلاب آیا تو دیوبند کے مشاہیر علما کو ہم نے گاندھی کیپ بر سر بھی دیکھا۔ یہی حال پاجامے کا ہے۔ ایک دور وہ بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک خاص قسم کی شلوار کو

---

[1] زی = وضع قطع، سج دھج

شرعی پاجامہ کہا جاتا تھا اور علی گڑھ کاٹ پاجامہ علما کے لئے معیوب و ممنوع تھا، لیکن بتدریج وہ بھی رائج ہوگیا۔ اسی صدی کے آغاز میں انگرکھے کی جگہ اچکن یا شیروانی پہننے والوں کو فیشن ایبل کہا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہم تو زی امرا اور زی علما کے فرق سے واقف نہیں ہیں۔

اگر زی امرا سے ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دولتِ علم کے ساتھ دولتِ دنیا سے بھی بہرہ مند ہونے کی بنا پر تحدیث نعت کرتا ہے اور شایانِ شان لباس پہنتا ہے تو یہ فرمایا جائے کہ یہ کس امام کے نزدیک حرام ہے؟ ہم نے امام الائمہ ابوحنیفہ، امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ وغیرہ متعدد اکابر و ائمہ کے متعلق پڑھا ہے کہ وہ نہ صرف صاف ستھرا بلکہ اعلیٰ درجے کا لباس پہنتے تھے۔ خود نواب صدیق حسن خاں کے متعلق متعدد ثقہ حضرات سے لباس کے اہتمام اور غیر شرعی اسباب زینت پر توجہ کے متعلق سنا ہے اور ان کی جو تصویر نظر سے گزری ہے اس میں وہ زی علما کے بجائے زی امرا میں نظر آتے ہیں ۔۔۔

- -

- - - - اور شاہ اسماعیل کے لباس کے متعلق تو جعفر تھانیسری نے لکھا ہے کہ وہ ہمہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ گلے میں الخالک اور چست پاجامہ، سر پر پیچیدہ عمامہ اور گلے میں تلوار حمائل کئے رہتے تھے۔

ع ۱ے سوانح احمدی طبع کراچی ص ۱۳۱

دوسری بات نواب صاحب نے یہ فرمائی ہے کہ [1]

وکان بینہ وبین استاذی العلامۃ محمد صدر الدین خان الدھلوی بھا مودۃ اکیدۃ ومحبۃ شدیدۃ لانھما کانا شریکین فی الاشغال علی استاد واحد وعلی ابیہ الفاضل فضل امام ومع ذلک یسخط استاذی علیہ فی بعض امورہ منھا ردہ علی الشیخ الحافظ الواعظ المحدث الاصولی الحاج الغازی الشھید محمد اسماعیل الدھلوی و یقول لا ارضی منک ولیس ھذا ابعشک

مولینا فضل حق اور میرے استاد علامہ محمد صدر الدین خاں دہلوی کے درمیان بڑی دوستی اور محبت تھی، اس لئے کہ دونوں ایک استاد کے شاگرد تھے اور مولینا فضل حق کے فاضل والد (مولینا) فضل امام کے بھی دونوں شاگرد تھے، مگر اس کے باوجود میرے اُستاد مولینا فضل حق کو انکے بعض کاموں پر برا بھلا کہا کرتے تھے، اُن میں سے ایک یہ تھا کہ مولینا فضل حق نے حضرت حافظ واعظ محدث اصولی حاجی غازی شہید محمد اسماعیل دہلوی کا رَد کیا تھا۔ استاد اُن سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری اس بات سے خوش نہیں ہوں اور یہ تمھیں زیب نہیں دیتی۔

ایک دوست کا دوسرے کو ٹوکنا تو کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مولینا آزردہ تو مولینا فضل حق کو

---

[1] ابجد العلوم بحوالہ نزہتہ الخواطر، الجزء السابع، ص ۲۷۶

اس بات پر بُرا بھلا کہیں کہ انھوں نے شاہ اسماعیل کا رد کیا تھا جب کہ

(۱) خود وہ شاہ اسماعیل کے خیالات سے متفق نہیں تھے اور بقول مولینا فضل رسول انھوں نے شاہ صاحب کو سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا تھا۔

(۲) مولینا آزردہ یقین یوم میلاد کے قائل تھے۔

(۳) مولینا قیام فی المیلاد کو بھی مستحسن جانتے تھے۔

(۴) "منتہی المقال" میں بھی وہ وہابی نقطۂ نظر کے خلاف گئے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ وہابیہ کا رد کیا ہے۔

(۵) امتناع نظیر کے باب میں بھی ان کا ایک قلمی رسالہ میرے کتبخانہ میں ہے، وہ اس میں بھی شاہ صاحب سے کلیتہً متفق نہیں تھے۔

اِن حقائق کی موجودگی میں مَیں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ نواب صاحب کا اپنے اُستاد پر افترا ہے کہ وہ مولینا فضل حق سے اِس لئے ناراض تھے کہ انھوں نے شاہ صاحب کا رد کیا تھا اور مولینا فضلِ حق کے سلسلے میں لوگوں کو بدگمان کرنے کی ناکام کوشش ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہی نواب صاحب جو رد وہابیت پر مولینا فضلِ حق سے اس درجہ برہم تھے، خود وہابیہ خصوصًا وہابیۂ ہند سے مسلسل اظہارِ برأت کرتے رہے اور بقول مولینا مسعود عالم ندوی[۱] "اہل نجد کی بھی کوئی برائی نہیں ہے جو انھوں نے اپنی

---

[۱] معارف اعظم گڈھ جلد ۵۱ شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۳ء

کتابوں میں نہ کی ہو . . . . کچھ یہی حال اہل صادق پور
(شاہ اسماعیل کے متبعین و مقلدین) کے ساتھ ہے"۔

اور اس تبرّا کی توجیہہ مولانا نے یہ کی ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کے خوف سے خود کو وہابیانِ ہند سے بے تعلق دکھانا چاہتے تھے ورنہ دل سے نجد کی دعوت توحید کے معترف وثنا خواں تھے۔ مولانا ندوی نے توقع ظاہر کی ہے کہ

"جو لوگ ان کی زندگی کی الجھنوں سے واقف ہیں وہ
انھیں معذور رکھیں گے"۔ [1]

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ نواب صاحب نے اپنی منقولہ بالا عربی تحریر میں شاہ اسماعیل کو غازی و شہید لکھا ہے، مگر اپنی کتاب ترجمان وہابیہ میں شاہ اسماعیل کے دامن سے ترغیبِ جہاد کے داغ دور کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "انھوں نے اپنی کسی کتاب میں مسئلہ جہاد کا نہیں لکھا" [2] اور شاہ اسماعیل سے عقیدت اور ان کی اتباع سے تبری کی ہے [3] اور پوری کتاب میں کسی ایک جگہ بھی شاہ اسماعیل کے نام کے ساتھ شہید کا لفظ نہیں لکھا اور بتکرار لکھا ہے کہ غدر میں انگریزوں کے خلاف جو بھی ہنگامہ آرائی ہوئی اور فتوے لکھے گئے وہ سب مقلدین اور احناف کی شرارت تھی، وہابی اور اہلِ حدیث کا

---

[1] معارف اعظم گڈھ، جلد ۵۱ شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۳ء [2] ترجمان وہابیہ ص ۱۱، ص ۵۰، ص ۵۴، مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ [3] ایضاً ص ۱۲ وص ۵۱

دامن اس بغاوت میں شرکت سے بالکل پاک ہے[1]

(۲)

منشی محمد جعفر تھانیسری سوانح احمدی میں لکھتے ہیں[2]:

"مولوی فضلِ حق معقولی خیرآبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر کے سررشتہ دار اور علمِ منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنیوالے تھے، مولانا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چناں چہ کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلے پر کہ "اللہ رب العزت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سا دوسرا پیدا کر دینے پر قادر ہے" انھوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ "اللہ رب العزت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا دوسرا پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں"۔ اس کے جواب میں مولانا (اسماعیل) نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی مدلل لکھا ہے.... اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس خوبی سے آپ نے مخالفوں کا منہ بند کیا ہے"

مخالفین کا منھ تو بند نہیں ہوا، دین میں جو فتنہ پیدا ہو گیا اور قلب امت میں قادیانیت کا جو ناصور پیدا ہو گیا اس کا علاج منظر

[1] ترجمان وہابیہ ص ۲۵ و مابعد

[2] طبع کراچی سنہ ۱۹۶۸ء ص ۳۰۴

نہیں آتا۔

شاہ اسماعیل کی اِس تحریر پر مولینا فضل حق نے یہ اعتراض کیا تھا کہ نظیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امکان تسلیم کر لینے سے ختمِ نبوت کا انکار لازم آتا ہے، مگر شاہ صاحب کو اپنی بات پر اصرار رہا اور پھر ان کی حمایت میں مولوی حیدر علی رام پوری نے ان سے بھی بڑھ کر بات کہی کہ حضور اکرمؐ ممکن ہے ان (ہمارے) ارض و سما کے خاتم النبیین ہوں اور وہ مفروض مثیلِ خاتم النبیین کسی دوسرے ارض و سما اور کسی اور دنیا کا خاتم النبیین ہو[1]" ان حضرات نے اثر ابن عباس سے استدلال کیا جو ایک موضوع روایت اور از قبیلِ اسرائیلیات ہے۔ اس روایت میں سات زمینوں کے وجود اور ان ساتوں زمینوں میں ہماری زمین کے انبیا اور خاتم النبیین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی طرح الگ الگ ہر زمین میں دوسرے انبیا اور خاتم النبیین کا ذکر ہے، گویا اس طرح یہ حضرات امکان نظیر کے اثبات کی دُھن میں سات زمینوں کے سات خاتم النبیین ثابت کرنے پر تل گئے اور اس طرح نا دانستہ ہی انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی اور مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ نبوت کا ادعا[2] کرے، چنانچہ مرزا کے خلیفہ مرزا بشیر احمد نے مولینا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی (جو اثر ابن عباس

---

[1] صیانۃ الناس من وسوسۃ الخناس بحوالہ امتناع النظیر ص۱۵۶۔ [2]

مولینا محمد قاسم نے ۱۸۷۳ء میں رسالہ تحذیر الناس لکھا اور ۱۸۸۰ء میں مرزا نے اپنے ملہم اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

کی صحت کے حق میں ہے) ایک عبارت نقل کر کے لکھا ہے ہے[1]

"اہلِ بصیرت کے نزدیک، اِس شہادت کو خاص وزن حاصِل ہونا چاہیئے۔ یہ شہادت مدرستہ العلوم دیوبند کے نامور بانی حضرت مولوی محمد قاسم صاحِب نانوتوی (ف ۱۸۸۹ء) کی ہے۔"

مختصر یہ ہے کہ شاہ اِسماعیل کے غیر محتاط اندازِ بیان اور ایک خاص گروہ کے علما کی طرف سے ان کی بے جا اور ناحق حمایت نے ایک ایسے فتنے کو سر اٹھانے اور پنپنے کا موقع دیا جو ۹۵ سال سے امت کے لئے دردِ سر بلکہ دردِ جگر بنا ہوا ہے۔ مولینا فضلِ حق کی فراست نے بر محل اس فتنے کا سدِ باب کرنا چاہا تھا اور شاہ اسماعیل کی کتاب پر بر وقت تنقید کی تھی۔

جعفر تھانیسری نے مولینا فضل حق پر ایک اور تہمت یہ تراشی ہے کہ مولینا نے جامع مسجد میں شاہ اسماعیل کا وعظ بند کرا دیا تھا[2]

جعفر تھانیسری نے یہ بات بِلا سند لکھی ہے، اس لئے قطعاً نا قابلِ اعتبار ہے۔ وہ شاہ اسمٰعیل کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے ایک سال بعد پیدا ہوئے تھے اور ۱۸۹۵ء میں یہ سوانح لکھ رہے ہیں[3]۔ اس

---

[1] ختمِ نبوت کی حقیقت ص ۱۵۴ طبع کراچی [2] سوانح احمدی (حیات سیّد احمد شہید) ص ۳۵ طبع کراچی [3] یہ سال طباعت ہے۔ تالیف دو ایک سال قبل کی ہوگی۔

لئے بغیر کسی سند کے اس کی بات کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے خصوصاً اس لئے کہ تحریک جہاد کے معاصر مورخین میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ شاہ صاحب کے وعظ کی مخالفت میں مولینا فضل حق کا ہاتھ تھا۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ جعفر تھانیسری وہ بزرگ ہیں جو بغاوت اور تحریک مجاہدین میں شرکت کے جرم میں ماخوذ ہو کر انڈمان بھیج دیے گئے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں اس وقت رہا ہوئے جب وہابیوں کے متعلق انگریزوں کی پالیسی بدلی اور وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان مراسلات کے تبادلے اور معاہدے بھی ہوتے۔ منشی جعفر نے رہائی کے بعد سوانح احمدی کے نام سے سید احمد شہید اور ان کی تحریک پر جو کتاب تالیف فرمائی وہ تحریک کے لئے نہایت مضر اور بدگمانیوں کا باعث ہوئی۔ مولینا غلام رسول مہر نے ثابت کیا ہے کہ منشی جعفر نے سید صاحب کے مکاتیب میں عبارتوں میں ترمیم و تحریف کی اور جہاں جہاں انگریز لکھا تھا وہاں سکھ کر دیا[۱]۔ اس تحریف نے تحریک کو طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا کر دیا اور منشی جعفر نے وہ کارنامہ انجام دیا جو بدترین دشمن کے بس کا نہ تھا۔

مولینا فضل حق کے ایک اور کرم فرما مرزا حیرت دہلوی تھے۔ ان حضرت نے شاہ اسماعیل کے سوانح پر حیات طیبہ کے نام سے جو کتاب بیسویں صدی کے آغاز میں تحریر کی تھی اس میں متعدد مقامات

---

[۱] سید احمد شہید ص ۱۵۹

پر مولینا فضل حق کا ذکر خیر کیا ہے اور متعدد گھناؤنے اور بے بنیاد الزامات مولینا پر لگائے ہیں اور کئی غلط بیانیاں کی ہیں :

(۱) مولینا فضل حق "زمرۂ علمائے دینی کے پابند نہیں تھے" اور انھوں نے اپنے کو دائرۂ علما سے خارج کر لیا تھا"[1] ۔ اس سلسلے میں ہم آپ کو نواب صدیق حسن خاں کا وہ قول یاد دلائیں گے کہ "مولینا فضل حق کی وضع قطع امرا کی سی تھی علما کی سی نہیں تھی"۔ اور ہمارا جواب یہاں بھی یہی ہوگا جو ہم نواب صاحب کی بات کا دے چکے ہیں۔ یہاں ہم آپ کو اپنی وہ بات بھی یاد دلائیں گے کہ مولینا فضلِ حق کے متعلق ایسی تہمتیں زیادہ تر اہل حدیث کے گروہ نے تراشی ہیں۔ چناں چہ آپ دیکھ رہے ہیں نواب صدیق حسن خاں، منشی جعفر تھانیسری اور مرزا حیرت کے انداز تہمت تراشی میں کس قدر یکسانی و یک رنگی ہے۔ مرزا حیرت بھی اہلِ حدیث اور عدم تقلید کے مبلغ تھے۔

(۲) مولینا فضل طوائفوں کے یہاں جایا کرتے تھے[2]۔ مرزا حیرت مولینا کے معاصر نہیں تھے، اس لئے ان کو کسی معاصر کے تذکرے کا حوالہ دینا ضروری تھا، حوالے کے بغیر اتنے عرصے بعد کوئی نئی بات کیسے قبول کی جا سکتی ہے!

(۳) منشی جعفر تھانیسری کا یہ الزام مرزا حیرت نے بھی دہرایا ہے کہ "مولینا فضل حق نے شاہ اسماعیل کا وعظ بند کرا دیا تھا" بلکہ منشی جعفر

---

[1] حیاتِ طیبہ ص۱۰۱ طبع سوم ۱۹۵۸ء لاہور [2] ایضاً ص۱۰۱

کے اجمال کو تفصیل کا رنگ دے کر کئی صفحات سیاہ کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مولینا نے پہلے تو ریزیڈنٹ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ شاہ صاحب کے مواعظ سے امن عامہ میں خلل کا اندیشہ ہے پھر ایک عرضی پندرہ سو مسلمانوں کے دستخط سے ریزیڈنٹ کو شاہ صاحب کے خلاف دلوائی جس پر ریزیڈنٹ نے حکم دے دیا کہ شاہ صاحب کا وعظ بند کر دیا جائے۔ شاہ صاحب تک یہ حکم پہنچا تو انھوں نے اس کے جواب میں ایک ایسی درخواست لکھی جس سے ریزیڈنٹ کی رائے بدل گئی اور اس نے اجرائے مواعظ کا حکم دے دیا مگر مولینا نے یہ حکم شاہ صاحب کو نہیں پہنچایا۔ شاہ صاحب چند روز انتظار کے بعد خود ریزیڈنٹ کے پاس پہنچ گئے اور اپنی درخواست کے جواب کا مطالبہ کیا۔ ریزیڈنٹ کو یہ معلوم کر کے کہ اس کا حکم شاہ صاحب تک نہیں پہنچایا گیا بہت طیش آیا اور اس نے مولینا کو زجر و توبیخ کی اور تین ماہ کے لئے معطل کر دیا[1]۔ اس کے جواب میں اولاً تو ہم پھر اپنا وہی مطالبہ دہرائیں گے کہ آپ کا ماخذ کیا ہے؟ ثانیاً مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ جس سال یہ واقعہ پیش آیا "یہ مولینا کی عمر کا بتیسواں[32] سال تھا" (ص ۱۳۴)۔ شاہ اسمٰعیل کا سالِ ولادت ۱۱۹۳ھ ہے اس لئے ۱۲۲۵ھ میں ۳۲ سال کے ہوتے ہیں اور مولینا فضل حق جن کا سالِ ولادت ۱۲۱۲ھ ہے اس وقت صرف ۱۳ سال

---

[1] ایضاً ص ۱۳۳

کے ہوں گے یا یوں سمجھئے کہ شاہ صاحب مولینا سے ۱۹ سال بڑے تھے اس لئے جب شاہ صاحب ۳۲ سال کے ہونگے اس وقت مولینا کی عمر ۱۳ سال ہو گی۔ اس عمر میں وہ زیرِ تعلیم تھے نہ کہ ریذیڈنٹ کے سررشتہ دار!

(۴) مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ مولینا فضل حق کی نظم و نثر پر مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے تیرہ سو اعتراض کئے تھے اور مولینا سید احمد رامپوری نے ان تیرہ سو اعتراضات کو ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام "تیرہ صدی" رکھا تھا (ص۱۰۰)

مرزا حیرت کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقت میں مبالغے کا عنصر شامل کر دینے میں چابک دست واقع ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہلِ حدیث عالم شمس العلما مولوی امیر احمد سہسوانی نے مولینا فضل حق کی کتاب الہدیۃ السعیدیہ وغیرہ پر دس اعتراضات "تلك عشرة كاملة" کے نام سے ایک رسالے میں لکھے تھے اور مولوی سید محمد نذیر نے رامپور میں یہ رسالہ طبع کروایا تھا۔[۱] دس کو تیرہ سو لکھ کر مرزا حیرت نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریر میں صداقت کا عنصر بلبلہ ہوتا ہے۔

دہلی کے نامور ثقہ بزرگ ملا واحدی تحریر فرماتے ہیں[۲]:

"مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سیدنا حضرت

عـــلہ حیواۃ العلماء ص۲۷ مؤلفہ مولینا عبدالباقی سہسوانی طبع ۱۹۲۲ء

عـــ۲ـــہ میرے زمانے کی دلی ص۱۸۸ طبع اول

امام حسینؑ کے کارنامۂ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ کمال یہ تھا کہ جس زمانے میں انکارِ شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے، اس زمانے میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کیا کرتے تھے اور ایسی تقریریں کرتے تھے کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں"۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:[1]

"وہ (مرزا حیرت) فرضی عبارتیں و فرضی حکایتیں اور فرضی حوالہ جات تاریخ کی کتابوں میں درج کر دینے میں مشہور ہیں اور ان کی دلیری اور جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے کی بے باکی پر شمس العلما علامہ شبلی نعمانی تک حیرت زدہ رہتے تھے"۔

خواجہ صاحب کے اس بیان کا جیتا جاگتا ثبوت مرزا حیرت کی کتاب حیاتِ طیبہ ہے۔ اس کتاب کے ماخذ کی اصلیت و واقعیت کا یہ حال ہے کہ متعدد مقامات پر تو اس نوع کے مہمل و مجمل حوالے ہیں "ایک کتاب" (ص ۴۷)، "ایک راوی" (ص ۹۰)، "ہمعصر مورخ"، ص ۱۸۸، "ہم عصر سوانح نویس" ص ۲۷۷، "ایک ضعیف بوڑھا شخص مرحوم" ص ۲۹۵، "ہمارا مورخ" (ص ۶۱)۔ ایک اہم ماخذ منشی ہیرالال

---

[1] "غدر دہلی کے اخبار" (مرتبہ خواجہ حسن نظامی ص ۶ مطبوعہ ۱۹۲۳ء دہلی

کے بیانات ہیں۔ ۵ اہم مواقع پر اس کے حوالے دیے ہیں اور اسے شاہ اسماعیل کا منشی بتایا ہے (ص ۱۲۳)۔ شاہ صاحب کے کئی صفحات پر محیط مواعظ و مکالمات اس کی روایت سے نقل کئے ہیں، حال آں کہ شاہ صاحب کے کسی تذکرے میں یہ نام ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اسی طرح چند ایسی کتابوں کے حوالے بھی اس کتاب میں نظر سے گزرے جن کے نام بھی کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے مثلاً سیر دہلی (۵ مقامات پر) تذکرہ مشاہیر دہلی (۳ مقامات پر) تواریخ علمائے دہلی (۳ مقامات پر) مجموعۂ واقعات (۶ مقامات پر) تحفۂ عزیزی (۳ مقامات پر)۔ بکثرت انکشافات بھی کئے ہیں، مثلاً یہ کہ شاہ اسمٰعیل نے "حقیقت تصوّف" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جو مرزا صاحب نے کشمیر میں دیکھی بھی تھی (ص ۱۶۷) شاہ اسماعیل کے معاصر مؤرخ کتنے بے خبر تھے کہ انھوں نے شاہ صاحب کی ایک ضخیم کتاب کی زیارت نہیں کی۔

کتاب کا موضوع شاہ اسماعیل اور تحریکِ جہاد ہے اور بظاہر بڑی عقیدت سے لکھی گئی ہے مگر درحقیقت مرزا حیرت نے منشی جعفر سے زیادہ تحریکِ جہاد کے ساتھ جہاد کیا ہے اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ فرطِ عقیدت کا مظاہرہ کر کے بہت سی بے سر و پا، بے اصل اور خلافِ واقعہ باتیں لکھ دی ہیں اور شاہ اسماعیل اور سید احمد شہید سے ایسے ایسے اقوال و افعال منسوب کر دیئے ہیں جو گمراہ کن اور شدید سوءِ ظن کا منشا ثابت ہوئے ہیں اور سوانح نگار کے

عقیدت مندانہ اندازِ نگارش کی موجودگی میں ان کی تردید بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ تحریک کا ہدف انگریز نہیں سکھ تھے (۵۲۲) غلام علی رئیس الٰہ آباد کا واقعہ (۵۲۳) اور اسی قسم کے دوسرے افسانے تحریک سے بدظن کرنے کے لئے کافی ہیں اور منشی جعفر سے زیادہ موثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور مجھے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ انگریزوں نے تحریکِ مجاہدین کو بدنام کرنے کے لئے ظلم کا یہ نیا اسلوب اختیار کیا تھا کہ منشی جعفر اور مرزا حیرت سے عقیدت مندانہ سوانح عمریاں لکھوائیں اور ان میں جی بھر کر بدنام کیا گیا اور مولینا فضلِ رسول بدایونی کی تنقیدیں وہ کام نہ کر سکیں جو منشی جعفر اور مرزا حیرت کے قصائدِ مدحیہ نے کیا۔

سید صاحب کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ امیر خاں کی انگریزوں سے صلح سید صاحب نے کروائی تھی (۵۱۳-۵۱۴)

اپنی باتوں کو موثر بنانے کے لئے خود کو بھی غیر مقلد، شاہ صاحب کا ہم مسلک ظاہر کیا ہے۔ عدم تقلید کی تبلیغ زور شور سے کی ہے۔ غیر مقلدین کو بھی محمدّی لکھا ہے اور محمدّ بن عبدالوہاب کے متبعین کو بھی محمدّی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جس پیرائے میں محمدیوں کو جنھیں سخت غلطی سے وہابی کہا جاتا ہے، انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے سخت حیرت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود

جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کے قانون کو فرقۂ اہلِ حدیث نے کس قدر تسلیم کیا ہے اور اس (گورنمنٹ) کے فرماں بردار اور مطیع اس گروہ (اہل حدیث) کے لوگ ہیں ۳۹۳ء۔

شاہ اسماعیل کے لیئے لکھا ہے کہ "انھوں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ دین کی خدمت کی" (۵۲۵) یہ مدح وسپاس کا وہ انداز ہے جو ممدوح کو مبغوض بنا دیتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ کرزن گزٹ کے اس مدیر شہیر اور برطانوی حکومت کے اس "ملک الشعراء" نے برطانوی حکومت کی مدحت کا یہ اسلوب بدیع اختیار کر لیا تھا اور تحریکِ مجاہدین پر تنقید کا ایک نیا طرز اختیار کیا تھا اور اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ آج تحریک مجاہدین کے نقّادوں اور نقاصوں کے لیئے یہ کتاب بڑا سہل ماخذ ہے۔

مولانا سیّد عبد الحیٔ حسنی (صاحب نزہتہ الخواطر) نے ۱۸۹۴ء میں سرگروہ اہلِ حدیث میاں سیّد نذیر حسین کی زبانی ایک روایت سن کر اپنے سفرنامے (دہلی اور اس کے اطراف) میں من وعن بے نقد وجرح درج کر دی تھی۔ یہ روایت بھی اسی مہم کا ایک حصّہ ہے جس کے ذریعے مولانا فضل حق کے دامنِ کردار پر معائب کی افشاں چھڑکی جا رہی ہے پہلے آپ روایت سُن لیں۔ میاں سیّد نذیر حسین نے مولانا سیّد عبد الحیٔ سے فرمایا [۱]:

---

[۱] دہلی اور اس کے اطراف ص۲۳

"مولوی (فضل حق، صاحب ایک شادی میں شریک تھے، گرمیوں کے دن تھے۔ پلاؤ کھایا ہوگا (؟) ناچ رنگ ہوتا رہا۔ جس مکان کے بالا خانے پر یہ جلسہ تھا وہاں جتنے ظرف پانی کے تھے سب میں کسی نے جمال گوٹہ ملا دیا اور آمد و شد کا راستہ بند کر دیا یعنی زینے کے دروازے میں باہر سے قفل لگا دیا۔ وہاں پلاؤ کھانے کی وجہ سے پیاس کی شدت سے لوگ خوب پانی پیتے رہے اور دست آنے شروع ہوئے۔ حاضرین و اربابِ نشاط سب اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ راستہ بند ہونے سے اور پریشانی پھیلی۔ وہیں سب اپنی اپنی حالت میں تھے اور شدتِ گرمی سے پانی پیتے جاتے تھے۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اس پانی میں زہر گھلا ہوا ہے۔ رات کو جو پولیس کے جوان رونд میں ادھر آ نکلے تو شور و غل سن کر اوپر چڑھے، دروازہ توڑا تو لوگوں کی یہ حالت دیکھی۔ ان میں مولوی (فضل حق) صاحب بھی تھے۔ جیسی کچھ خفت ان کو ہوئی وہ ظاہر ہے۔"

میاں (نذیر حسین کتنے ہی ثقہ راوی کیوں نہ ہوں، عقل اسے باور کرنے پر آمادہ نہیں ہے اور درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایک ان ہونی

بات ہے، کہانی ہے، فسانہ ہے، حقیقت نہیں ہے۔ اگر ہم روایت کو حقیقت پر مبنی فرض کریں گے تو اس کے ساتھ متعدد مفروضات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو ہمیں اکبر شاہ ثانی کی دلی میں، شاہ عبدالعزیز کے دور کی دلی میں اور غدر سے ۳۰ سال پہلے کی دلی میں ایک ایسا شریف النفس اور باہوش میزبان فرض کرنا ہوگا جو اپنی اولاد کی شادی میں مدعو معززین کے ساتھ ایسا گھناؤنا، پُر خطر اور ناشائستہ مذاق کر سکتا ہو یا دوسرے مذاق کرنیوالے "شرفا" کے ساتھ اس حد تک اغماض کر سکتا ہو کہ وہ اس کے معزز مدعوین کے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں اور خود جا کر بستر پر دراز ہو جائے، پھر ایک ایسا بالاخانہ فرض کرنا ہوگا جو اولاً تو اتنا وسیع ہو کہ اس میں سرود و غنا کی محفل برپا کی جا سکے۔ ثانیاً موسم گرما میں ایسی محفل کے لئے بھی موزوں ہو، ہوادار ہو۔ ثالثاً اس میں آمد و رفت کا صرف ایک راستہ ہو، جسے مقفّل کر دیا جائے تو وہ بالاخانہ دنیا سے منقطع ہو جائے۔ رابعاً وہ کسی دوسری عمارت سے متصل نہ ہو، تاکہ اس میں محبوس و محصور حضرات کی آواز بھی برابر والے سُن نہ سکیں۔ خامساً اس میں کوئی دریچہ اور روشن دان تک نہ ہو کہ اس کے ذریعے محلے والوں سے رابطہ قائم کیا جا سکے اور استعانت کی جا سکے، پھر یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ اُن شرکائے بزمِ نشاط میں سے ہر فرد بلا استثنا اتنا قوی الاعضا بلکہ سخت جان تھا کہ شدید موسم میں پلاؤ کھانے کے بعد جمال گوٹے کا محلول گھنٹوں

مسلسل پیتا رہے اور مبتلائے اسہال رہے، مگر ان میں سے ایک فرد کے بھی جان و تن کا رشتہ منقطع نہیں ہوا بس صرف مولوی فضل حق صاحب کو خفت ہو کے رہ گئی۔

مولینا سید عبدالحیؒ نے نزہتہ الخواطر کے جزء سابع میں بھی مولینا فضلِ حق کے ساتھ اپنے تعلق خاطر کا ثبوت دیا ہے اور نواب صدیق حسن خاں کے تنقیصی کلمات نقل کرنے کے ساتھ خود بھی لکھا ہے کہ[۱]

"ان کی وضع قطع علما کی کی سی نہیں تھی، امرا کی سی تھی شطرنج کھیلنے اور مزامیر سننے اور مجالسِ رقص میں شرکت اور دوسری ممنوع باتوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے"

آپ کو یاد ہو گا کہ وضع قطع کی بات نواب صدیق حسن سے منقول ہے اور سماع و مزامیر اور مجالس رقص میں شرکت کا اتہام میاں نذیر حسین کے معمل میں ڈھالا گیا ہے اور ہم ان کا جواب دے چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باتیں حقیقت نہیں تہمت ہیں، اِس کے برعکس اُن کے تلمیذ مولانا عبداللہ بلگرامی کا بیان یہ ہے کہ[۲]

"ہر ہفتے قرآن کریم کا ختم فرماتے، تہجد کی نماز پابندی سے پڑھتے اور جو نوافل کا اتنا اہتمام کرتا ہو اس کے ادائے فرائض کا خود اندازہ کر لو"

---

[۱] نزہتہ الخواطر الجزء السابع ص ۲۷۵ [۲] خطبۃ ہدیۂ سعدیہ

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں[1]:

"مولوی فضلِ حق صاحب مرزا (غالب) کے بڑے دوست تھے۔ ایک دن مرزا ان کی ملاقات کو گئے۔ ان (مولانا) کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھا کرتے تھے؛ بیا برادر آؤ رے بھائی۔ چناں چہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مصرع کہہ کر بٹھایا ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی فضلِ حق صاحب کی رنڈی بھی دوسرے دالان سے اٹھ کر پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا' ہاں صاحب اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجیے بنشیں مادر بیٹھ ری مائی!"

اِس لطیفے کا صحیح واقعہ مرزا غالب کی بہن کے پوتے نواب سرور جنگ نے اپنی خود نوشت میں اِس طرح درج کیا ہے[2]

"مرزا غالب کی مولانا فضلِ حق سے کمال دوستی تھی۔ ہر شب کو معمولاً مرزا مولانا کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک شب کو مولانا جو سررشتہ دار ریزیڈنٹ تھے، باہر صحن میں بیٹھے ہوئے کچھ مثلیں دیکھ رہے تھے، ایک

---

[1] آبِ حیات ص۲۲۷ [2] کارنامہ سروری ص۷۳ بحوالہ غالب نام آورم از جناب نادم سیتاپوری، مولانا آزاد کی اس تہمت کا جواب نادم صاحب کے محققانہ مقالے سے ماخوذ ہے۔

رنڈی بھی اس امر کی منتظر کہ مولانا دیکھ لیں تو سلام کر کے بیٹھ جاؤں۔ کھڑی ہوئی تھی، اس عرصے میں مرزا بھی لالٹین لئے آگے آگے پہنچے۔ مولانا نے سر اٹھا کر کہا کہ بیا برادر آ ذرے بھائی۔

مرزا نے کہا، دوسرا مصرع بھی پڑھ دیجیے کہ دیر سے منتظر کھڑی ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے "بنشیں مادر بیٹھ ری مائی"

ہنومان گڑھی (اجودھیا) کی مسجد بابری کی بے حرمتی کے سلسلے میں ۱۸۵۵ء میں مولوی امیر علی امیٹھوی کی قیادت میں مسلمانوں نے جو جہاد کیا تھا بعض مورخین کا بیان ہے کہ مولانا فضل حق اس جہاد کے عدم وجوب کا فتویٰ دینے والے علما میں شامل تھے، لیکن یہ واقعہ نہیں ہے۔ یہ الزام صرف سید کمال الدین حیدر نے عائد کیا ہے، جو انگریزوں کے خاص آدمی تھے اور جنھوں نے مسٹر الیٹ (مشہور مورخ) کی فرمائش پر اودھ کی تاریخ قیصر التواریخ مرتب کی تھی اور اسی تاریخ کی بنا پر وہ واجد علی شاہ کے معتوب اور ملازمت سے برطرف ہوئے تھے اور اسی الزام کو مولوی نجم الغنی خاں نے برسوں بعد اپنی تاریخ اودھ (مطبوعہ ۱۹۱۹ء) میں من وعن[1] نقل کر دیا۔

---

[1] پورے پیراگراف میں صرف یہ فرق ہے کہ "صاحبان عالی شان یا اہلِ اسلام" کے بجائے نجم الغنی خاں نے "انگریز یا مسلمان" کر دیا ہے (ملاحظہ ہو مقالہ پروفیسر محمد ایوب قادری اخبار انجام کراچی ۸ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء)۔

مسجد پر ہندوؤں کے قبضے اور قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے خلاف جب جہاد کی تحریک شروع ہوئی اودھ کی حکومت نے اس کی مزاحمت کے لیے علما کی خدمات حاصل کیں اور ایک استفتا مرتب ہوا جس کے جواب میں علما نے مجاہدین کے مقابلے میں حکومت کے نقطۂ نظر کی تائید کی۔ اِس فتوے پر دستخط کرنے والے علما میں سید کمال الدین نے مولٰینا فضل حق کا بھی نام لیا ہے (ص۱۲۵ قیصر التواریخ جلد دوم طبع ۱۹۰۷ء)، مگر لطف یہ ہے کہ اسی کتاب میں ص۱۱۱ پر جہاں وہ فتوے نقل کیا ہے اس پر مولوی محمد یوسف، مولوی احمد اللہ، مولوی خادم احمد، مولوی محمد سعد اللہ، مولوی تراب علی کے دستخط ہیں، مولٰینا فضلِ حق کے نہیں ہیں۔ مولوی نجم الغنی خاں نے بھی تاریخ اودھ میں یہ فتویٰ نقل کیا ہے، مگر یہاں بھی مولٰینا کے دستخط نہیں ہیں۔ حدیقۃ الشہدا میں بھی جو مولوی امیر علی امیر المجاہدین کے ایک رفیق کی تالیف ہے اور اسی سال شائع ہوتی تھی[۱]، علما کے فتوے درج ہیں لیکن مولٰینا فضلِ حق کا نہ فتویٰ ہے نہ دستخط، پھر آخر صاحب قیصر التواریخ کا یہ اصل بیان کیسے تسلیم کرلیا جائے، خصوصاً جب کہ انہی کی اسی کتاب میں فتوے پر مولٰینا کے دستخط نظر نہیں آتے۔

ایک اور معاصر مورّخ مولوی سید فخر الدین نے مہر جہاں تاب[۲]

---

[۱] یہ نایاب کتاب رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "واجد علی شاہ اور ان کا عہد" میں کاملاً نقل کردی ہے (لاہور ۱۹۵۷ء) [۲] منقولہ در نزہتہ الخواطر الجز ص۸۱-۸۲

میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، مگر انھوں نے بھی مولینا فضل حق کا نام نہیں لیا۔

حدیقۃ الشہدا[۱] میں یہ ضرور درج ہے کہ حکومت نے اس سلسلے میں ایک پنچایت بنائی تھی جس کے چار ثالث مقرر کئے تھے، ان میں سے ایک مولینا فضلِ حق بھی تھے، مگر حکومت نے اس پنچایت کی کوئی میٹنگ ہی نہیں بلائی، اس لئے اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مولینا فضل حق کا اس سلسلے میں کس طرف رجحان تھا؟

---

[۱] واجد علی شاہ اور ان کا عہد ص ۳۰۰

مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور معرکۂ ہنومان گڑھی

حکیم سید محمود احمد برکاتی

مولانا فضل حق خیر آبادی برِّ عظیم پاک وہند کی ایک عظیم و جلیل اور جامع کمالات شخصیت تھے۔ وہ ایک طرف عقلیات کے امام وقت تھے تو دوسری طرف ایک مدّبر سیاس اور مجاہد حریت تھے۔

ان کے کردار سیاسی کے سلسلے میں جو غلط بیانیاں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جہاد ہنومان گڑھی میں مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ مگر یہ خلافِ واقع ہے۔

جہاد ہنومان گڑھی کی داستان یوں بیان کی گئی ہے۔

یہ واقعہ، ہنگامۂ سن ستاون سے ۱½ سال پہلے (نومبر ۱۸۵۵ء) کا ہے۔ اودھ پر واجد شاہ حکمران ہیں۔ مگر بے اختیار و بے اقتدار، اصل اقتدار برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہے، دارالحکومت لکھنؤ کے قریب ہی ہندوؤں کا ایک مقدس تاریخی مقام اجودھیا ہے اور اسی لئے یہاں ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے ۱۵۱۷ء میں یہاں رام چندر کے محل اور سیتا کی رسوئی (مطبخ) کو منہدم کر کے ایک مسجد بنادی تھی۔ مگر اس کے بعد اجودھیا میں مسلمانوں کی قلت تعداد اور مسجد کی حفاظت و آبادی کی طرف سے ان کی غفلت کے نتیجے میں رفتہ رفتہ یہ مسجد خستہ و شکستہ ہوتے ہوتے بے نشان سی ہو گئی تھی۔ پھر ہندو اس کے آثار مٹاتے چلے گئے اور یہاں تک کہ صفدر جنگ

والئ اودھ (ف ۱۷۵۴ء) کے عہد میں اس سے متصل انہوں نے
ایک مندر ("ہنومان کی بیٹھک") تعمیر کر لیا پھر ایک چار دیواری بنا کر اس
کو ہنومان گڑھی کہنے لگے، اب بیشتر مسلمانوں کو بھی یہ بات یاد نہ رہی کہ
یہاں ایک مسجد تھی، اس حالت پر کئی برس بیت چکے تھے کہ غلام حسین نامی
ایک صاحب کو اس مسجد کے احیاء کا خیال پیدا ہوا اور وہ اپنے ساتھ
مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر ہنومان گڑھی پہنچے اور آذان دینی چاہی
لیکن بستی کے ہندو اور مندر کے پجاری مزاحم ہوئے اور غلام حسین اور
ان کے رفقاء کو شہید کر دیا اور ان کے گلوں میں جو مصاحف آویزاں تھے۔ ان
کی بے حرمتی کی یہ خبر لکھنؤ پہنچی تو مولوی امیر الدین علی مسلمانوں کے غم و غصہ
کے ترجمان بن کر اٹھے اور مسجد کی باز آبادی کے لیئے جہاد کا نعرہ بلند
کیا۔ مولوی صاحب کے مریدین اور دوسرے سادہ لوح اور دین دار
مسلمان بھی ساتھ ہو گئے اور جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں، ایوان حکومت
تک اس حادثے اور مسلمانوں کے عزم کی اطلاع پہنچی تو ایک تحقیقاتی
وفد اجودھیا بھیجا گیا۔ جس نے آکر رپورٹ دی کہ مندر کے پاس ایک
مسجد کا ماضی میں وجود دستاویزات سے ثابت ہے، ساتھ ہی اجودھیا کے
مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک مشترکہ اقرار نامہ بھی لکھنؤ پہنچا کہ یہاں
ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی اور کسی مسئلے پر اختلاف نہیں ہے
واجد علی شاہ نے ایک مجلس مصالحت تشکیل دی، جو مندر کے مہنتوں، مولوی
صاحب کے نمائندوں اور حکومت کے مقرر کردہ چار ثالثوں پر مشتمل تھی
ساتھ ہی مولوی صاحب کے وجوب جہاد کے نعروں اور مسلمانوں کے اشتعال کے
پیش نظر علماء وقت سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ موجودہ حالات

میں جہاد و قتال جائز نہیں ہے، خود کو تہلکے میں ڈالنا ممنوع ہے اور جو لوگ اس میں شریک ہوں گے۔ ان کو ثواب نہیں ہوگا"۔ ان فتوؤں کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کی ایک تعداد نے تو مولوی صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا مگر ایک تعداد نے ساتھ نہیں چھوڑا اور مولوی صاحب انہیں لے کر اجودھیا کی طرف چل کھڑے ہوئے، مجبوراً سرکاری فوج جس کی کمان ایک فرنگی کے ہاتھ میں تھی مزاحم ہوئی میدان گرم ہوا اور مولوی صاحب اور ان کے بہت سے رفقاء شہید کر دیئے گئے (۷، نومبر ۱۸۵۵ء) اس حادثے کے تقریباً تین مہینے بعد واجد علی شاہ کو معزول کر دیا گیا اور اودھ کا الحاق کمپنی سے کر لیا گیا (۴، فروری ۱۸۵۶ء)

اس داستان کو پڑھ کر لازماً یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

بابری مسجد تقریباً سو سال سے تدریجاً ہندوؤں کے تسلط میں جا رہی تھی۔ اذان و نماز برسوں سے موقوف تھی، مسجد عملاً مندر کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ مگر ۱۸۵۵ء سے پہلے اس طرف کسی نے توجہ کیوں نہیں کی؟

مسلم حکمران کی موجودگی میں (وہ کتنا ہی نااہل کیوں نہ ہو) مسلم رعایا کو بطور خود جہاد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا شرعاً جائز ہے؟

۱۸۵۵ء کے معرکۂ جہاد اور ۱۸۵۶ء کے عزل و الحاق کے بعد بھی مسجد پر ہندوؤں کا ہی قبضہ رہا مگر مولوی امیر الدین علی کی شہادت کے بعد فریضہ جہاد ساقط ہو گیا تھا؟

مولوی امیر الدین علی اور مجاہدین کو واجد علی شاہ کے عہد میں کوئی اور منکر اور خلاف شرع کام نظر نہیں آیا جس کے خلاف جہاد واجب ہوتا؟

سوالات بڑے معقول ہیں، آیئے صحیح صورتِ حال اور اس کے اصل

اسباب پر ایک نظر ڈالیں۔

اودھ پر واجد علی شاہ حکمران تھے مگر ان کا یہ اقتدار محض برائے نام تھا مگر انگریز اپنے مذموم استحصالی مقاصد کی خاطر یہ رہا سہا اقتدار بھی ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اور وہ اس کے لیے جواز پیدا کرنے کی فکر و سعی میں تھے اودھ کے ہندو تو پہلے ہی انگریزوں کے ہوا خواہ اور سراپا تعاون تھے مسلمانوں میں سے بھی بہت سے زمانہ شناس اور "دُور بین" اور ذہین حضرات، واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ اور مستفید ہونے کے باوجود کمپنی کے ساتھ اخلاص و اعانت کا رشتہ استوار کر چکے تھے۔ واجد علی شاہ کے بیشتر حکام اور مصاحبین درپردہ کمپنی کے وفادار اور اس کے تمام اقدامات میں آلۂ کار تھے، یہ گورے اور کالے انگریز مل کر ایسے حالات پیدا کر دینا چاہتے تھے کہ حدودِ سلطنت میں بدنظمی ہو، عوام میں بے اطمینانی پھیلے، مختلف طبقات باہم دست و گریباں ہوں اور اس طرح انگریزوں کو واجد علی شاہ کے معزول کر دینے اور اودھ کا الحاق کمپنی سے کر لینے کا جواز پیدا ہو، چنانچہ اس مذموم مقصد کے لیے بہت سی "موثر" تدبیریں مختلف اوقات میں اختیار کی جاتی رہیں انہی میں سے ایک تدبیر یہ تھی کہ علاقے کے سادہ دل مسلمانوں کو یہ یاد دلایا جائے کہ یہاں ایک مسجد تھی جو بابر نے راجہ رام چندر کے محل کو ڈھا کر بنائی تھی اور اب وہ غیر آباد ہے اور انہیں اس پر برانگیختہ کیا گیا کہ اس مسجد کو دوبارہ آباد کیا جانا چاہیے، مسجد کی بازیابی کے نعرے میں بڑی کشش تھی، پہلے غلام حسین اور پھر مولوی امیر الدین[۲] علی نے جہاد کا اعلان فرمایا۔

جہاد کا نعرہ سن کر مسلمان بہت کم ہوش میں رہتے ہیں اور حصول

شہادت کے لئے بے تابانہ دوڑ پڑتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے سرفروش اور نیک نیت مسلمان جمع ہو گئے، واجد علی شاہ کو علم ہوا۔ اس نے ایک مجلس مشاورت تشکیل دی مگر اس مجلس کا ایک بھی اجلاس منعقد نہیں ہونے دیا گیا۔ ایک تحقیقاتی وفد بھیجا گیا جس نے واپسی پر جو رپورٹ دی اس کا ماحصل یہ تھا کہ بالفعل تو کوئی مسجد وہاں نہیں ہے۔

البتہ دستاویزوں سے ماضی میں اس کا وجود ضرور ثابت ہوتا ہے" ایک اور وفد گیا جس نے اجودھیا کے غافل مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر ایک اقرار نامے پر ان کے دستخط کرائے کہ انہیں مقامی ہندوؤں سے کوئی شکایت نہیں ہے اور کوئی مسئلہ باہم وجہ اختلاف نہیں ہے" مختصر یہ کہ تحریک کی مزاحمت نیم دلانہ کی گئی اور درپردہ آگ کو بھڑکانے کی کوششیں کی گئی۔ اس لیئے کہ کمپنی کا مفاد، مسئلہ حل ہونے میں نہیں تھا، مزید اُلجھ جانے اور بات کے بڑھ جانے میں تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اگر واجد علی شاہ مسلمانوں کے مطالبے کو تسلیم کر کے مسجد کی تعمیر نو کا حکم دیتا ہے تو سلطنت کے عام ہندو ناخوش اور آمادہ بر فساد ہو کر کمپنی کے پاس فریادی ہو کر رہ جائیں گے اور اگر مطالبے کو مسترد کر دیتا ہے تو مسلمان مشتعل ہوں گے، بدامنی پھیلے گی، کشت و خون کا بازار گرم ہو گا، دونوں شکلوں میں واجد علی شاہ کی نا اہلی و ناکامی تحقیق ہو گی اور اس کو معزول کر کے الحاق اودھ کی آرزو پوری کی جا سکے گی۔ چنانچہ کمپنی کا ریزیڈنٹ مقیم لکھنؤ بار بار بادشاہ کو مراسلات بھیج رہا تھا کہ مولوی صاحب کے فتنے کو فرو نہ کیا گیا تو سلطنت کی خیر نہیں،، چنانچہ اس تحریک کی سربراہی کے لیئے ایک ایسے

بزرگ کو آگے لایا گیا۔ جو مرشد طریقت ہونے کی بنا پر مریدین کا ایک حلقہ رکھتے تھے دوسری طرف ایسے پُرجوش اور جذباتی تھے کہ ہر قدم پر نفل ادا کرتے ہوئے حج کے لیے چل کھڑے ہوتے تھے اور ان کے مرشد کو حکماً ان کو اس ارادے سے باز رکھنا پڑا تھا۔ تیسری طرف واجد علی شاہ کے ایک درباری امیر حیدرا میٹھوی کے ہم وطن اور عزیز بھی تھے، چنانچہ مولوی صاحب جوشِ جہاد سے ایسے سرشار اور مرتبۂ شہادت کے حصول کے لئے اتنے بے تاب کر دیئے گئے کہ مسئلے کے حل کی مہلت دینے اور انتظار کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوئے اور مقتل کی طرف سربکف چل کھڑے ہوئے اور

دی سادگی سے جاں پڑ دل کوہ کن کے پاؤں

اور اپنے ساتھ بہت سے سادہ دل مسلمانوں کو بھی مرتبۂ شہادت پر فائز کروادیا، اگرچہ مسئلہ جوں کا توں رہا۔

یہ تھی اصل صورت حال اور اس کے حقیقی محرکات واسباب اب دیکھنا یہ ہے کہ اس داستان میں مولانا فضل حق کا کردار کیا رہا؟ اس پورے قضیئے میں مولانا کا نام دو جگہ لیا گیا ہے۔

۱۔ واجد علی شاہ کی طرف سے جو مجلس مشاورت تشکیل دی گئی تھی اس میں شاہ کی طرف سے چار ثالث مقرر کئے گئے تھے، ان میں سے ایک نام مولانا فضل حق کا بھی تھا، حدیقۃ الشہداء میں جو اس معرکے کے سلسلے میں سب سے پہلی تحریر ہے لکھا ہے۔

"۲۷، محرم الحرام ۱۲۷۲ھ (۸، اکتوبر ۱۸۵۵ء) کو وکلائے لشکر اسلام مقام لکھنؤ میں داخل ہوئے دو ایک مہنت (مندر کے نمائندے)

بھی حسب الطلب آئے اور نواب احمد علی خان اور مولوی غلام جیلانی اور مولوی غلام امام شہید اور مولوی فضل حق خیر آبادی چار ثالث مقرر ہوئے لیکن عجب یہ ہے کہ ایک دن بھی وکلائے اسلام اور مہنتوں کا رو بکاری پر مراجعہ نہ ہوا"۔ ص۳۰۰ حدیقۃ الشہداء (بحوالہ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری) لاہور ۱۹۵۷ء

جب اس مجلس مصالحت کا کوئی اجلاس ہی نہیں ہوا تو مولانا کی شرکت اور کسی فریق کی حمایت یا مخالفت میں بیان یا فتوے دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا موقع جہاں مولانا کا نام لیا گیا ہے وہ ہے جب علماء وقت سے استفتاء کیا گیا تھا۔ جب حکومتِ وقت نے دیکھا کہ یہ تحریک مذہبی نعروں کے سہارے اُٹھ رہی اور ابھر رہی ہے اور جہاد کے نام پر عوام کو ورغلایا جا رہا ہے۔ تو علماء سے کہا گیا کہ وہ راہنمائی کریں اور ہمیں اور عوام کو بتائیں کہ کیا حکم ہے! جن علمائے سے پوچھا گیا ان کی فہرست میں مولانا فضل حق کا نام صرف ایک مؤرخ نے لیا ہے اور وہ ہے صاحب قیصر التواریخ "سید کمال الدین حیدر عرف سید محمد زائر" مگر اولاً تو زائر اس باب میں منفرد ہے کوئی دوسرا مورخ ان کا ہم زبان اور مؤید نہیں ہے۔ اس حادثے کا ذکر حسبِ ذیل کتب و رسائل میں ہے۔

۱۔ حدیقۃ الشہداء از مرزا جان طپش شاگرد میر درد مؤلف ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

۲- قیصر التواریخ جلد دوم مطبوعہ ۱۹۰۷ء نول کشور پریس
۳- غدر کی صبح و شام میں معین الدین حسن کا بیان ۱۸۵۷ء
۴- ضیاء اختر از محمد حسن رئیس بجنور تالیف ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۳ء مطبوعہ ۱۸۷۸ء
۵- بوستان اودھ از درگا پرشاد سندیلہ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۳ء
۶- افضل التواریخ از رام سہائے تمنّا لکھنوی مطبوعہ ۱۸۷۹ء
۷- مہر جہاں تاب از سیّد فخر الدین بحوالہ نزہتہ الخواطر الجز السابع
۸- تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں ۱۹۱۹ء

یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں سے ہر ایک کو اس واقع کا معاصر مأخذ بھی کہا جا سکتا ہے، صرف آخری کتاب (تاریخ اودھ) معاصر مأخذ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مأخذ قیصر التواریخ ہے۔

زائر کا اصل نام سید کمال الدین حیدر اور عرف سیّد محمد زائر ہے یہ نصیر الدین حیدر (ف ۱۸۳۷ء) کے عہد میں ۱۸۳۵ء میں مرصد (جنتر منتر) سے وابستہ ہوئے تھے اور اس مرصد کے دو سر رشتہ انشاء و ترجمہ کتب ہیئت" میں سائنسی کتب کے اردو تراجم پر مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعدد کتب کے ترجمے کئے تھے، زائر نے ڈاکٹر اسپرنگر اور مسٹر ایلیٹ کی فرمائش پر ۱۸۴۷ء میں اودھ کی تاریخ لکھنا شروع کی تھی اور اس کی پہلی جلد مکمل ہو کر

واجد علی شاہ کی نظر سے گذری اس نے ناپسند کیا اور اس جُرم میں زائر کو ملازمت سے الگ کر دیا گیا تھا، ملازمت سے برطرف ہوکر زائر نے دوبارہ اس کتاب کی تکمیل کی طرف توجہ کی اور کتاب میں مزید مواد کا اضافہ کرکے اس کی ضخامت کو سہ چند کر دیا اور اس طرح ۱۸۷۸ء میں کتاب کی تکمیل ہوئی پھر دو انگریز نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ظاہر ہے کہ کتاب میں شاہ کے خلاف اور انگریزوں کی حمایت میں مواد ہو گا۔ جب ہی شاہ نے ناپسند اور انگریزوں نے پسند کیا اور اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔

کتاب کی طباعت کا قصہ بھی پیچیدہ ہے۔ کتاب کی تالیف کا آغاز ۱۸۴۷ء میں اور تکمیل ۳۰ سال بعد ۱۸۷۸ء میں ہوئی مگر اس کی طباعت ۱۹۰۷ء میں ہوئی ہمارے پیش نظر جو طباعت ہے۔ اس کو تیسری طباعت ظاہر کیا گیا ہے اور اس کی تکمیل طباعت ۱۹۰۷ء ہے۔ کتاب کے خاتمے میں لکھا ہے۔

"اس سے پہلے یہ کتاب ..... دوبارہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں طبع ہوئی تھی اور اب حسب الارشاد شائقین مطبع منشی نول کشور واقع کان پور میں بار سوم کہ حقیقت میں بار اوّل ہے ماہ نومبر ۱۹۰۷ء حیطۂ طبع سے آراستہ ہوئی" دوسری جلد کے سر ورق پر سال طباعت ماہ ستمبر ۱۸۹۶ء درج ہے مگر آخر صفحہ (۴۷۰) پر لکھا ہے کہ پہلی طباعت کے ٹائیٹل زیادہ طبع ہو گئے تھے۔(۱۸۹۶ء) اس اشاعت (سوم) میں بھی وہی ٹائیٹل

بج لگا دیئے گئے"۔ اس جلد کے خاتمے میں لکھا ہے کہ پہلے
دو بار یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ اب بار سوم کہ حقیقت
میں بارِ اوّل۔ ماہ نومبر ۱۹۰۷؁ء طبع ہوئی"۔ جو دو قطعات
تاریخ طباعت درج کئے گئے ہیں۔ ان میں پہلے قطعے سے
۱۹۰۷ء اور دوسرے سے ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷) برآمد
ہوتے ہیں۔

پہلی جلد امجد علی شاہ کے انتقال تک کے حالات
پر مشتمل ہے اور دوسری جلد واجد علی شاہ کی تخت نشینی سے
ہنگامہ سن ستاون (۱۸۵۸-۷ء) تک کے حالات
پر پہلی جلد کے سرورق پر "سوانحات سلاطین اودھ" کتاب
کا نام درج ہے اور دوسری جلد کے سرورق قیصر التواریخ
اور دونوں جلد کے ہر ہر ورق "تواریخ اودھ" خود مؤلف نے
کتاب میں کئی جگہ "تواریخ مملکت اودھ"، نام لکھا ہے
ملاحظہ ہو صفحات ۱۶، ۱۷، ۱۸ جلد اول ۴۲، ۴۳، ۶۲ جلد دوم
زائر، واجد علی شاہ سے ناخوش، واجد علی شاہ، زائر سے
ناخوش، وہ انگریزوں کا مدح سرا، انگریز اس کے قدر داں،
ظاہر ہے کہ وہ الحاق اودھ کی کاروائی کو حق بجانب
ثابت کرنے کے درپے ہو گا اور واجد علی شاہ کو نااہل
ثابت کر کے ہی اس کا مدعا پورا ہو گا۔ علماء دین
کو متہم کرنے سے بھی وہ نہیں چوکے گا چنانچہ
معرکۂ ہنومان گڑھی کی داستاں بیان کرتے ہوئے جب

وہ اس مرحلے پر آیا ہے کہ حکومتِ وقت نے علماء دین سے استفتاء کیا تو لکھتا ہے۔

(علماء ظاہر ؟) اہل سنّت، مثل مولوی حسین احمد، غلام جیلانی وکیل، عدالت انگریزی مولوی محمد یوسف، مولوی فضل حق خیرآبادی مولوی سعد اللہ جو حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو آئے تھے اور بعض علماً وگمنام نے بھی محض بطمع دنیا و بخوف حاکم فتوائے قتل عبارات مختلف سے رنگین کر کے دیا اور بعض علماء شاہ جہاں آباد نے بھی ایسی حجت و برہان سے لکھا یعنی جب اہل اسلام قلیل ہوں اور غلبۂ کفار ہو اس وقت، خلاف حاکم اولی الامر یعنی صاحبان عالی شان یا اہل اسلام جو ان کے اختیار بیس ہوں۔ جہاد حرام ہے۔ پس جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو وہ باغی و طاغی ہے" ص ۱۱۵

لیکن یہی مولف (زائر) جس مقام پر (ص ۱۱۰ جلد دوم) علماء کے وہ فتاوٰی نقل کرتا ہے وہاں فتوے پر حسب ذیل علماء کے دستخط ہیں (۱) مولوی محمد یوسف (۲) مولوی سعد اللہ (۳) مولوی رحمت اللہ (۴) مولوی خادم احمد (۵) مولوی تراب علی، یعنی مولانا فضل حق جن کے مندرجہ بالا فہرست میں فتوای دینے والے علماء میں شمار کیا تھا نہ ان کا فتوای نقل کیا ہے نہ ان کے دستخط ہیں۔ مولونا فضل حق نے فتوٰی ہی نہیں دیا، فتوٰی دیا ہوتا تو نقل بھی کیا جاتا بہرحال فتوے دینے

والے علماء میں چونکہ کسی مورخ نے مولانا فضل حق کا نام شامل نہیں کیا صرف زائر نے شامل کیا ہے۔ مگر اس نے بھی سب کے فتوے نقل کیے ہیں۔ مولانا فضل حق کا یہی فتویٰ نقل نہیں کیا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا فضل حق ان علماء میں شامل نہیں تھے اور زائر نے ان کا نام بدنیتی کی بنا پر شامل کیا ہے۔

زائر کی غلط بیانی اور افتراء واتہام خود اس کی تحریر سے آشکار ہے، اس نے لکھا تھا کہ علماء نے بطمع دنیا وبخوف حاکم فتوائے قتل (مجاہدین) دیا اور یہ کہ موجودہ حالات میں جہاد حرام ہے۔ پس جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو وہ باغی وطاغی ہے۔" مگر خود اس نے جو فتاویٰ نقل کئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں ایسے الفاظ تک نہیں ہیں۔ جن سے یہ مفہوم نکلتا ہو۔ مفتی سعد اللہ لکھتے ہیں۔

"دریں حال جماعت مولوی امیر الدین علی را قتل روانیست، بلکہ در نہی قولہٖ تعالےٰ "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" داخل شدہ ست کذا فی العالمگیریہ دہر مرتکب منہی عنہ خواہد شد اصلاً مثاب نخواہد شد" صلا جلد دوم

ان مذکورہ حالات میں مولوی امیر الدین علی کی جماعت کے قتل (جہاد) جائز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد کی نہی میں خود کو ڈالنا ہے۔ "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں مذکور

ہے اور جو شخص امر نہی کا ارتکاب کرے گا وہ ہرگز مستحق ثواب نہیں ہو گا۔

مولوی محمد یوسف کا فتویٰ :- فی الواقع فتح عزیمت باید کرد در شہادت دغدغہ ست ص ۱۱

باقی علماء نے انہی فتوؤں پر تصدیقی دستخط کیے ہیں۔ خود کوئی عبارت نہیں لکھی، ان میں نہ تو ہمیں "فتوے قتل" نظر آیا نہ باغی وطاغی کے الفاظ ہماری رائے میں زائر نے ایسی غلط بیانی اور تضادات سے اپنے سارے بیان کو محل اشتباہ اور ناقابلِ اعتبار بنا دیا ہے۔

ان تضادات پر مستزاد، زائر کا انفراد ہے کوئی مؤرخ مولانا فضل حق کے فتوے کا ذکر نہیں کرتا، حدیقۃ الشہداء جو اسی سال لکھی گئی جس سال یہ حادثہ ہوا اور جو مولوی امیر الدین علی کی حمایت میں ہے۔ اس میں تمام فتوے نقل کئے گئے ہیں۔ مگر مولانا فضل حق کا نام نہیں ہے صاحب نزہتہ الخواطر مولوی سید عبد الحیؒ کے والد مولوی سید فخر الدین جو اس واقعہ کے معاصر تھے اپنی کتاب مہر جہاں تاب میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور مولوی سید عبد الحیؒ نے نزہتہ الخواطر (الجزء السابع ص ۸۱ - ۸۲) میں

یہ عبارت نقل کر دی ہے مگر اس میں بھی مولانا فضل حق کا نام نہیں ہے۔ حال آں کہ اگر مولانا کا نام ہوتا تو مولوی سید عبدالحئ ضرور نقل کرتے کیونکہ انہیں مولانا فضل حق اور ان کے اخلاف وتلامذہ کی قدح کا خاص ذوق تھا۔

زائر کے بعد تاریخ اودھ کے مؤلف نجم الغنی خاں نے بھی مولانا فضل حق کا مفتیوں میں شمار کیا ہے مگر

۱۔ اولاً تو وہ معاصر مؤرخ نہیں ہیں، اور وہ اس حادثے کے تین سال بعد پیدا ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں ان کا انتقال ہوا، تاریخ اودھ انہوں نے ۱۹۱۰ء میں تالیف کی۔ جس کی دوسری اشاعت ۱۹۱۹ء میں ہوئی اور ہمارے پیش نظر ہے۔

۲۔ ثانیاً اس موضوع پر اس کا واحد مأخذ قیصر التواریخ ہے۔ چنانچہ انہوں نے قیصر التواریخ کی عبارت (جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ تغیر خفیف نقل کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"بعض دنیا پرست علماء اہل سنّت
نے جیسے مولوی حسین احمد ملیح آبادی

مولوی غلام جیلانی وکیل عدالت انگریزی، مولوی محمد یوسف فرنگی محلی اور مولوی فضل حق خیرآبادی اور مولوی سعد اللہ مرادآبادی اور دوسرے علماء گم نام نے محض بطمع دنیا مولوی امیر علی کے قتل کا فتویٰ عبارات مختلفہ سے رنگین کر کے دیا۔ دلّی کے بعض علماء نے بھی اسی برہان و حجّت کے ساتھ لکھا کہ جب اہل اسلام قلیل ہوں اور کفار کا غلبہ ہو اس وقت خلاف حاکم اولی الامر یعنی حاکم وقت کے جن کے اختیار میں ہوں خواہ انگریز یا مسلمان جہاد حرام ہے پس جو شخص ایسے امر کا مرتکب ہوگا وہ باغی وطاغی ہے۔"

لطف یہ ہے کہ نجم الغنی کے یہاں بھی زائر کے اتباع کے نتیجے میں وہی تضاد پایا جاتا ہے کہ فہرست میں مولانا فضل حق کا نام ہے مگر سب علماء کے فتوے ہیں، نہیں ہے تو مولانا فضلِ حق کا فتویٰ، اور یہ بھی کہ "مولوی امیر علی کے قتل" اور "باغی وطاغی" کا خود انہی کے نقل کردہ فتوؤں میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ زائڑ کا انفراد برقرار ہے، نجم الغنی
ان نہ صرف یہ کہ معاصر مؤرخ ہیں بلکہ زائڑ کی قیصر
تواریخ کے ناقل محض ہیں، اس لئے مولانا فضلِ حق
طرف مجاہدین کے خلاف فتوٰی دینے کی بات
ف زائڑ نے لکھی ہے اور اس کا قول بے اصل اور نا
ابل اعتبار ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ مولانا فضل حق
رآبادی نے ۱۸۵۵ء میں فتوٰی نہیں دیا مگر ان پر فتوے
ینے کی تہمت لگائی گئی اور ۱۸۵۷ء میں فتوٰی دیا مگر
ن کے فتوے کا انکار کیا گیا۔

(ماہنامہ ماہِ نو، لاہور اکتوبر ۱۹۸۵ء)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
اور عقائدِ اہلسنت
قبر پر اذان دینا
کراماتِ اولیاء
حضور ﷺ علمِ غیب جانتے ہیں
فاتحہ و سوئم و چالیسواں
اولیاء کا عرس منانا
یارسول اللہ مدد کہنا
تعویذ گنڈے کرنا
میلاد النبی اور قیام و سلام
مزارات پر اولیاء کی حاضری کا ثبوت
مصنف
علامہ مولانا محمد محب الرحمٰن
باہتمام
محمد قاسم عطاری قادری ہزاروی
ناشر
مکتبہ غوثیہ ہول سیل
4926110

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ' و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سن ولادت : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں اور آپ کا نام آپکے والد نے **عبدالعزیز** رکھا اور آپ کا تاریخی نام **غلام حلیم** تھا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہنوز طفلِ شیر خوار تھے آپ کی فراخ وکشادہ پیشانی تھی عالمانہ شان وشوکت بھی نمایاں تھی بصیرت افروز نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آج کا یہ ہلال کل بدر کامل بن کر تمام دنیا کو منور کردے گا۔

تعلیم و تربیت

شاہ صاحب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں قرآن اور اسلام کے ابتدائی مسائل و احکام کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی آپ نہایت ذہین اور سلیم الطبع تھے تحصیل علم کی طرف آپ کی طبیعت ابتداء ہی سے راغب تھی شاہ ولی اللہ نے اپنے خلیفہ مولانا شاہ محمد عاشق اور دوسرے خلیفہ خواجہ امین اللہ کو آپ کی تعلیم وتربیت کیلئے مقرر فرمایا۔ تقریباً دوسال کے عرصے میں عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی حاصل کی اس وقت طبیعت میں ایسی جولانی اور تیزی پیدا ہوئی جس کی نظیر سے بڑے بڑے بحرِ معانی کے حلقے خالی تھے۔ ۱۳ برس کی عمر میں کتب درسیات صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ، منطق، علم کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ میں خاصی مہارت حاصل کرلی تھی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب صرف علوم نقلیہ ہی کے عالم نہ تھے بلکہ فنون عقلیہ میں بھی آپکو بڑی دسترس حاصل تھی۔ منقولات کے ساتھ ساتھ آپ نے معقولات کی بھی مشہور کتابیں پڑھیں تھیں ان میں بھی آپ دوسرے طلباء سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے اور ان کے علاوہ تصوف وسلوک میں آپ نے عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ تصنیف فرمائیں۔ درسی کتابوں میں بھی آپ کو بڑی مہارت تامہ حاصل تھی اور اس کے علاوہ آپ کو بہت ساری زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔

قرآن وحدیث کی تعلیم میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے آپ کے حافظہ اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ہر قسم کی بات اور ہر قسم کا مسئلہ آپ کے ذہن میں فی الوقت موجود ہوتا تھا درس وتدریس میں بڑے بُردبار حیثیت سے درس دیتے تھے اور تدریس میں طلباء کیلئے ایسے شفیق اُستاد کی حیثیت رکھتے تھے کہ طلباء کو پڑھانے کے علاوہ کھانا بھی کھلاتے تھے آپکے اخلاق وعادت بھی بڑے احسن تھے اور جہاد کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا اور ہر وقت یہی فرماتے تھے کہ کاش میرے پاس وسائل ہوتے تو میں کافروں سے جہاد کرتا اور جہاں تک ہوسکتا کافروں سے ملکوں کو آزاد کراتا۔

آپ کی وفات

آپ ماہِ شوال ۱۲۳۹ھ میں اسّی سال عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے آیتِ قرآنی پڑھنے کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ مجھے غسل اہتمام سے دیا جائے کفن کا کپڑا معمولی ہو جس کو میں استعمال کرتا ہوں جنگل میں میرا جنازہ رکھا جائے اور جب میرا جنازہ اٹھایا جائے تو اس کے ساتھ عربی اور فارسی کے اشعار پڑھے جائیں۔ (نعت خوانی) اور یہ شعر پڑھا جائے:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر — من وجھك المنیر لقد نور القمر

(ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز)

بابُ التصوف

ایک دن پیر و مرشد کی حضوری میں چند مقامات کی تحقیق ارشاد فرمانے کیلئے میں نے عرض کیا کہ وہ مقامات مشہور و معروف ہیں ان کی حقیقت سے جیسا چاہئے کوئی آگاہ نہیں ان مقامات میں سے یہ ہیں۔

حضرتِ انسان

حضرت نے انسان کے وجود کی طرف اشارہ فرمایا پھر میں نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ کیلئے مکان نہیں ہے بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کیلئے مکان ہے۔ تو حضرت نے اس بارے میں بھی انسان کی طرف ارشاد فرمایا پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی: لا یسعنی الارض و السماء و لکن یسعنی قلوب المومنین یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری گنجائش نہ زمین رکھتی ہے اور نہ آسمان لیکن میرے لئے مومنین کے قلوب گنجائش رکھتے ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ عبادت کسے کہتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا عبادت یہ ہے جس کا تعلق بدن سے ہو اور دوسری وہ عبادت ہے جس کا تعلق دل سے ہو تیسری وہ عبادت ہے جس کا تعلق جان سے ہو۔ ان تینوں مقامات کو شریعت و طریقت و حقیقت کہتے ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ امیر و فقیر اور دوسرے لوگ سب عبادت کرتے ہیں کیا ان کی عبادت یکساں ہے ارشاد فرمایا کہ ان کی عبادتیں بہت مختلف ہیں اس لئے جو عبادت فقیر کرتا ہے اگر وہ عبادت امیر کرے تو وہ عبادت ان کے حق میں کفر و ضلالت کا باعث ہوگی اور اس امر کی تعلیم کرنے کیلئے مرشد کامل چاہئے پھر میں نے سوال کیا فقیروں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں تو ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی دو قسمیں ہیں: (۱) فقیر ظاہری (۲) فقیر باطنی۔ یہ دونوں مقام بھی بلا توجہ کامل مرشد کے منکشف نہیں ہوتے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ خاکی دل کس راستے سے آتا ہے اور کس راستے سے جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک ایسا رمز ہے کہ دونوں مقامات شریعت طریقت اور حقیقت معرفت میں معلوم کرنا ہر انسان پر فرض واجب ہے اور جو آدمی ان مقاموں کو نہیں جانتا وہ حیوانِ مطلق ہے

اس کو زندہ کہنے کے بجائے مردہ کہنا چاہئے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ علم جاننے کی کوئی حد ہے ارشاد فرمایا علم وہ ہے جو رب کریم کو ہر نام سے پہچانتا ہو۔ پھر شاہ صاحب نے نفس کی قسمیں بیان کی پہلی قسم **نفس ناطقہ**، یہ وہ نفس ہے جس سے انسان کو فصیح زبان پر پاکیزہ قسم کی گفتگو جو ہر انسان کے دل پر چسپاں ہو۔ دوسری قسم **نفس امارہ**، جسے بے فائدہ گفتگو کہتے ہیں اور عمدہ کھانا ہر اُس چیز کی طرف خواہش کم ہو جس میں آخرت کا نفع ہو یہ سب اسی نفس سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسری قسم **نفس مطمئن**، جس سے کبھی تو اچھی گفتگو اور نیک فعل صادر ہوں اور کبھی بدگوئی ہو اور کبھی اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے موافق عمل ہو اور کبھی شرع کے خلاف ہوتا ہے۔ چوتھی قسم **نفس لوامہ**، جس سے ہر وقت شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے موافق اُس کا عمل ہوتا ہو ان چار طریقوں کے خلاف آدم کی جامع حقیقت ہے۔

روح کی تین قسمیں ہیں

پہلی قسم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **قولہ تعالیٰ قل الروح من امر ربی** یعنی کہہ دے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔ دوسری قسم روحِ وجودی ہے جس کو انسان کی ہر رگ میں فرشتہ پیوست کر دیتا ہے۔ تیسری قسم روحِ نوری ہے جو ہر عضو میں طرح طرح کی تجلی مرحمت فرماتا ہے۔

توجہ کی چار قسمیں ہیں

پہلی قسم القاء یعنی جس کے معنی ڈالنا پنچورہ کی طرح جب پانی سے خالی ہوتا ہے تو اس کو پھر بھر دیتے ہیں اس سے مراد ہے کہ ہر روز توجہ قدرے قدرے دیا کرتے ہیں۔ دوسری قسم اخذ ہے، اخذ سے مراد وہ پھول جو تل کی مانند ہے اوپر اور نیچے پھول رکھتے ہیں اور درمیان میں تل ہوتا ہے چند روز کے بعد تل کو پھول کی خوشبو حاصل ہو جاتی ہے۔ تیسری قسم انعکاس ہے، چشتیہ طریقے کے لوگ اس قسم کی توجہ میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں۔ یہ چشتیہ طریقے میں صحبت کہلاتی ہے معنی اس کے یہ ہوئے کہ ہر روز مطلوب کا عکس ڈالتے ہیں جس طرح آفتاب کا عکس پڑتا ہے اور ان تین طریقوں کا چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں بہت زیادہ معمول ہے۔ چوتھی قسم توجہ اتحاد ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دو جنسیں مل کر ظاہر باطن میں ایک ہو جائیں اس سے مراد یہ ہے کہ مرشد مرید کو ظاہر و باطن میں اپنے جیسا کر دے۔ (فتاویٰ عزیزی)

مزارات اولیاء پر حاضری کا ثبوت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے بزرگ کے مزار پر جائے تو بزرگ کی قبر کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور فاتحہ پڑھے اور پھر سینے کی طرف بیٹھ کر اکتالیس مرتبہ یہ دُعا پڑھے: سبوح قدس ربنا و رب الملائکة والروح یا اسم ذات کا ذِکر کرے اور اسکے بعد خاموش مراقبہ میں بیٹھے اور جب رُخصت ہو تو السلام علیک یا ذالروح اور جب عام آدمی کی قبر پر جائے تو فاتحہ پڑھے اور سینے کی طرف مراقبہ میں بیٹھے اور جب اُٹھے تو السلام علیکم کہے۔

ایک اور مقام پر شاہ صاحب سے سوال کیا کہ زیارت قبور کا طریقہ کیا ہے تو آپ نے یہی مذکورہ طریقہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ سورۂ انا انزلنا فی لیلة القدر تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دُور کر کے اور دل کو اُس بزرگ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچیں گی۔ (فتاویٰ عزیزی)

کیا اولیاء اللّٰہ کی قبر سے استمداد جائز ہے یا نہیں؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اولیاء کرام کے کمال مشہور ہیں اور تواتر سے ثابت ہیں تو اگر کسی ولی کی قبر سے استمداد حاصل کرنا چاہے تو اس ولی کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر اُنگلی رکھے اور شروع سورۂ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر ولی کے پاؤں کی جانب آمن الرسول آخر سورت تک پڑھے پھر کہے اے میرے فلاں حضرت میں فلاں کام کیلئے بارگاہِ الٰہی میں دعا اور التجا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں سفارش کے ذریعے سے میری مدد کریں پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کیلئے دعا کرے۔

پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ استمداد اُن اولیاء کرام سے مانگنی چاہئے جن کا کمال مشہور ہو اس کے بعد فرماتے ہیں اہلِ قبور سے استمداد کے بارے میں فقہاء میں باہمی اختلاف ہے ان فقہاء نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا دوسرے اہل قبور سے استمداد حاصل کرنے سے انکار کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ زیارت سے شرع میں صرف یہ مقصود ہے کہ اموات کے حق میں دعا اور استغفار کیا جائے اس کے ذریعے سے بعض فقہاء کرام اس امر کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دوسرے اہلِ قبور سے بھی استمداد کرنا جائز ہے ظاہر ہے کہ یہ فقہاء میت کے سَمع اور اِدراک کے قائل ہیں اس لئے وہ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ اولیاء کرام سے استمداد کرنا جائز ہے جن فقہا کو میت کے سمع اور اِدراک سے انکار ہے ان کو استمداد کے جواز سے بھی انکار ہے اہلِ قبور سے استمداد کرنا ایک ایسا امر ہے کہ وہ مشائخ جو اہل کشف اور کمال ہیں ان کے نزدیک یہ کامل طور پر ثابت ہے حتیٰ کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ارواح سے فیض حاصل ہوا ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجرب تریاق ہے دعا قبول ہونے کیلئے اور حجت الاسلام نے فرمایا ہے کہ جس سے حیات کی حالت میں استمداد کی جاتی ہے اس سے موت کے بعد بھی استمداد کی جاتی ہے ایسا ہی صلہ میں اموات کے نفس سے بھی استعانت کرنے میں بھی نفع پایا جاتا ہے اس واسطے کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی نفس کا تعلق بدن کیساتھ باقی رہتا ہے۔

میت کے نفس کا تعلق اس تربت کے ساتھ بھی رہتا ہے جس میں وہ دفن کیا جاتا ہے جب وہ اس تربت کی زیارت کرتا ہے اور میت کے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس میں تلاقی حاصل ہوتی ہے اور استفادہ ہوتا ہے اس بارے میں اختلاف ہے کہ استمداد زندہ کی زیادہ قوی ہے یا میت کی بعض محققین کے نزدیک میت سے استمداد قوی ہے اس بارے میں بعض روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم متحیر ہو جاؤ اور امور میں یعنی کوئی کام انجام کرنے میں متحیر ہو جاؤ تو چاہئے کہ صحابہ کرام کی قبروں سے مدد چاہو۔ شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ اجل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ نہیں پائی جاتی ہے کتب وسنت سلف صالحین کے اقوال میں کوئی ایسی چیز کہ مخالف اور منافی اس استمداد کے ہو۔ اس کو رڈ کرے تو حاصل کلام یہ ہوا کہ روح باقی رہتی ہے اسی وجہ سے جب کوئی قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتا ہے تو روح ان کے احوال سے خبردار ہوتی ہے اور کاملین کی ارواح کو بحالتِ حیات اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب کا درجہ حاصل رہتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی روح کرامات پر تصرف اور استمداد میں موثر ہوتی ہے اور موت کے بعد بھی قرب کا وہ درجہ باقی رہتا ہے اسی وجہ سے تصرفات کی قوت بھی باقی رہتی ہے، جس طرح حیات میں یہ قوت باقی رہتی ہے کیونکہ اس وقت روح کا تعلق کلی بدن کے ساتھ رہتا ہے پھر موت کے بعد بھی تصرفات کی وہ قوت زیادہ ہو جاتی ہے تو اسی حالت میں استمداد سے انکار کرنے کیلئے کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ اوّل امر سے منکر ہو جائیں یعنی یہ کہیں کہ موت کے بعد روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور حیات کا علاقہ زائل ہو جاتا ہے تو اس حالت میں روح کا بدن سے کچھ بھی تعلق باقی نہیں رہتا تو یہ نص کے خلاف ہے تو اس صورت میں قبر کی زیارت کرنا اور قبر کے پاس جانا یہ سب لغو ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ عامہ اخبار و آثار سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے اور استمداد کی کوئی صورت نہیں بلکہ صرف یہ صورت ہے کہ محتاج اپنی حاجت طلب کرے جناب باری سے اس بندے کے روحانی توسل کے ذریعے سے وہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہو تو یہ کہے اے خداوندِ تعالیٰ اس بندے کی برکت سے کہ تو نے رحمت اس پر فرمائی ہے اور اسکو بزرگی دی ہے میری حاجت پوری فرما، یا اس ولی کی طرف متوجہ ہو کر کہے کہ اے خدا کے بندے اور ولی میرے حق میں سفارش کر اور میری مراد خدا تعالیٰ سے طلب کرتا کہ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرمادے کیونکہ بندے کے درمیان صرف وسیلہ ہے کہ یہ اللہ کا ولی ہے اس میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں منکرین کو صرف وہم ہوا ہے حالانکہ یہ مسئلہ بالاتفاق جائز ہے کہ صالحین اور دوستانِ خدا سے انکی حالت حیات میں توسل طلب کیا جائے اور ان سے دعا کرنے کیلئے کہا جائے تو یہ کیونکر ناجائز ہے ان کی وفات کے بعد ان سے استمداد کیا جائے اور کاملین کی ارواح میں حینِ حیات بعد الممات حالتوں میں کچھ فرق نہیں سوا اس کے بعد موت کے ان کے کمال میں ترقی ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

ایک اور مقام پر آپ اصلاح کی قسمیں بیان کر کے چوتھی قسم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء ائمہ اور اہل بیت عظام کی روح سے توسل حاصل کرنا ہے کیونکہ یہ بزرگ اس باب میں بڑی توقیر رکھتے ہیں اور دائمہ اور مستمرہ لازمہ قوت کا فائدہ حاصل کرنا ہے جس سے عالم میں تصرف کیا جاسکتا ہے جبکہ امراض کا سلب کرنا، درد کو تسکین، جمادات اور حیوانات کو مسخر کرنا اور اس باب میں امداد حاصل کرنا ان بزرگوں کی ارواح طیبہ سے اور فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی ارواح کو بخشنا خاص کررات کے آخری حصے میں مجبوب ہے اور کبھی یہ استفادہ زندہ آدمی سے بھی کیا جاتا ہے اور وہ ارواح جن سے فی زمانہ اس قوت کا اکتساب کیا جاسکتا ہے اور اس میں مجرب وہ معمول ہیں وہ پانچ روحیں ہیں: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدسہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خواجہ معین الدین سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ نے ولی کے مزار پر جانے کی ترغیب دی

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی مزار پر حاضری دیتے تھے اور وہاں سے فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے، ولی اللہ کی قبر پر حاضری اسلام میں نجات کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ایک روز شاہ صاحب نے اپنے ایک طالبِ علم سے ارشاد فرمایا کہ تم شاہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مزار پر جاؤ، تازہ وضو کر کے اوّل نمازِ مغرب ادا کرو اور بعد دو رکعت نماز ادا کرو اور اس میں مختلف سورتیں پڑھو، ایک بلی آئے گی تم اپنی نماز پوری کر لینا، سلام پھیرنے کے بعد اس بلی کو پکڑ کر ذبح کر کے کپڑے میں لپیٹ کر ہمارے پاس لے آنا۔ چنانچہ طالبِ علم نے بموجب ارشاد آپ کے عمل کیا جب بلی کو حضرت کے روبرو کھولا کپڑا ہٹا کر دیکھا کہ وہ تمام طلا ہے دوسرے روز طالبِ علم نے پھر ایسا کیا اس روز کچھ نہ ہوا تو یہ امتحان تھا اس طالبِ علم پر کہ اس کو ولی کے مزار پر حاضری دینے کی ترغیب دینا تھی کیونکہ یہ طالبِ علم کشف قبور اولیاء کا منکر تھا۔

شاہ صاحب نے اپنی کتب میں مختلف مقام پر قبور اولیاء پر حاضری کی ترغیب دی اور قبروں پر حاضری کے بعد قبروں کا طواف اور قبروں پر سجدہ کرنے سے منع فرمایا اور یہی عقیدہ علماء اہلسنّت و اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا ہے۔

بوسہ دینے کے بارے میں شاہ صاحب نے اجازت دی ہے اور قبروں پر چادر غلاف وغیرہ چڑھانا اور اُس پر اسلامی شعار وغیرہ لکھنا اور کلمہ طیبہ کا نقش بھی جائز ہے اور قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے استدلال کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ مشہور عمل جو کہ حدیث مبارک میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ دو قبروں سے گزرے تو دونوں قبروں کی میتوں پر عذاب ہو رہا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو سبز شاخیں کھجور کی لیں اور ایک ایک دونوں قبروں پر لگادیں تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج آپ نے قبر والوں سے جو یہ عمل کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا تو اسلئے ان پر عذاب ہو رہا تھا جب میں نے یہ سبز شاخیں ان کی قبروں پر لگائیں تو ان شاخوں کی تسبیح کی برکت سے ان سے عذاب دور ہو گیا۔ اس مسئلے میں شاہ صاحب محدثین کے باہمی اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ امر وقت کے تعین کیلئے وقوع میں آیا ہے کہ اس وقت عذاب میں تخفیف کی جائے گی یعنی یہ حکم ان دونوں میتوں کے حق میں خاص تھا عام نہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حکم ہر میت کیلئے عام ہے جب کوئی شخص ایسا کرے گا تو جب تک شاخیں خشک نہ ہوں گی عذاب میں تخفیف ہوگی اس واسطے کہ سبز شاخ تسبیح کرتی ہے تسبیح کی مقاربت تخفیفِ عذاب کا باعث بنتی ہے چنانچہ کانٹا اور گھاس وغیرہ جو قبر پر جم جائے اگر وہ سبز ہو تو اس کو وہاں سے نکالنا ممنوع ہے اس واسطے کہ یہ چیز جب تک سبز رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اس تسبیح سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یعنی سبز چیزوں سے چاہے وہ پھول کی صورت میں ہو یا چادر کی صورت میں اس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اگر اس پھول کی قیمت بطورِ صَدَقہ دیں تو اس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اور جب پھول وغیرہ قبر پر خشک ہو جائیں تو ان کو نکال دینا مکروہ نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی قبر کے اندر شجرہ وغیرہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے کفنی لکھنے کو بھی جائز قرار دیا ہے یہی نظریہ علماء اہلسنّت کا رہا ہے۔ (فتاوئ عزیزی)

قبر پر پانی چھڑکنا، خوشبو لگانا، پھول ڈالنا

ان کے بارے میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ قبر پر پانی چھڑکنا بعد دفن کے ثابت ہے لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد پانی چھڑکنا شرع سے ثابت نہیں۔ لیکن اگر کام ہو تو اس کے استحکام کیلئے پانی چھڑکا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ایسا ہی اگر پانی چھڑکنے سے یہ منظور ہو کہ جانوروں اور پرندوں اور حیوانوں کی نجاست قبر کے اوپر سے دُور کی جائے اور قبر پاک کی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی لئے عوام اہلسنّت اولیاء اللہ کی قبروں کو غسل دیتے ہیں۔

جب ایک مسئلے کی اصل ثابت ہو جائے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو وہ مسئلہ جائز ہوتا ہے نہ کہ ناجائز اگر کہیں پر ان نجاستوں کا حکم نہ پایا جائے تو وہاں پر بھی اگر برکت کیلئے یا مزار کی صفائی وغیرہ کیلئے مزار کو غسل دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے پھول اور خوشبو وغیرہ قبر پر رکھنا اس سے ماخوذ ہے کہ میت کے کفن میں کافور وغیرہ، خوشبو کی چیزیں شرعاً ثابت ہے اور دفن کے بعد میت قبر کے اندر رہتی ہے البتہ یہ چیزیں قبر پر رکھنے سے اس میت کی مشابہت جدید میت کیساتھ ہوتی ہے تو احتمال یہ ہے کہ خوشبو کی چیزیں قبر پر رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے اس واسطے کہ اس حالت میں روح کو خوشبو سے لذت حاصل ہوتی ہے اور روح تو باقی رہتی ہے اگرچہ وہ خاصہ جس کے ذریعے سے خوشبو روح کی زندگی میں پہنچتی ہے اور موت کے بعد حالت حیات کے مانند باقی نہیں رہتی لیکن یہ امر اس کا قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً ثابت ہے کہ میت کو بعد موت کے لذت اور خوشی معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فیا تیھی من روحھا و طیبھا میت کو سرد ہوا بہشت کی پہنچتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں شہداء کے بارے میں آیا ہے یعنی شہداء کو روزی دی جاتی ہے اور خوش ہوتے ہیں تو اس سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ قبر پر خوشبو کی چیزیں رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے۔ (فتاوئ عزیزی)

قبر پر اذان دینا اور تلقین کرنا

قبر پر اذان دینا اور تلقین کرنا جائز ہے۔شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ قبر پر مراقبہ کرنا دفن کے بعد تلقین کرنا فقہا احناف کے نزدیک جائز ہے اور اس عمل سے میت کو فائدہ ہوتا ہے اور قبر پر اذان کے بارے میں آپ فرماتے ہیں مشائخ عظام میت کو دفن کرنے کے بعد اور مٹی کو برابر کرنے کے بعد فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام عرض کر کے وہاں سے رُخصت ہوتے ہیں اور یہی عقیدہ علماء اہلسنّت کا رہا ہے آج عوام اہلسنّت اس پر عمل پیرا ہیں۔دیوبندی وہابی یعنی نجدی ذہنیت رکھنے والے لوگ ان امور کو شرک وبدعت کہتے ہیں حالانکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ امور شرعاً ثابت ہیں ان میں شرک وبدعت کا کوئی شائبہ نہیں۔ (ملفوظاتِ عزیزی،ص ۱۶۱)

مزارات اولیاء سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ھے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے کے بعد دل میں یہ یقین ہو کہ شفاء اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن اپنے نیک بندوں کے وسیلے سے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ فرمایا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ہمیشہ ایسا جم غفیر ہوتا تھا کہ لوگ ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہو کر جب مزار پر آتے تو اللہ کے فضل سے صحت یاب ہو کر واپس جاتے۔اسی طرح اصحاب کہف کی قبروں سے یا ان کے نام مبارک کے وظیفے سے یا اُن کی قبروں کے پاس جو مسجد ہے اُس میں نفل پڑھنے سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ہے اور متعدد اولیاء کرام کے مزاروں سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔

جس جگہ کسی اللہ کے ولی کی قبر ہوتی ہے تو وہاں سے اللہ تعالیٰ وباء اور بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اللہ کے ولی کے لکھنے یعنی تحریر سے بھی اللہ تعالیٰ عذاب اور بیماریوں کو دور فرما دیتا ہے جس طرح کہ شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی میں مقیم تھے مکھیاں نہایت ہی کثرت سے پیدا ہو گئیں اور لوگ ان سے تنگ آ گئے۔سب نے شیخ کی طرف رجوع کیا زیادہ اصرار کے بعد آپ نے مکھیوں کے نام ایک خط لکھا اور شہر کے دروازے پر اس کو آویزاں کر دیا۔لوگ کہتے ہیں کہ مکھیاں جوق در جوق جانے لگیں مکھیوں کے جانے کے بعد شہر میں وباء پھیل گئی اس لئے ولی اللہ نے شہر کے باہر جانا پسند فرمایا کہ وہاں کے لوگ شریعت کے بالکل خلاف عمل کرتے تھے اور ولی کے حکم میں ہر چیز تابع ہوا کرتی ہے۔ (ملفوظاتِ عزیزی،ص ۱۴۳)

شاہ صاحب کے نزدیک اولیاء کا عُرس منانا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں، ایک مہینے کو خاص کر کے اس مہینے میں لوگ اولیاء کرام کے بہت عرس مناتے ہیں کہ اس مہینے کی تیسری تاریخ کولوگ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عرس مناتے ہیں اور اسی مہینے کی سولہویں تاریخ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عرس مناتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُنیس تاریخ کو زخمی ہوئے تھے اور اکیس تاریخ کی رات کو آپ نے رحلت فرمائی تھی ان تاریخوں کے درمیان لوگ آپ کا عرس مناتے ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا عرس اسی مہینے میں ہوتا ہے۔

ایک دن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایک عرس کی تقریب میں شریک ہوئے وہ عرس کی تقریب عبدالعزیز شکر بار کی تھی اور شاہ غلام سادات بھی وہاں موجود تھے تو شاہ صاحب اس محفل میں تھے کہ شاہ غلام سادات نے قوالوں کو طلب کیا انہوں نے قوالی پڑھی تو دونوں پر وجد طاری ہوگیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کے بعد ولی کے تبرکات پر حاضری دی یہ تبرکات حضرت شاہ محی الدین کی خانقاہ میں تھے ابھی تبرکات کی زیارت ہی کر رہے تھے اتنے میں بیت اللہ شریف سے ایک بزرگ تشریف لائے ان کے پاس آبِ زم زم تھا اور پیش کیا آپ نے کھڑے ہو کر احترام سے پیا آپ نے کھڑے کھڑے دعا پڑھی اور اس کے بعد تھوڑا پانی باقی رہا وہ اپنے مرید کو دیا اور آپ نے فرمایا یہ ولی کا تبرک ہے اس کو تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم کر دو۔ سب حاضرین نے اس پانی کو تبرک سمجھ کر پیا سب نے پینے کے بعد کہا کہ آبِ زم زم میٹھا تو نہیں ہوتا حالانکہ یہ پانی بالکل میٹھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا ایک بات عام ہے جو اس کو نسبت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی مبارک سے ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو ایک ولی سے نسبت ہے اور تیسری اس کو اولیاء کی محفل سے نسبت ہے۔ اولیاء کی محفل سے اس میں مٹھاس زیادہ ہوگئی پھر آپ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آبِ زم زم کو تبرکاً جس نیت سے پیا جائے مطلب حاصل ہوتا ہے جو آدمی آبِ زم زم کو شکم سیر ہو کر پیئے گا اس پر جہنم کی آگ اثر نہیں کرے گی پھر آپ نے فرمایا اس پر اکثر لوگوں نے تجربہ کیا ہے پھر فرمایا کہ آبِ زم زم شبِ برأت کو کنارے کے قریب آجاتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ عرس کرنے سے اپنے پیر کی تعظیم ہوتی ہے پھر آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر تجلیٔ الٰہی جلوہ فگن ہوتی ہے یہ وہ اولیاء کرام ہیں جنہیں تجلیٔ الٰہی سے سب کچھ نظر آتا ہے اور بعض اوقات ان کی نظر صرف اپنے اوپر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو ٹھہرایا تھا اور میں ہی قیامت کا باعث ہوں میں زندہ رہوں گا اور مجھے موت نہیں آئیگی یا دوسرے بزرگ جو اپنے اندر تجلی پاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ملفوظاتِ عزیزی، ص ۱۱۱)

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس یعنی گیارھویں شریف

گیارہ تاریخ کو لوگ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ بادشاہ، اکابرین شہر مزار مبارک پر جمع ہوتے ہیں بعد نمازِ عصر کلام پاک کی تلاوت پھر نعت خوانی ہوتی ہے آپ کے فضائل اور کرامات بیان کئے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ بلا مزامیر ہوتے ہیں اور مغرب تک یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اسکے بعد سجادہ نشین اور مریدین اور اہل مجلس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں ذکر بالجہر کرتے ہیں پھر معاملات سے فارغ ہو کر لنگر شیرینی جو کچھ موجود ہوتا ہے اس پر نیاز کر کے تقسیم کرتے ہیں۔

(ملفوظاتِ عزیزی، ص ۱۲۷)

اولیاء اللہ کے نام پر جانور نذر کرنا

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں، کسی نے سوال کیا کہ کسی شخص نے یہ نیت کی کہ اگر فلاں کام میرا ہو جائے تو سیّد احمد کبیر کی گائے یا شیخ سدّو کا بکرا میں دوں گا۔ جب اس کی مراد حاصل ہوئی تو اس نے نامِ خدا لے کر ذبح کیا مگر اس نے دل میں سیّد احمد اور شیخ سدّو کے ساتھ گائے کی نسبت کی اور یہ حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کی صورت کی طرف نظر نہیں کرتا بلکہ تم لوگوں کے دِلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیت کا ضرور دخل ہے اور اس صورت میں مذکورہ گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا، جائز ہے کیونکہ اس کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے اگر اس کی نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نزدیکی حاصل ہو یا اس کا گوشت خود کھانا یا گوشت فروخت کرنا مقصود ہو یا اس سے کوئی بھی جائز کام مقصود ہو ان میں ذبح کرنا حلال ہے۔ پھر آپ نے مفسرین اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے دلیل دی اس بات کی کہ وہ جانور حرام ہوتا ہے جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے جس طرح قرآنِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وما اهل لغير الله به اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم بالکل واضح ہے کہ وہ جانور حرام ہے کہ جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں ہدایہ شریف کہ اس مشہور مسئلہ میں یہ حکم بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ فی زمانہ جو لوگ اولیاء اللہ کے نام پر جانور نذر کرتے ہیں وہ صرف تقرب حاصل کرتے ہیں۔ جاہل سے جاہل آدمی کسی اللہ کے ولی کے نام پر یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر جانور خرید تے ہیں اور منت مانتے ہیں ذبح کے وقت وہ **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کر ذبح کرتا ہے تو یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب قربانی فرمائی تو اس پر دعا پڑھی یعنی اے اللہ تو قبول فرما اس ذبیحہ کو اُمتِ محمدیہ کی طرف سے جو تیری توحید اور میری رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔

تو پتا چلا کہ جانور جو گیارہویں شریف میں ذبح کیۓ جاتے ہیں بالکل شریعت کے مطابق جائز ہیں۔ اگر کوئی شخص ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارے یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے یہ شرک ہے اور اس سے جانور حرام ہوجاتا ہے لیکن جانور کو کسی اللہ کے بندے کی طرف منسوب کرے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو یہ امر بالکل جائز اور عین شرع ہے۔

شاہ صاحب اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ عرس کی ناجائز صورت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، لا تجعلو قبری عیدا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت کہاں ہوتی ہے کہ عرس میں عید جیسا سماں ہوتا ہے حالانکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف اور اس صاحبِ عرس کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہیں اس حدیث سے اور اس کے منع پر دلیل پکڑنا یا دلیل لینا نہایت ہی جہالت ہے جو لوگ کسی حلال امر کو حرام قرار دیتے ہیں شاہ صاحب کے نزدیک دین اسلام سے خارج ہیں اب عرس کی محفل کو حرام کہنے والا شاہ صاحب کے نزدیک دین اسلام سے خارج ہے اسلئے عرس میں سب امور حلال ہیں۔

ولی عرس کی محفل میں حاضر ہوتا ہے اس لئے کہ اولیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں اپنی قبروں میں اور دنیا میں گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اہلسنّت کے نزدیک۔ اس لئے شاہ صاحب نے اس مسئلے کی وضاحت اس مشہور حدیث سے کی ہے کہ ولی دنیا سے مرتا نہیں بلکہ پردہ فرماتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں نفس کے ساتھ جہاد کرکے اپنی قبر میں جاتے ہیں تو ان کو وہاں وہ مقام دیا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا نیک بندہ تینوں سوالاتِ قبر سے کامیاب ہوجاتا ہے تو فرشتے اس سے فرماتے ہیں کہ تو ایسے سو جا جیسے دلہن سوتی ہے کہ اس کے محبوب کے علاوہ اُسے کوئی نہیں جگاتا۔ جب ولیوں کو ماننے والے ان کی یاد میں محفل منعقد کرتے ہیں جب ولی کو کسی مشکل میں پکارتے ہیں تو وہ ہر قسم کی دستگیری کرتا ہے اپنے ماننے والوں کی۔ لہٰذا اہلسنّت و جماعت کے نزدیک عرس کا یہی مفہوم ہے جس کو شاہ صاحب نے اپنی مختلف تصانیف میں ذکر کیا لہٰذا عرس منانا تمام علماء کرام و محدثین کرام کے نزدیک جائز امر ہے۔ (ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز، ص ۵۷)

شاہ صاحب کے نزدیک کراماتِ اولیاء حق ہیں

شاہ صاحب سے ایک مرید نے عرض کیا کہ اولیاءِ سلف کے خرقِ عادت اور کرامتیں جو بیان کرتے ہیں مثلاً اینٹ کو سونا کردینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، یہ سچ ہے یا زمانے کی وجہ سے اختلاف ہوا ہے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان روایات میں بہت مبالغہ ہے لیکن بعض اولیاء اللہ کی کرامتیں جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں تواتر کی حد تک پہنچ گئیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے زمانے میں کرامتیں بہت وقوع میں آتی تھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاضت شاقہ کو خرقِ عادات میں بڑا دخل ہے لہٰذا مشہور اولیاء کرام کی کرامتیں ایسی ہیں کہ اُن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی خاطر کبھی کبھی آسمان پر بھی اُن کے تصرفات ہوتے ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج غروب ہونے کے بعد واپس لوٹایا تو اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بھی یہ مقام عنایت فرماتا ہے آپ نے فرمایا کہ خرقِ عادات کی چھ قسمیں ہیں: اوّل **معجزہ**: وہ جو کفار کے مقابلے میں نبی سے ظاہر ہو، جیسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات ظاہر ہوئے۔ دوسری قسم **کرامات**: جو اولیاء سے صادر ہو، جیسے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صادر ہوئیں۔ تیسری قسم **ارہاص**: جو نبوت سے پہلے ظاہر ہوں۔ **چوتھی قسم** عام مومنین کے حق میں دعا کی قبولیت اور اجابت وہ مومن خواہ عابد ہو زاہد ہو یا فاسق ہو یا فاجر ہو۔ پانچویں قسم **استدراج**: جو کفار کی طرف سے مقابلے اور دعوے کے طور پر واقع ہوں یعنی درجہ بدرجہ اس کو اور اس کے ماننے والوں کو گمراہی کی طرف کھینچنا۔ (ملفوظاتِ عزیزی، ص ۹۷)

اولیاء اللہ کی ایک وقت میں مختلف مقامات پر حاضری

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میر علی ہمدانی کی چالیس غزلوں پر ثبوت باہم پہنچنا اس میں کوئی شبہ نہیں یعنی آپ کو چالیس مہمانوں نے مدعو کیا تھا ہر ایک کے پاس پہنچے اور ہر ایک کو ایک غزل لکھ کر دی اور آپ وہاں سے چلے آئے اب لوگوں میں باہم نزاع پیدا ہوا ہر ایک کہا تھا کہ میر علی ہمدانی اس وقت میرے پاس موجود تھے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میر علی ہمدانی کا چالیس آدمیوں کے پاس بیک وقت حاضری دینا دُرست ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ولی ایک وقت میں ہر مقام پر حاضر ہوسکتا ہے اپنے ماننے والوں کی مشکل کو حل فرماتا ہے ولی اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنا کہ محمد علی نامی ایک بزرگ نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ گجرات میں شاہ دولہا سے لاہور کی طرف تین دن کی مسافت کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے دو قبریں تھیں لوگوں نے دریا کی طغیانی کے خطرے کی وجہ سے ان دونوں قبروں کو کھود کر دوسری جگہ منتقل کردیا اُن میں سے ایک شخص کا کفن ذرا میلا ہوگیا تھا اور دوسرے کا کفن ایسا ہی تھا جیسا کفن دیا تھا لیکن لاشیں دونوں کی صحیح سالم حالت میں تھیں تو یہ دونوں اللہ کے نیک بندوں کی قبریں تھیں جس کا کفن میلا ہوگیا تھا وہ وضو میں زیادہ اہتمام نہیں کرتا تھا اور جس کا کفن بالکل ٹھیک تھا وہ بڑے اہتمام کے ساتھ وضو کرتا تھا۔ (ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز)

کسی اللہ کے ولی سے بیٹا مانگنا

چنانچہ ایک شخص کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس نے آکر شاہ صاحب سے فرمایا کہ میرے اولاد نہیں ہوتی آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بیٹا عطا فرمائے تو آپ نے دعا فرمانے کے بعد کہا! جا تیرے ہاں بیٹا ہوگا اور اس کا نام یوسف رکھنا تو جب اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام جوزف رکھا تو شاہ صاحب نے جب بچہ کا نام سنا تو اس شخص سے پوچھا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کیلئے میں نے دعا کی تھی لیکن تم نے اسکا نام جوزف رکھا ہے لیکن میں نے تم کو کہا تھا کہ اس کا نام یوسف رکھنا تو اسی شخص نے کہا کیا ان کے درمیان کوئی فرق ہے تو آپ نے فرمایا کہ فرق تو کچھ نہیں صرف زبان کا فرق ہے آپ نے آگے چل کر فرمایا کہ میں اللہ کے ولیوں سے تعلق رکھتا ہوں اور تم بھی ولیوں سے تعلق رکھا کرو تا کہ اللہ آپ کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کے بعد آپ سے کسی انگریز نے سوال کیا کہ آپ لوگ جو کہتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمارے قرآن میں نہ ہو کیا یہ بات سچ ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بات سچ ہے۔ انگریز نے کہا بھلا کیمیا کا نسخہ کیا ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا، تانبہ لاؤ تو تانبہ کا ایک ٹکڑا لایا گیا تو آپ نے اس پر پڑھ کر دَم کیا قرآن پاک کی آیت پڑھنے کے بعد وہ تانبہ سونا بن گیا اور انگریز نے کہا کہ کوئی اور شخص آیتِ قرآن پڑھ کر تانبے پر دم کرے تو کیا سونا بن سکتا ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ قرآن پاک کی تاثیر میں تو کوئی شک نہیں لیکن زبانوں کا فرق ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندے سب کچھ کر سکتے ہیں، اللہ کی عطا سے۔

(ملفوظاتِ عزیزی، ص ۹۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رجب کی چوتھی تاریخ کے بارے میں کہ حضرت امیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس دن یہ تاریخ ہوگی تو اسی دن رمضان کی یکم ہوگی اور عید الاضحیٰ اسی دن ہوگی تو آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہمیشہ ایسا ہی پایا۔ اس سال جنتری کے حساب سے چاند تحت الشعاع میں ہے اور ایک حصہ رات گزرنے کے بعد نکلے گا اور ہندسوں کے دوج کا اعتبار کبھی نہیں کیا گیا جب تک چاند کو نہ دیکھا حکم نہیں فرمایا۔

شاہ صاحب ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت قطب صاحب کے مینار کے اوپر سے جس کی پہلے سات منزلیں تھیں اب چھ رہ گئی ہیں۔ ایک فقیر وہاں حساب کیا کرتا تھا اور عجیب عجیب کرتب دکھایا کرتا تھا اس کے کپڑے ڈھیلے ڈھالے اور گھیرے ہوتے تھے کرتے میں ان کے کپڑوں کی وجہ سے ہوا میں معلق ہوجاتا تھا اور نہایت ہوشیاری سے تمام مجمع میں سے اس شخص کو پکڑ لیتا تھا جو نیچے سے اس کو روپیہ دیتا تھا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس شخص کو یہ کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایک اور مقام پر شاہ صاحب نے دیوان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جنّوں کی بہت قسمیں ہیں جبکہ عربی کے محاورے میں ہے، للجنون فنون ۔ کشمیر میں ایک دیوانہ تھا جس کسی کو دیکھتا تھا اور قابل سمجھتا تھا کہتا تھا بیٹھو حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ برسرِ پیکار میں مدد کرتا ہوں ایک دوسرا دیوانہ آیا اور کہا حضرت للہ حویلی دیوانے آدمیوں نے کہ اس کو جھڑک دیں تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حویلی شاہی قول کے ساتھ ہے جب تو قلعہ حاصل کرے گا تو حویلی تجھے اس وقت دونگا تو اس دیوانے نے کہا کہ قلعہ آئندہ سال لوں گا شاہ صاحب فرماتے ہیں، اس نے کہا کہ ایک سال تک کہاں رہوں، تو فرمایا جامع مسجد کے مینارے پر یہ بہت بلند مقام ہے۔

معجزہ اور کرامت دونوں نبی اور ولی سے ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر معجزے مشہور ہیں۔ معجزہ وہ ہے جو بر بنائے تحدی واقع ہو ورنہ کرامت ہے چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکثر کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جو حد تواتر تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک واقعہ مشہور ہے جو جوگی جے پال نامی کا ہے۔ اس واقعہ کی وجہ سے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ولی الہند کہا جاتا تھا بہت سے ہندو آپ سے عقیدت رکھتے تھے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامتوں کی مشہوری عام مسلمانوں میں تھی چنانچہ یہ واقعہ صاحبِ اوراد سبعاً عشر مشہور ہے۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی شان لامتناہی ہے حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض مومن دعا کرتے ہیں اور فرشتے سفارش کرتے ہیں حکم ہوتا ہے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ اس کا مدعا حاصل ہوجائے چنانچہ مولانا رومی ایک شعر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ورکند رد لطف او شد بیشتر　　　بہر تقریب سخن بادِ دگر

پھر شاہ صاحب ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک تناسخ کہتے ہیں کہ ایک جاندار کے بدن سے دوسرے جاندار کے بدن میں چلے جاتے ہیں (یعنی روح) یہ نہیں کہتا کہ سبزہ بن گئے۔ پس تم اپنی اصلی حقیقت پر نظر کرو نطفہ اور حلقہ سے بتدریج مدارج طے کرکے کہاں سے کہاں پہنچا پھر فرمایا، پہلی غذا کیا چیز تھی چاول یا گندم اس طرح گوشت وغیرہ پھر غذا میں کیا تبدیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا کہ گندم سبزہ میں بدل گیا اور سبزہ گندم بن جاتا ہے پھر فرمایا کہ تمام اولیاء کرام کو اللہ کی طرف سے یہ تصرف اور دسترس حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں پس اس بنا پر ان حالات کا معائنہ کرنے کے بعد وہ بلکہ ان کی حالت خود بہ زبان حال کہتی ہے اور آپ نے فرمایا کہ ایک باریک بات یہ ہے کہ صوفی کی ایک ایسی حالت ہوتی ہے جس کو انقطاع انانیت یعنی اپنی فانیت کو قطعاً فراموش کردیتے ہیں پس وہ حالت یعنی وہ ذات بے مثال خود گویا ہوتی ہے میں وہ ہوں جو اس حال کو پہنچ گئی ہوں اور مختلف مظاہر رکھتی ہوں۔ (ملفوظاتِ عزیزی، ص ۹۷)

شاہ صاحب کے نزدیک مسئلہ شفاعت

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہرعمل بندے کی شفاعت کرے گا آپ ہر چیز میں جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کا نیک عمل اس کا نگہبان ہوتا ہے اللہ کی بارگاہ میں وہ عمل جو اس نے کیا عرض کرتا ہے کہ اے مولا تو نے مجھے پیدا کیا تھا اس بندے کے کرنے کیلئے آج اس بندے نے دنیا میں مجھ سے محبت رکھی آج تو میری وجہ سے اس کو معاف کردے اور میری شفاعت کو اس کے حق میں قبول کرلے تو اللہ تعالیٰ نیک عمل کی شفاعت قبول کرکے اس کو معاف کردیتا ہے۔

یہ تو ہے ہر وہ نیک عمل جس طرح نماز، روزہ، قرآن مجید اور ہر وہ صدقہ اس کی شفاعت کرے گا انبیاء، اولیاء، شہید، علماء شفاعت کریں گے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں اور ہر دروازے کیلئے جداگانہ حصہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ سات دروازے کس کیلئے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی اُمت سے جو لوگ گناہِ کبیرہ کرینگے اور بغیر توبہ کئے ہوئے مرجائیں گے انہیں لوگوں کیلئے یہ سات دروازے ہیں اور ان لوگوں کے گناہ کے موافق اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کرے گا۔ پھر ان لوگوں کو آپ شفاعت سے دوزخ سے نکالیں گے۔ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روئے اور اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور تین دن تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف نہ لائے اور نہ کسی سے کلام فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ فرمایا پھر قبروں اور حشرات الارض ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن لوگوں پر مہربانی کی ہوگی اور ان کو کھلایا پلایا ہوگا اور اسے صدقات اور ہر طرح کی اطاعت ان لوگوں کی شفاعت کرے گی جن لوگوں نے صدقات دیئے ہوں گے اور اطاعت کی ہوگی حتیٰ کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی ہوگی ان لوگوں کی شفاعت وہ مسجد کرے دی جن لوگوں نے جائے نماز دی ہوگی وہ ان لوگوں کی شفاعت کرے گی اور جن لوگوں نے مسجد کو صاف کیا ہوگا وہ کوڑا ان لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۳۲۹)

شفاعت کے بارے میں شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ امور دنیا اور آخرت میں شفاعت سے یہ مراد ہے کہ گناہوں سے معافی کا سوال کیا جائے۔

از روئے لُغت شفاعت کا لفظ عام ہے شفاعت جُرمی اور شفاعت ذنوبی دونوں کو شامل ہے شفاعت جُرمی ایک شخص دوسرے کے بارے میں طالع مطبوع کے حق میں کرسکتا ہے شفاعت ذنوبی بواسطہ کسی وسیلے کے اور بلا واسطہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کیلئے مرید کے واسطے مرشد واسطہ ہوگا اور متعلم کیلئے استاذ شفاعت کا واسطہ ہوگا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی شفاعت کریں گے اس لئے یہ مسئلہ نص قرآن سے ثابت ہے اور سنتِ رسول سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تابعداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور تابعداری کرو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور ان لوگوں کی تابعداری کرو جو تم میں سے صاحبان امر ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی پیروی تم لوگ کروگے سیدھی راہ پاؤگے۔ جن لوگوں نے صحابہ کرام کی تابعداری کی صحابہ کرام ان کی شفاعت کریں گے۔

شاہ صاحب اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ملکوت کل شئی سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا فرمایا اور وہ اللہ کی ہر وقت تسبیح کرتی ہے اور حقیقت میں وہ جسم لطیف ایک ایسا جزو ہے نورانی کہ جو ہر اور عرض سے تعلق رکھتا ہے اور ایسی جو ہر روحانی کے سبب سے قرآن کی سورتیں نیک عمل جیسے نماز، روزہ، کعبہ معظمہ، عالم برزخ میں اور قیامت میں شفاعت کریں گے اور گواہی دیں گے اور آسمان اور زمین دن اور رات گواہ ہوں گے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مؤذن کے واسطے ہر پتھر، ڈھیلا اور درخت کی لکڑی جہاں تک اذان کی آواز پہنچے گی قیامت کے دن گواہی دیں گے اور اسی دن وہ جواہر نوانی اپنی اپنی مناسب شکلیں پکڑ کے حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور گواہی دینے میں اور شفاعت کرنے میں مشغول ہوں گے اور فرق آدمی اور جاندار کی روح کے تعلق میں اور دوسری مخلوق کے روحوں کے تعلق میں یہ ہے کہ وسیلہ دائمی ہے دوسرا حلول سریانی سے مشابہت رکھتا ہے جس نے سب قوائے طبعیہ، نباتیہ اور حیوانیہ میں درد کے آگے اپنے حکم کے تابع کیا ہے اور دوسرا تعلق دائمی نہیں اور حلول طریانی سے مشابہ ہے اس واسطے دنیا میں بعض وقت اثر تعلق کا ظاہر ہوتا ہے اور درخت اور پتھر نبیوں سے کلام کرتے ہیں اور ان کے حکم پر کام کرتے ہیں اور ان کو سلام کرتے ہیں اور قیامت کے نزدیک ان کا تعلق ہمیشہ ہوگا شہر پانی کا ہوجائے گا اسی سبب سے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے نزدیک ایسے ایسے عجائبات بہت پائے جائیں گے اسی وجہ سے انبیاء، اولیاء، شہداء، صدقات، اعمالِ صالحہ شفاعت فرمائیں گے۔ شاہ صاحب نے قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اِذن فرمائے گا اُن میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اُس کے بعد انبیاء و اولیاء اور شہداء اپنے اپنے مقام میں شفاعت فرمائیں گے۔ شاہ صاحب نے شفاعت انبیاء کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۳۲۹)

شاہ صاحب کے نزدیک وسیلہ کا مقام

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وسیلے کا اسلام میں ایک مقام ہے۔ بندہ اللہ کے کسی نیک بندے کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں عفوو درگزر طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کی وجہ سے معاف فرمادیتا ہے اس عمل پر بزرگانِ دین کا قیام ہے اور تفسیر میں سینے کا طع ہے اس کے سچ ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں اسی لئے اولیاء کرام دُرودِ پاک اور نماز اور قرآنی آیتوں سے وسیلہ طلب کرتے تھے اللہ کی بارگاہ میں بڑی سے بڑی مشکل آجاتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک سے مدد مانگتے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کا وسیلہ جو طلب کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مشکلات کو دور فرمادیتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سخت حاجت پیش آئے تو حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کو بارہ دن اور دن میں بارہ ہزار مرتبہ پڑھے، اول وآخر دُرود شریف پڑھے دس مرتبہ اور یہ درود شریف پڑھنا ضروری ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ بارہ اشعار ایک مجلس میں پڑھیں یا ایک شخص اکیلا پڑھے مذکورہ دعا کو تین سو بار پڑھے بعد نمازِ عشاء ایک الگ جگہ بیٹھ کر جہاں تاریکی ہو اور اپنے پاس پانی کا پیالہ بھی رکھے اور لحہ بہ لحہ اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر منہ پر پھیرے تین روز سات روز چالیس روز تک پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے وسیلہ سے اسکی مشکل کو حل فرمادیگا یا ایک لاکھ پچیس مرتبہ چند آدمی مل کر یا صرف اکیلئے بیٹھ کر تین سو مرتبہ اول وآخر دس دس مرتبہ دُرود شریف پڑھے، وہ وظیفہ یہ ہے فسہل یا الٰھی کل صعب بحرمۃ سیّد الابرار سھل پھر عاجزی کے ساتھ دعا کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب جنت میں داخل فرمایا تو آپ کو درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا لیکن آپ درخت کے پاس گئے اور کچھ کھایا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت سے نکالا اور اس کے بعد جب آپ کو معلوم ہوا کہ مجھ سے خطاء سرزد ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے تو اس پر آپ بہت روئے اور آپ نے بہت دعائیں کی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قبولیت کا جواب نہیں آیا ایک روز آپ نے عرش کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو عرش کی بلندیوں پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو آپ نے یہ سوچا کہ یہ جو نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ کسی بڑی کامل ہستی کا نام ہے تو آپ نے سوچا کہ میں اسی کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کروں تو اللہ تعالیٰ میری اس خطا کو معاف فرمادے گا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور آخر میں یہ الفاظ پڑھے: اسئلك بحق محمد ان تغفرلی آپ نے جب ان الفاظ کیساتھ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف فرمایا اے آدم تو نے اس نام کو کس سے سنا اور کس طرح آپ نے سمجھا کہ یہ نام مبارک میرا وسیلہ بنے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے مولا جب میں نے عرش پر دیکھا تو تیرے نام کے ساتھ یہ نام بالکل ملا ہوا تھا تو اسلئے میں نے اسی نام مبارک کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم یہ میرے اس نبی کا نام ہے

اگر مجھے یہ پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا بلکہ میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا اس پیارے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو میں نے پیدا فرمایا اور اُس کے بعد ہر چیز کو پیدا کیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ شان ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اتنا بڑا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے انبیاء علیہم السلام کو عفو و درگزر فرماتا ہے اس لئے آج بھی کوئی شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرمائے گا بلکہ قبول فرما کر اس کی حاجت کو پورا فرمائیگا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نمازِ حاجت پڑھنے سے بندے کی مشکل حل ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نماز کے اندر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابی اگر تو یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ میرے وسیلے سے تیری آنکھوں کی روشنی دوبارہ لوٹا دے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دعا خاص نہیں بلکہ عام ہے جب بھی کوئی اللہ کا بندہ کسی پریشانی میں پھنس جائے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے پڑھنے سے اسکی پریشانی کو دور فرمادیگا کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نام سے وسیلہ طلب کیا جاتا ہے یہ عقیدہ علماء اہلسنّت کا ہے اور شاہ صاحب نے جس طرح عقیدۂ اہل سنت کا دفاع کیا ہے اور اسکو دلائل کیساتھ ثابت کیا ہے کاش کہ آج کے بدعقیدہ دیوبندی وہابی، غیر مقلد مان لیں اور مسلمان ہو جائیں۔ (کمالاتِ عزیزی، ص ۹۲)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علمِ غیب جانتے ہیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک عطائی اور ایک ذاتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب ذاتی اور علمِ غیب عطائی دونوں کا ذکر کیا ہے علم غیب ذاتی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور علمِ غیب عطائی کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن پاک کی سورۂ بقرہ کی تفصیل میں ان آیاتِ کریمہ کی تفصیل کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب عطائی ثابت کیا ہے اور شاہ صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ ما کان و ما یکون عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دل کی کیفیت کو بھی جانتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء، صدیقین اور اولیاء کرام کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر اور اپنی مختلف تصانیف میں یہ امر ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا جن آیاتِ کریمہ اور جن احادیث مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ذاتی علم غیب کی نفی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور مافیہا کا علم غیب عنایت فرمایا ہے، جن آیات کریمہ سے علماء اہلسنّت نے استدلال کیا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر بعینہٖ شاہ صاحب نے بھی استدلال فرمایا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۱۳۱)

اختیارِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خزانوں کا مختار بنایا ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ صحاح ستہ کی مشہور حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی ہیں ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر خزانے کی چابیاں عطا فرمائیں اور یہ چابیاں جبرئیل امین (علیہ السلام) نے ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر مجھ تک پہنچائیں ہیں۔ تو پتا چلا کہ جو عقیدہ اہلسنّت کا ہے اختیارِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں وہی عقیدہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شقِ صدر

شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روحانی و جسمانی معراجیں ہوئیں جسمانی معراج جس کا ذکر قرآنِ پاک اور مشہور حدیث مبارک میں ہے یہ معراج جسمانی تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو متعدد بار روحانی معراج ہوئیں اور چار مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا جس طرح علماء اہلسنّت کا عقیدہ ہے معراج مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہی عقیدہ شاہ صاحب کا ہے اور اسی معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمام علوم عطا فرمائے اور یہی عقیدہ اہلسنّت کا ہے۔

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قیام و سلام

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ربیع الاوّل شریف کا مہینہ لیلۃ القدر سے افضل ہے اسی مہینہ میں ولادتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کرنے اور فیوض برکات حاصل کرنے میں بہت اہم مہینہ ہے اسلئے فقیر بھی خصوصاً اپنے گھر پر دو مجلسیں منعقد کرتا ہے ایک شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، دوسری میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کا ہمارے سلف اور خلف میں رہا ہے اسلئے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانا اور اس سے فیض حاصل کرنے سے ایمان میں ایک قوی طاقت ہوتی ہے اور پھر آخر میں شاہ صاحب کچھ اشعار صلوٰۃ وسلام کے پڑھ کر فارغ ہوتے اور یہی عقیدہ اہلسنّت کا میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔

فاتحہ، سوئم، چالیسواں ، سالانہ منانا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ امور جائز اور مستحب ہیں ان امور سے مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور یہ امور قرآن پاک وحدیث کی نظر میں بالکل جائز ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مُردے کی مثال ڈوبنے والے جیسی ہے تم اپنے مردوں کو صَدَقات کے ذریعے سے بچاؤ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ متعدد احادیث مبارکہ سے ان امور کے جائز ہونے کی مثالیں ملتی ہیں اور یہ جو عقیدہ اہلسنّت کا ہے کہ زندوں کے عمل سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اسلئے ہم یہ امور کرتے ہیں تو یہ زندوں کا عمل ہے اور اس سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور ان امور کی اصل ایصال ثواب ہے اور یہ امور قرآن وحدیث سے ثابت ہیں یہی عقیدہ اہلسنّت کا ہے۔

تبرکات کی زیارت کرنا جائز ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تبرکات ایسے ہوں کہ جن کے بارے میں صحیح طریقے پر معلومات ہوں کہ واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک یا کچھ ان کے کپڑوں کا حصہ جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ واقعی یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تبرکات ہیں اس طریقے میں اولیاء عظام کے تبرکات یا کسی ولی کے مزار کی چادر یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ یا پاؤں مبارک کا نقشہ اسی طرح عصاء مبارک کا نقشہ یا عمامہ شریف کا نقشہ اور اہل بیت کے تبرکات، ان کی زیارت کرنے میں کوئی قبیح امر نہیں ہے بلکہ ان کی زیارت کرنا جائز ہے اور نجات کا سبب ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انسان کو پختہ یقین ہو کہ واقعی یہ تبرکاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا تبرکاتِ صحابہ کرام ہیں یا اولیاء کے تبرکات ہیں پھر ان کی زیارت کرے جو نیت زیارت کی ہوگی اللہ تعالیٰ اس امر میں کامیاب کرے گا۔ قرآن وحدیث کی نظر میں اور سلف اور خلف کے طریقوں میں بالکل جائز ہے۔

تو پتا چلا کہ شاہ صاحب کا جو نظریہ ہے وہ مسلکِ حق اہلسنّت کی تائید کرتا ہے کہ اہلسنّت تبرکات کو بالکل جائز اور مستحسن سمجھتے ہیں اس میں کوئی بدعت اور شرک نہیں ہوتا۔ اہلسنّت کے نزدیک تبرکات کا احترام اور تبرکات سے فتح ونصرت زمانہ قدیم میں تھا شریعتِ مطہرہ میں بھی جائز ہے اس لئے تبرکات کی زیارت کا طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ سے تبرکات کی نظیر ملتی ہے یہی عقیدہ اہلسنّت کا ہے۔

تعویذات اور گنڈے کرنا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں، تعویذ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ حقیقی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن تعویذات میں اللہ تعالیٰ نے شفاء ڈالی ہے اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعویذ لکھا کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سے ایک روایت کو نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر تعویذ لکھ کر بچوں کیلئے دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس کو بچے کے گلے میں ڈالو۔ بازو پر باندھنے کا تعویذ بھی دیا کرتے تھے تو صحابہ کرام کی نیت ٹھہری تعویذات لکھنا۔ تعویذات دینا جگہ کا تعین کرنا جہاں باندھنا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعویذ دیتے اور دم بھی فرماتے تھے۔ شاہ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ اکثر بزرگانِ دین و مشائخ عملیات اور تعویذات کا کام کرتے تھے جو شریعت کے موافق ہے اس کو موجب حسنات و سبب کمال برکات و ذریعہ حصول جملہ مطالبات و حاجات کا سمجھنا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ولی نعمت، مولانا شاہ ولی اللہ اور دیگر بزرگانِ دین نے جو اعمال وغیرہ تحریر فرمائے ہیں وہ شریعت کے مطابق ہیں۔

آپ سے سوال ہوا کہ جو نقشہ جات ہندسوں میں لکھے جاتے ہیں فرمایا کہ جو لوگ ادب کریں تعویذ کا تو اس کو اللہ تعالیٰ کا نام یا قرآن مجید کی آیتیں لکھ کر دی جائیں۔ اسم ذات اور آیات معوذات کو تعویذ کہ ہندسوں کے بطور چال شطرنج کے لکھ کر دینا جائز ہے اور اسی سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ توقع اجر و ثواب کا موجب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خیر الناس من ینفع الناس شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی بیماری کیلئے دم کرانا اور کسی چیز کو دَم کرکے دینا جائز ہے جبکہ خود شاہ صاحب نفاس کی مریضہ عورت کو رومال دم کرکے دیتے تھے جب وہ عورت رومال کو باندھتی تو اس سے نفاس کا خون آنا بند ہو جاتا اسی طرح شاہ صاحب کے عملیات مؤثر اور مجرب ہوتے تھے اس پر شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تعویذات سے دل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

تو پتا چلا کہ اہل سنت و جماعت میں جو طریقہ رائج ہے تعویذات دینا اور دم وغیرہ کروانا، تو یہی طریقہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بھی رہا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت بھی کی ہے کہ تعویذات لکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی سنت ہے اور سلف و خلف کا بھی یہی طریقہ رہا ہے اہلسنّت و جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو شافی بنایا ہے۔ قرآن پاک میں سے تعویذات بنائے جاتے ہیں لہٰذا مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہوئی اور تعویذات کے اور اللہ نے تاثیر ڈالی ہے لہٰذا جو طریقہ شاہ صاحب کا ہے آج ان کے ماننے والوں کا طریقہ نہیں وہ صرف برائے نام شاہ صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدد کہنا جائز ہے

شاہ صاحب نے ان اشعار کو پسند فرمایا جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی جاتی ہے شاہ صاحب نے اپنی تصانیف کے اندر بھی اُن اشعار کو شامل فرمایا اور اپنے جنازے میں پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

تو ثابت ہوا کہ استعانت بالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جائز ہے شاہ صاحب نے استعانت باولیاء کو بھی جائز فرمایا ہے بلکہ شاہ صاحب کا نظریہ عام مومنین کیلئے یہ ہے کہ ان سے بھی استعانت طلب کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوئی استعانت لغیرہ جائز ہے برعقیدہ اہلسنّت۔

شاہ صاحب کے عقیدے کو دیکھتے ہوئے انسان بخوبی یہ جان لیتا ہے کہ اتنے بڑے محدث نے اُن عقیدوں کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا ہے جو اس وقت دورِ حاضر میں مختلف ہیں تمام فرقے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ ان تمام عقیدوں کو ردّ کرتے ہیں واحد اہلسنّت وجماعت ہے جو ان پر عمل پیرا ہے۔

حالانکہ ان تمام فرقوں کے علماءِ حدیث کی سند میں آپ یعنی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو اپنا استاد مانتے ہیں آپ شیخ کے نظریہ کو دیکھتے ہیں اور جو ان کو شیخ تک پہنچائے اس کا عقیدہ اور ہو تو اس سے سند حدیث کا ضعف لاحق ہوتا ہے۔

آج ان تمام باطل فرقوں نے شاہ صاحب کی کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا اور یہ کوشش کی کہ شاہ صاحب کے عقیدے کو اپنے عقیدے کے مطابق کیا جائے لیکن اتنی کوشش کے باوجود تحریف نہ کر سکے۔

اختلافی مسائل پر

تاریخی فتوی

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ **فضل رسول قادری** بدایونی

ترجمہ، ترتیب، تخریج

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

سلسلۂ مطبوعات (۴۴)

Tarekhi Fatwa

By : Maulana Shah Fazle Rasool Qadri Budauni

عنوان کتاب	:	اختلافی مسائل پر تاریخی فتوی
مصنف	:	سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
ترجمہ، ترتیب، تخریج	:	مولانا اسید الحق قادری
طبع اول (فارسی)	:	مطبع مفید الخلائق دہلی، جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ
طبع جدید	:	ستمبر ۲۰۰۹ء / رمضان ۱۴۳۰ھ
قیمت	:	

رابطے کے لیے

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla,
Budaun-243601 (U.P.) India
Phone : 0091-9358563720

Distributor	*Publisher*
Maktaba Jam-e-Noor 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6	**Tajul Fahool Academy** Budaun

انتساب

مصنف کے جد محترم
حضرت مولانا شاہ عبدالحمید قادری بدایونی
(ولادت ۱۱۵۲ھ وفات ۱۲۳۳ھ)
کے نام

اسید الحق قادری

جشن زریں

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے　　　یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

مارچ ۲۰۱۰ء میں تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہونے جا رہے ہیں، ان پچاس برسوں میں اپنے اکابر کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے رشد و ہدایت، اصلاح و ارشاد، وابستگان کی دینی اور روحانی تربیت اور سلسلۂ قادریہ کے فروغ کے لیے آپ کی جد و جہد اور خدمات محتاج بیان نہیں، آپ کے عہد سجادگی میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، اشاعتی اور تعمیری میدانوں میں نمایاں ترقی کی، مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ، کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر، یہ سب ایسی نمایاں خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہیں۔

بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر نہایت تزک واحتشام سے ''پچاس سالہ جشن'' منایا جائے، لیکن صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا اسیدالحق محمد عاصم قادری (ولی عہد خانقاہ قادریہ بدایوں) نے فرمایا کہ ''اس جشن کو ہم 'جشن اشاعت' کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانوادۂ قادریہ اور علماء مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی واشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں گی، تاکہ یہ 'پچاس سالہ جشن' یادگار بن جائے اور آستانہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو''۔ لہٰذا حضور صاحب سجادہ کی اجازت وسرپرستی اور صاحبزادۂ گرامی کی نگرانی میں تاریخ ساز اشاعتی منصوبہ ترتیب دیا گیا اور اللہ کے بھروسے پر کام کا آغاز کر دیا گیا، اس اشاعتی منصوبے کے تحت گزشتہ ۲ سال کے عرصہ میں ۲۷ر کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، اب تاج الفحول اکیڈمی مزید ۸ر کتابیں منظر عام پر لا رہی ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ حضرت صاحب سجادہ (آستانہ قادریہ بدایوں) کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے، آپ کا سایہ ہم وابستگان کے سر پر تا دیر قائم رکھے۔ تاج الفحول اکیڈمی کے اس اشاعتی منصوبے کو بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچائے اور ہمیں خدمت دین کا مزید حوصلہ اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالقیوم قادری
جنرل سکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

حرفِ آغاز

تاج الفحول اکیڈمی اپنے اشاعتی منصوبے کے تیسرے مرحلہ میں سیف اللہ المسلول کا یہ تاریخی فتویٰ پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہی ہے۔ اکابرین بدایوں کا وہ علمی سرمایہ جو گزشتہ ایک صدی سے بعض مخصوص کتب خانوں کی زینت تھا اب ایک جامع منصوبے کے تحت جامع شریعت وطریقت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں) مدظلہ العالی کی فعّال قیادت، معارف پروری اور مخصوص دعاؤں کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ جدید آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ تاج الفحول اکیڈمی کا کارواں سبک خرامی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، رب قدیر اس کے تمام منصوبوں کو بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچائے (آمین)۔

زیرنظر رسالہ سیف اللہ المسلول کا وہ تاریخی فتویٰ ہے جسے آپ نے ہندستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استفتا کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ فتوے میں موجود علمی مباحث کی اہمیت اپنی جگہ مگر تاریخی حیثیت سے بھی یہ فتویٰ اس لیے اہم ہے کہ یہ ایک فرماں روا کے استفتا کے جواب میں تحریر کیا گیا اور یہ اس وقت کے اکابر اور جید علما کی تصدیق وتائید سے مزین ہے۔

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کے غیر منقسم ہندستان کا تصور کریں معقول ومنقول، تصوف و روحانیت اور علم ظاہر و باطن کے ایسے ایسے اساطین نظر آئیں گے کہ رہتی دنیا تک زمانہ ان پر ناز کرے گا۔ برصغیر کے علمی مرکز فرنگی محل کا شمس فضل وکمال دائرۂ نصف النہار پر تھا، خیر آبادی درسگاہ اپنے عہد شباب میں تھی، دارالخلافت دہلی میں تو اہل فضل وکمال کی ایسی انجمن آباد تھی کہ

پھر چشم فلک نے اس کے بعد اہل علم وفن کا ایسا اجتماع کبھی نہ دیکھا۔ مولانا عبدالوالی فرنگی محلی، مفتی نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ولی اللہ فرنگی محلی اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی خانوادۂ فرنگی محل کی علمی وراثت کی نمائندگی کر رہے تھے، استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے پورے علمی جاہ جلال کے ساتھ رونق افروز تھے۔ مولانا حیدر علی فیض آبادی (مصنف منتہی الکلام) مفتی عنایت احمد کاکوروی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اپنے علمی فیضان سے زمانے کو سیراب کر رہے تھے، دہلی میں مفتی صدرالدین آزردہ صدرالصدور دہلی انجمن علم وادب کی شمع فروزاں تھے اور خود شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ دہلوی مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے اور علم وفن کے دریا بہا رہے تھے۔ خدانخواستہ ان اساطین علم وفن کی تنقیص یا تخفیف مقصود نہیں ہے مگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف فیہ اور متنازع مسائل میں جب حکم شرعی معلوم کرنا ہوا تو بادشاہ وقت کی نگاہ نے کسی ایسی شخصیت کی تلاش کی ہوگی جو علم وتحقیق کی گہرائی کے ساتھ ساتھ علما اور عوام دونوں میں یکساں طور پر پایۂ اعتبار واستناد رکھتی ہوتا کہ اس کی رائے اس سلسلے میں قول فیصل قرار پائے، اس کے لیے پورے ہندستان میں طواف کرنے کے بعد بادشاہ وقت کی نگاہِ انتخاب ایک ایسی شخصیت پر جا کر ٹھہرتی ہے جو مسند درس اور بوریۂ فقر دونوں کو بیک وقت زینت بخش رہی تھی، یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر بادشاہ اس ذات میں اپنے مطلوبہ تمام اوصاف نہ دیکھ لیتا تو نواب استقامت جنگ کو ہرگز آپ کی بارگاہ میں استفتا لے کر نہ بھیجتا۔ اس پہلو سے اگر اس فتوے کو دیکھا جائے تو اس حقیقت کا ادراک زیادہ مشکل نہیں کہ اپنے معاصر علما میں سیف اللہ المسلول کس بلند رتبہ اور ممتاز مقام کے حامل تھے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**

اس فتوے کے سلسلہ میں حضرت کے سوانح نگار مولانا ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

> حضرت اقدس کی تصانیف مطبوعہ مشہورہ اور غیر مطبوعہ کے علاوہ ایک فتویٰ ہے جس کو ہندوستان کے آخری اسلامی تاجدار، خاتم السلاطین ہند

،حضرت ظل سبحانی، سلالۂ دودمان تیموریہ، خلاصۂ خاندان مغلیہ، سلطان ابن السلطان خاقان ابن خاقان ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہِ غازی جنت آشیانی نے دہلی سے بہ کمال حسنِ عقیدت آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ یہ استفتا بارگاہ سلطانی سے نواب معلیٰ القاب علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ خلف الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خان بہادر بدایوں لے کر آئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطۂ سلطانی پیش کیا آپ نے شاہی مہمان کو درویشانہ میزبانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جواب استفتا مرتب فرمایا۔ دہلی کے تمام اکابر علمائے اعلام نے تصحیح وتصدیق کی مہریں کر دیں فرمان سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دارالخلافت شاہجہان آباد محلّہ زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا۔ (اکمل التاریخ، ج ۲/ص ۱۵۳)

جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ فتویٰ سب سے پہلے مطبع مفید الخلائق دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا۔ مولانا ضیاء القادری کی کتاب اکمل التاریخ ۱۳۳۴ھ میں طبع ہوئی اس میں انھوں نے پورا فتویٰ نقل کر کے اس کو محفوظ کر دیا۔

۱۹۷۰ء - ۱۹۸۰ء کے درمیانی برسوں میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کے دامن سے وابستہ اور ان کے خاص مرید وخادم ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری نے اس فتوے کا اردو ترجمہ کر کے اپنے قائم کردہ ادارہ مدینۃ العلم کلکتہ سے شائع کیا اور بعد میں یہی ترجمہ ماہنامہ مظہر حق بدایوں اور پاکستان کے کچھ رسائل میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ سلیس اور عمدہ تھا مگر اس کو اب ۳۰،۴۰ برس گزر گئے، لہٰذا بعض وجوہات کی بنیاد پر از سر نو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، راقم الحروف نے اپنی کم علمی کے باوجود فارسی کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ مصنف رسالہ نے جہاں علما کی عربی

عبارات لکھنے کے بجائے صرف فارسی ترجمہ لکھنے پر اکتفا کیا تھا، اب اصل کتابوں کی طرف رجوع کر کے ساتھ میں عربی عبارات بھی شامل کردی گئی ہیں۔ اور حتی الامکان آیات، احادیث اور عبارتوں کی تخریج بھی کردی گئی ہے، اب جدید آب وتاب کے ساتھ ۱۶۲ سال پرانا یہ فتویٰ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

بت سازی – یہاں ایک غلط فہمی کی وضاحت بھی ضروری ہے، جو اس فتوے کے ایک جملے کی وجہ سے بعض اذہان میں پیدا ہوگئی ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے استفتا میں دو سوال یہ بھی تھے کہ ایک شخص کہتا ہے "تعزیہ کو قصداً یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اگر چہ بغیر ارادے کے ہو، ایسے قائل کا کیا حکم ہے"؟

سوال کو دوبارہ غور سے پڑھیں قائل یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ تعزیہ دیکھنا اور دسہرے میں جانا حرام ہے بلکہ وہ اس کو کفر کہہ رہا ہے، اہل علم تو اہل علم ایک عام آدمی بھی حرام اور کفر کے درمیان فرق کو خوب سمجھتا ہے۔ اس فرق کو نگاہ میں رکھ کر اب حضرت کا جواب ملاحظہ کریں:

> اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان و کفر تصدیق وتکذیب کا نام ہے جو دل کا فعل ہے اور زبان سے اقرار کرنا ایک زائد رکن ہے یا زبان سے اقرار کرنا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے اور باطل فرقوں میں سے خوارج کے نزدیک تصدیق مع الطاعت کا نام ایمان ہے لہٰذا ہر گناہ کو وہ کفر بتاتے ہیں اور ہر معصیت ان کے نزدیک شرک ہے خوارج کا یہ گمراہ عقیدہ چونکہ حد شہرت کو پہنچ چکا ہے لہٰذا اس کی سند کی حاجت نہیں ہے۔
>
> قائل نے فقط آنکھ کے فعل یعنی دیکھنے پر کفر کا حکم لگا دیا خواہ دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو، قائل کا یہ قول اس کے اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تعزیہ کے بارے میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قوم اس کی عبادت کرتی ہے اس لیے اس کے دیکھنے سے کفر لازم آئے گا، تو قائل کا یہ حکم لگانا بھی باطل ہے ورنہ اس سے تو یہ لازم

آئے گا کہ چاند سورج دیکھنا، گنگا جمنا کو دیکھنا اور اس کا پانی پینا بھی کفر ہو۔

اس کے بعد سوال میں موجود دسہرہ کے تعلق سے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے تیوہاروں میں شرکت اگر تعظیماً ہو اور ان کے کفریہ اعمال میں موافقت کرے تو کفر ہوگا ورنہ کفر نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ نے طحطاوی اور عالمگیری کا حوالہ دیا ہے۔

فرماتے ہیں:

> ہاں البتہ فقہ کی کتابوں میں مشرکین کی عیدوں میں بقصد تعظیم جانے اور ان کے افعال میں موافقت کرنے کو کفر لکھا ہے، طحطاوی میں ہے کہ "آدمی کا مشرکین کی عید میں تعظیماً جانا کفر ہے"۔ عالمگیری میں ہے کہ "اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو مجوسیوں کے جشن نیروز میں جائے ان کی ان کاموں میں موافقت کی غرض سے جو وہ اس دن کرتے ہیں اور نیروز کی تعظیم کے قصد سے کوئی ایسی چیز خریدے جو اس نے اس سے پہلے نہیں خریدی نہ کہ اس چیز کو کھانے پینے کے لیے، اسی طرح اس دن مشرکوں کو اس دن کی عظمت کی وجہ سے کوئی ہدیہ وغیرہ دینے سے بھی کفر ہو جائے گا اگر چہ تحفہ میں ایک انڈا ہی دیا ہو، مجوسی کی دعوت جو وہ اپنے لڑکے کے سر منڈانے میں کرے تو اس دعوت میں جانے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی"۔

اس کے بعد آپ نے صحیح بخاری اور فتح الباری سے اس بات کو مزید مدلل کیا ہے۔ اس ضمن میں فتاویٰ عالمگیری سے یہ جزیہ نقل کیا کہ مسلمان کو مجوسی سے اس کی آگ روشن کرنے کے عوض مزدوری لینے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب محیط سے یہ جزیہ نقل کیا کہ کسی مسلمان کا کسی ذمی کے یہاں عبادت خانہ اور کلیسہ بنانے کے لیے مزدوری کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد بتوں کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے ایک عبارت نقل کی جس کے آخر میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "بت اور صلیب بنانا حرام ہے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل کفر نہیں ہے، چونکہ استفتا میں تعزیہ دیکھنے اور دسہرے میں جانے

کوحرام نہیں بلکہ کفر کہا گیا تھا اس لیے پوری بحث کرنے کے بعد اب اس قائل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بہ بیند کہ ساختن بت کفر نیست و در جواز بیع آن تفصیل علی لاختلاف و مزدوری ساختن بت خانہ و برافروختن نارِ معبد مجوس جائز و دیدن تعزیہ بالقصد یابلاقصد کفر؟
>
> دیکھنا چاہیے کہ بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید وفروخت کے جواز میں اختلاف موجود ہے، بت خانہ بنانے کی مزدوری اور مجوسیوں کے عبادت خانے کی آگ روشن کرنا تو جائز ہو اور تعزیہ کو قصداً یا بلا قصد دیکھنا کفر ہو؟

یہ اتنی صاف شفاف بحث ہے کہ اس میں کسی ذی شعور انصاف پسند کو اشکال نہیں ہوگا اور پھر اس میں مصنف نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ معتبر کتب کے حوالے سے کہا ہے مگر برا ہو تعصب و تنگ نظری کا کہ بعض نام نہاد محققین نے اس پر حاشیہ آرائی کر کے کیا سے کیا بنا دیا۔

دیوبندی مکتبۂ فکر سے وابستہ معاصر قلم کار ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے ''مطالعۂ بریلویت'' کے نام سے سات جلدوں میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اس میں موصوف نے کئی جگہ مولانا فضل رسول بدایونی اور ان کے اخلاف پر بھی کرم فرمائی کی ہے۔ ان کے ایک بے بنیاد الزام کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ ہم اپنی کتاب ''تذکرۂ ماجد'' میں پیش کر چکے ہیں۔ ان کی باقی مہربانیوں کا حساب بے باق کرنا ابھی ہمارے اوپر قرض ہے۔ سردست ہم ڈاکٹر صاحب کی اس خامہ فرسائی پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق زیر نظر فتوے سے ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ہندو بت پرست تھے اور ابھی پنڈت دیانند نے آریہ سماج کی تحریک شروع نہ کی تھی اور مسلمانوں کو بتوں سے بہت نفرت تھی اور وہ کبھی بتوں اور مندروں کے قریب نہ پھٹکتے تھے، ہندو چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں

کے ذہنوں سے بتوں کی نفرت اتاری جائے، اچانک یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بت بنانا کفر ہے یا نہیں؟ اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ (رحیمیہ) کی طرف رخ نہ کیا گیا، ان علما کی تلاش کی گئی جو ان محدثین دہلی کے خلاف مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی مسند سنبھالے ہوئے تھے۔ مولانا فضل رسول بدایونی ان کے سرخیل تھے اور حضرت اسماعیل شہید کے خلاف متعدد کتابیں ''سیف الجبار'' وغیرہ لکھ چکے تھے، آپ نے فتویٰ دیا جسے مفید الخلائق پریس شاہ جہاں آباد نے ۱۲۲۸ھ میں بڑی آب و تاب سے شائع کیا: ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں'' دیکھیے مولانا نے ہندوازم کو کس گھناؤنے انداز میں سہارا دیا، مسلمانوں کو بتوں کے نام سے نفرت تھی وہ اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے، چہ جائے کہ بنانا، مگر مولانا نے مسلمانوں کے ذہن سے بتوں کی نفرت کو کم کرنے کے لیے ایک عجیب فقہی سہارا لیا۔

(مطالعۂ بریلویت ج ۳/ص ۱۱۵، ۱۱۶، حافظی بک ڈپو دیوبند)

اس اقتباس میں جس طرح تاریخی حقائق کو مسخ کیا گیا ہے وہ مسلکی زعم تعصب کی ایک عبرت انگیز مثال ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سوال ہندوؤں نے کیا تھا جب کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ استفتا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا تھا، پھر یہ کہ بت بنانے کے سلسلہ میں کوئی سوال کیا ہی نہیں گیا تھا، آپ دیکھ چکے کہ یہ بات ضمناً آ گئی ہے، اصل استفتا میں اس تعلق سے کوئی سوال نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فتوے سے جو ایک جملہ نقل کیا ہے کہ ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں؟'' اس میں لفظ ''عبادت کے لیے'' اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اصل فتوے میں اس لفظ کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ ''اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ کی طرف رخ نہ کیا گیا بلکہ محدثین دہلی کے مخالف علما کو تلاش کیا گیا'' تاریخ کی اس ستم ظریفی کو کیا کہا جائے کہ (بقول ڈاکٹر صاحب) ''ہندوازم کو گھناؤنے

انداز میں سہارا دینے والے' اس فتوے کی تائید وتصدیق کرنے والے علما میں آدھے سے زیادہ علما ''دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ رحیمیہ'' کے فارغ التحصیل اور ''محدثین دہلی'' کی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں، مثال کے طور پر (۱) مفتی صدرالدین آزردہ تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۲) مولانا حیدرعلی فیض آبادی تلمیذ شاہ رفیع الدین دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۳) مولانا احمد سعید نقشبندی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۴) مولانا کریم اللہ دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۵) مولانا حکیم امام الدین تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۶) مولانا فریدالدین دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ (دیکھیے: نزہۃ الخواطر وتذکرۂ علمائے ہند از رحمان علی)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولا یجر منکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ
کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تم ناانصافی کرو، (بلکہ) ہمیشہ عدل کرو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور کرم فرما ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب نے اپنی کتاب ''بریلویت طلسم، فریب یا حقیقت'' میں داد تحقیق دی ہے، پہلے انھوں نے الفاظ کی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ بلاحوالہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس بت کدۂ ہند میں سیکڑوں سال تک شان سے حکومت کرنے والے مسلمانوں کو روزی روٹی حاصل کرنے کے بہانے بت خانے بنانے کی ترغیب دینے کا یہ فتویٰ کہ ''عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں'' جہاں ان کی دینی غیرت کے لیے ایک تازیانہ ہے اور عقیدۂ توحید کے ساتھ ایک سنگین مذاق، وہاں ہندومت کی تائید وتوثیق اور اس کے احیائے نو کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کی فکر اور در پردہ اسلام کے خلاف ان کے

پوشیدہ عزائم کی بھی صاف نشان دہی کرتا ہے۔

(بریلویت طلسم فریب یا حقیقت، ص:۳۶۰، شیخ الہند اکیڈمی دیو بند ۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر سہیل صاحب نے ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی تحقیق پر اپنی طرف سے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ:

''اس کے لیے محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے خاندان ولی اللہ کے کٹر دشمن اور ابوالفضل فیضی کے مداح مولانا فضل رسول بدایونی کو تلاش کیا گیا اور انھوں نے ہندوازم کی تائید میں یہ فتویٰ دے ڈالا''۔

(مرجع سابق ۳۵۹)

مولانا فضل رسول بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر سہیل نے یہ دلیل دی کہ:

''مولانا فضل رسول بدایونی کے بیٹے عبدالقادر بدایونی کے بارے میں یہ تاریخی شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنی دینی تعلیم آگرہ میں ابوالفضل اور فیضی کے قائم کردہ انھیں اداروں میں حاصل کی تھی، چنانچہ واحد یار خاں اپنی کتاب ''ارض تاج'' میں آگرہ کی مشہور شخصیات کے بارے میں لکھتا ہے: ابوالفضل اور فیضی اسی اجڑے دیار کے باشندے تھے، عبدالقادر بدایونی نے آگرہ ہی میں تحصیل علم کیا''۔

(مرجع سابق ص ۳۵۹)

ڈاکٹر سہیل صاحب کی اس عجوبۂ روزگار ''تاریخی شہادت'' پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم ڈاکٹر سہیل صاحب اور ان کی اس کتاب کے بارے میں کتاب کے مقدمہ نگار اور دارالعلوم دیو بند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی رائے پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ کسی مولوی کی تصنیف نہیں
ہے بلکہ ایک دانشور کی محنت ہے، جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہے۔
(مرجع سابق، ص:۱۴)

ہمیں افسوس ہے کہ ایک ''دانشور'' نے ''کوہ کنی'' کر کے جو تاریخی گوہر برآمد کیا ہے اس پر تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی تعجب کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ یہ بات تاریخی طور پر بالکل بے بنیاد ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو آگرہ تحصیل علم کے لیے بھیجا۔ اپنے تعلیمی مراحل کے کسی بھی دور میں مولانا عبدالقادر بدایونی کا آگرہ سے کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو ''محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ'' کے سند یافتہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے خاص شاگرد استاذ مطلق مولانا فضل حق خیرآبادی کی بارگاہ میں تحصیل علم کے لیے بھیجا تھا۔ واحد یار خاں نے جن عبدالقادر بدایونی کا ذکر کیا ہے وہ مولانا فضل رسول بدایونی کے صاحبزادے نہیں بلکہ مشہور مؤرخ اور اکبر کے فتنۂ دین الٰہی کے خلاف احقاق حق کرنے والے عظیم مجاہد ملاّ عبدالقادر بدایونی ہیں، جن کی وفات کے ۲۳۲ برس بعد مولانا فضل رسول بدایونی اس دنیا میں تشریف لائے۔ ملا عبدالقادر کی پیدائش ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء اور وفات ۹۸۱ھ/۷۴-۱۵۷۳ء میں ہوئی۔ ملا عبدالقادر کے تمام سوانح نگار یہ بات لکھتے ہیں کہ انھوں نے آگرہ میں تحصیل علم کی تھی، مگر ملا عبدالقادر بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح یا ان کے افکار و خیالات سے متأثر وہی شخص قرار دے سکتا ہے جو علم و تاریخ سے بالکل نابلد ہو، اگر کوئی ایسا دانشور جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہو یہ بات لکھے تو تاریخ اور علم تاریخ کی مظلومیت پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور زمانہ کتاب ''منتخب التواریخ'' عہد اکبری کے سلسلہ میں ایک بنیادی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح ملا عبدالقادر بدایونی نے ابوالفضل اور فیضی کی حقیقت عالم آشکارا کی ہے، نیز ملا عبدالقادر وہ

مردِ مجاہد ہے جس نے برسرِ دربار بادشاہ جلال الدین اکبر کے روبرو اس کے دین الٰہی کی مذمت کرکے اس حدیث پاک کا عملی نمونہ پیش کر دیا کہ ''ظالم بادشاہ کے روبرو کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے''، مگر یہ سب تاریخی حقائق اہل علم وانصاف کے لیے ہیں اگر کوئی دانشور قسم کھالے کہ میں تمام تاریخی تحقیقات سے منھ موڑ کر خود ہی تلاش حق میں کوہ کنی کروں گا تو اس کے لیے سوائے دعاے صحت کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر سہیل صاحب نے مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب البوارق المحمدیہ اور تصحیح المسائل کے دو حوالے دیے ہیں، ان میں بھی صورت حال زیادہ مختلف نہیں ہے، ان دونوں عبارتوں کی وضاحت اور ڈاکٹر صاحب کی تحقیق پر تنقید وتبصرہ ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

رب قدیر ومقتدر ہمیں ہر حال میں حق بولنے، حق سمجھنے اور حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ	اسید الحق قادری
۷؍ستمبر ۲۰۰۹ء	مدرسہ قادریہ بدایوں

تعارف مصنف

از: علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

لاہور پاکستان

آپ معقول ومنقول کے جامع اور شریعت وطریقت کے شیخ کامل تھے۔ عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ خلق خدا کے جسمانی و روحانی امراض کے علاج میں صرف کیا۔ ان گنت افراد آپ سے فیضیاب ہوئے، اس کے علاوہ تحریر وتقریر کے ذریعے مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لیے قابل قدر کوششیں کیں۔

اس دور میں کچھ لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' سے بری طرح متاثر ہو گئے اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدست اسرارہم کے مسلک سے منحرف ہوکر فتنۂ نجدیت کو پھیلانے میں بڑے زور وشور سے مصروف ہو گئے۔ اس فتنے کے سد باب کے لیے علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی جگہ قابل قدر کوششیں کیں، جن میں استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیرآبادی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے صاحبزادے مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی، مولانا منورالدین دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کے نانا) اور معین الحق شاہ فضل رسول القادری وغیرہم نے نمایاں طور پر احقاق حق کا فریضہ ادا کیا۔ بے شمار سادہ لوح

مکتبہ رضویہ لاہور نے ۱۹۷۲ء میں سیف الجبار شائع کی تھی، علامہ شرف صاحب نے یہ تعارف بطور مقدمہ اس کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ تعارف بہت جامع ہے، اس لیے نیا تعارفی مضمون لکھنے کے بجائے میں نے اسی کو شامل کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ (اسید الحق)

مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ فرمایا اور لاتعداد افراد کو راہ راست دکھائی۔مولوی محمد رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں:

> ''بالخصوص ہنگام اقامت ملک دکن میں وہابیہ و شیعہ بکثرت آپ کے دست مبارک پر تائب ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور نیز جماعت کثیر مشرکین کو آپ کی ہدایت و برکت سے شرف اسلام حاصل ہوا تمام مشائخ کرام وعلمائے عظام بلاد اسلام کے آپ کو آپ کے عصر میں شریعت وطریقت کا امام مانتے ہیں''۔(۱)

آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ العزیز (م:۱۲۶۳ھ) کے ہاں متواتر صاحبزادیاں پیدا ہوئیں،لہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ بہ کمال اصرار کہا کرتی تھیں کہ''مرشد برحق شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں نرینہ اولاد کی دعاء کے لیے گزارش کریں''،لیکن شاہ عین الحق پاس ادب کی بنا پر ذکر نہ کرتے۔جب حضرت شاہ فضل رسول کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔(۲)

چنانچہ ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/ ۹۹-۱۷۹۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔(۳) حضرت اچھے میاں کے ارشاد کے مطابق آپ کا نام فضل رسول رکھا گیا اور تاریخی نام ظہور محمدی منتخب ہوا۔(۴)

صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم جد امجد مولانا عبدالحمید سے اور کچھ والد ماجد مولانا شاہ عبدالمجید سے حاصل کی۔بارہ برس کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پاپیادہ لکھنؤ کا سفر کیا اور فرنگی

۱۔ محمد رضی الدین بدایونی،تذکرۃ الواصلین،حصہ اول،مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء/ص:۲۵۵

۲۔ ایضاً:ص:۲۵۰

۳۔ رحمٰن علی،تذکرہ علماء ہند:(اردو)مطبوعہ کراچی،ص:۲۸۰

۴۔ محمد رضی الدین بدایونی،تذکرۃ الواصلین،ص:۲۵۰(نوٹ) تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی میں تاریخی نام ظہور محمد غلط لکھا ہے کیونکہ اس کے مطابق سن ولادت ۱۲۰۳ھ ہونا چاہیے،تاریخی نام ظہور محمدی ۱۲۱۳ھ ہے۔

محل لکھنؤ میں ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ کے جلیل القدر شاگرد مولانا نورالحق قدّس سرہ (م:۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے خاندانی عزت وعظمت اور ذہانت کے پیش نظر اپنی اولاد سے زیادہ توجہ مبذول فرمائی، حتی کہ آپ چار سال میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہوگئے۔(۵)

جمادی الاخریٰ ۱۲۲۸ھ کو حضرت مخدوم شاہ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے سامنے عرس کے موقع پر مولانا عبدالواسع لکھنوی، مولانا ظہور اللہ فرنگی محلی اور دیگر اجلۂ علما کی موجودگی میں رسم دستار بندی ادا کی اور وطن جانے کی اجازت دی۔(۶) وطن آکر مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ حضور اچھے میاں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دے کر فرمایا: ''اب فن طب کی تکمیل کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذات سے ہر طرح کا دینی ودنیاوی فیض جاری کرنا منظور ہے''۔ چنانچہ آپ نے دھولپور میں حکیم ببر علی موہانی سے طب کی تکمیل کی۔

ابھی آپ دھول پور ہی تھے کہ حضور اچھے میاں قدس سرہ کے انتقال پر ملال کا سانحہ پیش آ گیا۔ وصال سے قبل تنہائی میں شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ کو طلب فرما کر طرح طرح کی بشارتوں سے نوازا اور شاہ فضل رسول قادری کے دست شفا کی مبارک باد دی (۷)۔

والد ماجد کے بلانے پر دھول پور سے واپس وطن پہنچے اور مدرسہ قادریہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے اہل شہر کے علاوہ دیگر بلاد کے لوگوں نے بھی فیض حاصل کیا، پھر صلۂ رحمی کے خیال سے ملازمت کا ارادہ کیا۔ ریاست بنارس وغیرہ میں قیام کیا، لیکن درس وتدریس کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوا۔

اس عرصے میں کئی بار والد ماجد کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی، ہر دفعہ معاملہ دوسرے وقت پر ٹال دیا جاتا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مقصد یہ ہے کہ جب تک دنیاوی تعلق ختم نہیں کیا جاتا، حصول مقصد میں تاخیر رہے گی، چنانچہ تعلقات دنیاویہ ختم کر کے حاضر ہوئے اور حصول مدعا

۵۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص:۲۵۱

۶۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد امام احمد رضا نمبر (مارچ واپریل ۱۹۶۲ء، ص:۴۸)

۷۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص:۲۵۱

کی درخواست کی والد ماجد نے قبول فرما کر ''فصوص الحکم شریف'' اور ''مثنوی مولانا روم'' کا بالاستیعاب درس دیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اکثر اوقات ہولناک جنگلوں میں گزارتے کئی سال تک یہ حالت رہی پھر جا کر سلوک کی طرف رجوع ہوا(۸)۔

آپ کو والد گرامی کی طرف سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ اور سلسلۂ سہروردیہ میں اجازت وخلافت حاصل کی تھی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس پر معتکف تھے کہ اچانک مدینہ طیبہ کی زیارت کا شوق ایسا غالب ہوا کہ سفر کے خرچ کی فکر کیے بغیر پیادہ پا بمبئی روانہ ہوگئے۔ دو ماہ کا سفر تائید ایزدی سے اس قدر جلد طے ہوا کہ آپ ساتویں دن بمبئی پہنچ گئے حالانکہ زخموں کی وجہ سے کچھ وقت راستے میں قیام بھی کرنا پڑا۔

بمبئی سے سفر مبارک کی اجازت حاصل کرنے کے لیے والد ماجد کی خدمت میں عریضہ لکھا انھوں نے بہ کمال خوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ حرمین شریفین پہنچنے کے بعد عبادت وریاضت کے شوق کو اور جلا ملی۔ شب و روز یاد الٰہی میں بسر کیے اور خلق خدا کی خدمت کے لیے پوری طرح کمر بستہ رہے۔

مولوی رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں:

> ''جو کچھ ریاضتیں آپ نے ان اماکن متبرکہ میں ادا فرمائیں بجز قدما اولیاء کرام کے دوسرے سے مسموع نہ ہوئیں۔ حرمین شریفین کی راہ میں پیادہ پا سفر فرمایا اور یتیموں مسکینوں کے آرام پہنچانے میں اپنے اوپر ہر قسم کی تکلیف گوارا کی''(۹)۔

اسی مبارک سفر میں حضرت شیخ مکہ عبداللہ سراج اور حضرت شیخ مدینہ عابد مدنی سے علم تفسیر و حدیث میں استفادہ کیا، اسی سال کامل جذب و ارادت سے بغداد شریف حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور بے شمار فیوض و برکات حاصل کیے۔

۸۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص:۲۵۲

۹۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص:۲۵۳

درگاہ غوثیہ کے سجادہ نشین نقیب الاشراف حضرت سید علی گیلانی نے آپ کو از خود اجازت وخلافت مرحمت فرمائی (۱۰) اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت سید سلمان نے آپ کے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور اجازت حاصل کی (۱۱)۔

جب آپ واپس وطن پہنچے تو والد ماجد ۸۰ سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت کا قصد فرما کر بمقام بڑودہ پہنچ چکے تھے، حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس عمر میں آپ نے اس قدر طویل سفر کا ارادہ فرمایا ہے۔ لہٰذا میں مفارقت گوارا نہیں کر سکتا۔ وہیں سے والدہ ماجدہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اجازت طلب کی اور والد ماجد کے ساتھ پھر سوئے حرمین شریفین روانہ ہو گئے اس سفر میں عبادات وریاضات کے علاوہ والد مکرم کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور ان کی دعاؤں سے پوری طرح بہرہ ور ہوئے۔ (۱۲)

مولانا کی ذات والا صفات مرجع انام تھی ان کے پاس کوئی علاج معالجے کے لیے آتا اور کوئی مسائل شریعت دریافت کرنے حاضر ہوتا، کوئی ظاہری علوم کی گھتیاں سلجھانے کے لیے شرف باریابی حاصل کرتا تو کوئی باطنی علوم کے عقدے حل کرانے کی غرض سے دامن عقیدت وا کرتا۔ غرض وہ علم وفضل کے نیر اعظم اور شریعت وطریقت کے سنگم تھے، جہاں سے علم وعرفان کے چشمے پھوٹتے تھے، وہ ایک شمع انجمن تھے جن سے ہر شخص اپنے ظرف اور ضرورت کے مطابق کسب ضیا کرتا تھا۔

ذیل میں وہ استفتاء نقل کیا جاتا ہے جو ہند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بعض اختلافی مسائل کی تحقیق کے لیے مولانا شاہ فضل رسول قادری کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، اصل استفتا، طویل اور فارسی میں ہے، لہٰذا اختصار کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۰۔ رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند: مطبوعہ کراچی، ص: ۳۸۰

۱۱۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۳

۱۲۔ ایضاً

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل میلاد شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام وشیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سیۂ ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے کہ تعزیہ کا بالقصد یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی اور کعبہ شریف و مدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظّمہ میں عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ سے باہر کیا۔

پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے؟ و نیز ان کے متبعین پر کیا حکم ہے؟ فقط۔

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ۔

محمد بہادر شاہ، بادشاہ غازی، ابوظفر سراج الدین

حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری نے پندرہ صفحات میں تفصیل سے جواب لکھا اور مسلک اہل سنت و جماعت کو دلائل سے بیان کیا اس فتویٰ پر اجلۂ علما نے تصدیقی دستخط فرمائے۔

آپ نے خدمت خلق، عبادت و ریاضت، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کے مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ سفر و حضر میں آپ کا دریائے فیض کمال کے استحضار

کے ساتھ جاری رہتا۔ آپ نے اعتقادیات، درسیات، طب اور فقہ وتصوف میں قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ سیف الجبار
۲۔ بوارق محمدیہ
۳۔ تصحیح المسائل
۴۔ **المعتقد المنتقد**
۵۔ فوز المؤمنین
۶۔ تلخیص الحق
۷۔ احقاق الحق
۸۔ شرح فصوص الحکم
۹۔ رسالۂ طریقت
۱۰۔ حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ
۱۱۔ حاشیہ میر زاہد ملا جلال
۱۲۔ طب الغریب
۱۳۔ تثبیت القدمین
۱۴۔ شرح احادیث ملتقطۃ ابواب صحیح مسلم
۱۵۔ فصل الخطاب
۱۶۔ حرز معظم

چند کتب کا قدرے تفصیلی تعارف -

۱. **المعتقد المنتقد** – (عربی) عقائد اہل سنت پر نہایت اہم کتاب ہے اس میں بعض نئے اٹھنے والے فتنوں کی بھی سرکوبی کی گئی ہے۔ مکہ معظّمہ میں ایک بزرگ کی فرمائش پر لکھی اس پر بڑے بڑے نامور علما مثلاً مجاہد آزادی استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیرآبادی، مفتی محمد

صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی مؤلف منتہی الکلام وغیرہم نے گراں قدر تقریظیں لکھیں اور نہایت پسندیدگی کا اظہار کیا۔

مولانا حکیم محمد سراج الحق خلف الرشید مجاہد عظیم مولانا فیض احمد بدایونی نے اس پر حاشیہ لکھا اور جب یہ کتاب پٹنہ سے شائع ہوئی تو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے "**المعتمد المستند بناء نجاة الابد**" کے نام سے قلم برداشتہ نہایت وقیع حاشیہ تحریر کیا۔ **المعتقد المنتقد** اس لائق ہے کہ اسے درسیات میں شامل کیا جائے۔

۲۔ بوارق محمدیہ المعروف بہ سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان (فارسی) - مولوی محمد رضی الدین اس کی تصنیف کا باعث یوں بیان کرتے ہیں:

> ''بالخصوص رد وہابیہ میں جس قدر بلیغ کوشش بحکم اولیا کرام آپ نے فرمائی وہ مخفی نہیں ہے، چنانچہ جب آپ بمقام دہلی حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر مراقب تھے، عین مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دست مبارک پر اس قدر کتابوں کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آتی ہے، آپ نے عرض کیا کہ اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمہ لے کر شیاطین وہابیہ کا قلع قمع کرو۔ بہ مجرد اس ارشاد مبارک کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشاد والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ میں کتاب مستطاب بوارق محمدیہ تالیف فرمائی''۔ (۱۳)

اس کتاب کو علما و مشائخ نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مولانا غلام قادر بھیروی (۱۳۲۶ھ) نے ''الشوارق الصمدیہ'' کے نام سے خلاصہ و ترجمہ کیا جو عرصہ ہوا شائع ہو

۱۳۔ محمد رضی الدین بدایونی تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۴

چکا ہے، اس کی وقعت اور مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (م ۱۳۵٦ھ) نے بھی اسے بطور حوالہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''صاحب بوارق محمدیہ صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں''(۱۴)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''در بوارق می نویسد امام احمد وغیرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ھم آن حدیث روایت کردہ اند''۔(۱۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''این جابر ذکر چند از انفاس متبرکہ حضرت خاتم المحد ثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نمودہ است آنہارا مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نمودہ می آید''۔(۱٦)

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے جا بجا بوارق محمدیہ کے حوالہ جات نقل کر کے اور ان پر اعتماد کا اظہار کر کے اس کی قبولیت وصداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں بیان توحید کے لیے بہت سخت زبان استعمال کی ہے جس کا خود انھوں نے ایک موقع پر اعتراف بھی کیا تھا۔ عقیدۂ توحید کی بنیادی حیثیت سے انکار کر کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا لیکن ایسا انداز بیان یقیناً قابل تردید ہوگا جس میں شان الوہیت کی عظمت کے اظہار کے لیے شان رسالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور تنقیص شان کا ارتکاب کیا جائے۔ بتوں کے حق میں وارد ہونے والی آیات کو انبیا و اولیا کی ذوات مقدسہ پر چسپاں کیا جائے وہ توحید ہرگز قابل قبول نہیں جو شان رسالت کی تنقیص پر مشتمل ہو۔

۱۴۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ، اعلاء کلمۃ اللہ: طبع چہارم، ص: ۱۳۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱٦۳

۱٦۔ ایضاً، ص: ۱۹۵

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ نے اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

''الحاصل مابین اصنام وارواح مکمل فرقی ست بین امتیازی ست باہر پس آیات وارده فی حق الاصنام را بر انبیا و اولیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین حمل نمودن کمافی ''تقویۃ الایمان'' تحریفی است قبیح وتخریبی است شنیع''۔(۱۷)

ترجمہ: الحاصل بتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق ظاہر و باہر ہے، لہٰذا ان آیات کو انبیا و اولیا پر چسپاں کرنا جو بتوں کے حق میں وارد ہیں، جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے۔

دیگر علما اسلام کی طرح مولانا شاہ فضل رسول قادری نے بوارق محمدیہ اور سیف الجبار وغیرہ کتب میں تقویۃ الایمان کی اسی قسم کی عبارات پر محض جذبۂ دینی کے تحت عالمانہ تنقید کی ہے۔

۳۔ سیف الجبار (اردو) - متعدد دفعہ مختلف مطابع سے شائع ہو چکی ہے، ہماری معلومات کے مطابق آخری دفعہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔(۱۸) اس کا تاریخی نام سیف الجبار المسلول علی الاعداء للابرار ۱۲۶۵ھ ہے۔ اس میں فتنۂ نجدیت کی ابتدا اس کے پھیلاؤ، حرمین شریفین اور دیگر مقامات کے مسلمانوں پر نجدیوں کے لرزہ خیز مظالم کا تفصیلی نقشہ پیش کیا گیا ہے، تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ مصنف نے نجدی مظالم کے اثرات بچشم خود ملاحظہ کیے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''زید یہ مذہب سیدوں ساکن نواح مخا وحدیدہ نے مذہب نجدیہ اختیار کر کے مکان کو فوج سے خالی دیکھ کر پھر تاخت و تاراج کیا اور ہر ایک مکان

۱۷۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ، اعلاء کلمۃ اللہ: طبع چہارم، ص:۱۷۱

۱۸۔ ادارہ مظہر حق بدایوں نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی اور اب عنقریب تاج الفحول اکیڈمی بدایوں جدید آب و تاب اور ضروری تحقیق و تحشیہ کے ساتھ شائع کرنے جا رہی ہے۔(اسید الحق قادری)

میں ایک ایک امیر المومنین ہوگیا، عجب ظلم برپا کیا۔ راقم نے ۱۲۵۷ھ میں
اسی حال پر چھوڑا''۔(۱۹)

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں مولوی حسین احمد مدنی کی رائے قابل ملاحظہ ہے، لکھتے ہیں:

''صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل وقتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا۔ ان کے قتل کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار اور فاسق شخص تھا''۔(۲۰)

شاہ فضل رسول قادری نے مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کو قریب سے دیکھا ان کے عقائد اور عزائم کا بنظر غائر جائزہ لیا، ان کے طور وطریق کو بخوبی جانچا اور پھر ضمیر کی آواز کو بلاکم وکاست تحریر کردیا۔ فرماتے ہیں:

''فاحشہ رنڈیوں کی بھی پیش کش (نذر) لینے میں تامل نہ تھا، یہاں تک کہ جو فرنگیوں کے گھروں میں تھیں، چنانچہ بنارس کا ریزیڈنٹ اگنسن بروگ نام اس کے گھر میں فاحشہ تھی بڑی اختیار والی اور صاحب مقدور مرید ہوئی

۱۹۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص:۴۷

۲۰۔ مولوی حسین احمد مدنی، الشہاب الثاقب، ص:۵۰

اور دس ہزار روپے نذر کیے اور اس کے مرید ہونے سے ریذیڈنٹ نے
بہت خاطر داری کی کہ سید صاحب نے اس کو اپنی بیٹی فرمایا تھا، راقم بھی
وہاں موجود تھا''۔(۲۱)

سیف الجبار میں تقلید کی حقیقت اور امام الائمہ سراج الامۃ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑے دل نشیں پیرائے میں ذکر کیے گئے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید (صغیر) ۷؍محرم بروز جمعہ ۱۲۲۱ھ کی صبح علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے پیش ہوئی اس وقت نجدی لشکر طائف میں قتل و غارت گری اور مسجد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منہدم کر کے مکہ مکرمہ جانے کا قصد کر رہا تھا۔ علمائے مکہ مکرمہ نماز جمعہ کے بعد جمع ہوئے اور کتاب التوحید کا مطالعہ کر کے اس کا رد کیا۔ مولانا احمد بن یونس باعلوی اس تردید کو ضبط تحریر میں لائے۔ نماز عصر تک اس کے ایک باب کا رد مکمل ہوا تھا کہ طائف کے مظلوموں کا ایک گروہ مسجد حرام میں پہنچ گیا اور مشہور ہو گیا کہ نجدیہ کا لشکر حرم شریف میں پہنچ کر قتل و غارت کرنے والا ہے۔ اس عام اضطراب کی وجہ سے دوسرے باب پر نظر نہ جا سکی۔

مولانا شاہ فضل رسول قادری نے سیف الجبار کے آخر میں کتاب التوحید کا پہلا باب اور اس پر علمائے مکہ مکرمہ کا رد مع ترجمہ نقل کر دیا ہے۔ جا بجا تقویۃ الایمان کی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے یہ عجیب و غریب حقیقت سامنے آتی ہے کہ تقویۃ الایمان اسی کتاب التوحید کا ترجمہ اور شرح ہے، علمائے مکہ مکرمہ کی تقریرات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ محمد فضل حق خیرآبادی کی عبارات نقل کی ہیں جن سے یہ امر کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ یہ حضرات نہ تو کتاب التوحید کے معتقد ہیں اور نہ تقویۃ الایمان کے مندرجات سے متفق، ان کے عقائد وہی ہیں جو اس وقت کے علمائے مکہ مکرمہ اور علمائے اہل سنت و جماعت کے ہیں۔

شاہ فضل رسول قادری پر عام طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریز کی حکومت کے

۲۱۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص: ۲۷، ۳۷

دور میں منصب افتا قضا اور صدر الصدوری کے ذریعہ اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کیا۔(۲۲)

تعجب ہے کہ جب علمائے دیوبند میں سے مولوی محمد احسن نانوتوی، مولوی محمد مظہر، مولوی محمد منیر، مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمٰن، مولوی مملوک علی اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی وغیرہم بھی ''سرکار انگریز'' کے ملازم تھے (۲۳)، تو فرنگی حکومت کے اقتدار کو مضبوط تر کرنے کا الزام علمائے اہل سنت پر ہی کیوں عائد کیا جاتا ہے؟

پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اگر علما منصب افتا و قضا اور صدر الصدوری کو قبول نہ کرتے تو ان مناصب پر فائز ہو کر فیصلہ کرنے والے ہندو ہوتے یا انگریز۔ کیا یہ اچھا ہوتا کہ علما ان مناصب کو قبول نہ کرتے اور مسلمان اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ہندو یا انگریز کی کچہریوں میں مارے مارے پھرتے۔

اسی سلسلے میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک اور بات کہی ہے:

''مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کے سلسلے میں ایک بات ہم نے خاص طور پر نوٹ کی ہے کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں'' (۲۴)

بر تقدیر تسلیم ہمارے نزدیک مولانا پر یہ کوئی اعتراض نہیں کہ ان کی اکثر کتابیں کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں کیوں کہ انگریز دوستی یا انگریز سے ساز باز بیشک جرم اور قابل اعتراض امر ہے فقط سرکاری ملازم ہونا کوئی جرم کی بات نہیں ہے، بشرطیکہ کسی خلاف اسلام امر میں ان کا تعاون نہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مولوی عبدالحئی کو ملازمت کی اجازت دے کر اس قسم کے شبہات کو ختم کر دیا تھا، سرکاری ملازمت سے ہر شخص کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ انگریز کا خیر خواہ و وفادار اور محبّ ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکثر و بیشتر انہی علما نے کھل کر حصہ لیا جو انگریز کے دور

۲۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۸

۲۳۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مولانا محمد احسن نانوتوی، ص: ۲۶

۲۴۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۸

اقتدار میں صدر الصدور اور افتا وغیرہ کے مناصب پر فائز تھے۔

پھر یہ بھی ایک فکر انگیز حقیقت ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان پہلے پہل رائل ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہوئی، اگر کسی کتاب کو سرکاری ملازم شائع کرے تو ضروری نہیں کہ اس میں حکومت کا ایما شامل ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کتاب سرکاری پالیسی کے مطابق ہو، لیکن جب کسی کتاب کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی ایسا سرکاری ادارہ شائع کرے تو معمولی سی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ وہ کتاب یقیناً سرکاری پالیسی کے مطابق ہوگی مخالف ہرگز نہیں ہو سکتی۔

یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مولا فضل رسول قادری کی تصانیف کو کسی ذریعہ سے بھی سرکاری حمایت حاصل ہوتی تو بعض دیگر مصنفین کی طرح ان کی تصانیف بھی کثرت سے طبع ہوتیں، حالانکہ تقویۃ الایمان وغیرہ کتابیں جس کثرت سے اشاعت پذیر ہوئیں، مولانا فضل رسول قادری کی کتابیں اس کثرت سے شائع نہیں ہوئیں۔

مولانا شاہ فضل رسول قادری نے کتنے واضح الفاظ میں انگریزی اقتدار سے نفرت واستحقار کا اظہار کیا ہے اور انگریز کے اقتدار کو دین میں فتنہ وفساد کے پیدا ہونے کا سبب قرار دیا ہے درج ذیل اقتباس سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ ہندوستان میں بسبب ہو جانے کفر کی حکومت (انگریزی اقتدار) اور نہ رہنے اسلام کی سلطنت کے دین اسلام میں فتنے اور شرع کے احکام میں رخنے پڑ گئے۔(۲۵)

دوسری جانب مولوی اسماعیل دہلوی کا بیان ملاحظہ ہوتا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مولانا فضل رسول قادری اور دیگر علما اہل سنت پر انگریز دوستی کے الزام میں کتنی سچائی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک موقع پر کہا:

> ''انگریزی سرکار گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم وتعدی نہیں کرتی، نہ ان کو فرائض مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے، ہم ان کے ملک میں

۲۵۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص: ۲۷

اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع ومزاحم نہیں ہوتی، بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سنن سید المرسلین ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصول مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون گرادیں''۔(۲۶)

مولانا شاہ فضل رسول قادری کے بارے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے:

''مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلوی کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے بیس سال بعد وہابیوں کے رد میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریز سے تھا''۔(۲۷)

مولوی اسماعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف عقائد وافکار کا اظہار کیا تو اکثر وبیشتر علما تحفظ دین ومسلک کی خاطر میدان میں اتر آئے، بعض نے ان سے اور ان کے ہم خیال علما سے مناظرہ کیا۔ مثلاً مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ (صاحبزادگان مولانا محمد رفیع الدین محدث دہلوی) منطق و کلام کے مسلم الثبوت استاذ مولانا محمد فضل حق خیرآبادی، مولانا رشید الدین خاں اور علمائے پشاور وغیرہم بے شمار علماء نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ تردید کی۔ بعض نے تقریری طور پر رد وابطال پر اکتفا کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر وبیشتر حضرات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے صاحب علم وفضل شاگرد تھے بلکہ خود حضرت شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان پر اظہار ناراضگی فرمایا:

''حضرت مولانا شاہ محمد فاخر صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی اور سارے جہان کو مشرک و

۲۶۔ منشی محمد جعفر تھانیسری، حیات سید احمد شہید

۲۷۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص:۲۴

کافر بنانا شروع کیا اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے۔ افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں، آنکھوں سے بھی معذور ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدۂ فاسد کا رد بھی تحفۂ اثناعشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے''۔(۲۸)

مولانا شاہ فضل رسول قادری ان علما میں سے تھے جنھوں نے اس نئے فتنے کی تردید کے لیے بھرپور تقریری کام کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جنھیں اہل علم سرآنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ مولانا کی ساری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی کوششوں میں حفاظت دین کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آئے گا۔ کیا اس بات کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں تقریر کے ذریعے عقائد باطلہ کی تردید نہیں کی، حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۳۹ تالیف ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری کے مطالعہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا طالب علمی کے زمانہ ہی سے رد وہابیت کی ابتدا کر چکے تھے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مولانا اسماعیل دہلوی، سید صاحب اور ان کے رفقا کو انگریزوں سے کوئی مخاصمت نہ تھی اور نہ وہ انگریزوں سے جہاد کا ارادہ ہی رکھتے تھے۔(۲۹)

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے، جس شخصیت نے طویل مدت تک سفر و حضر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ہو اس کے شاگردوں کا شمار لازماً دشوار ہوگا، چند فضلا کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جنھوں نے آپ کے بحر علم سے استفادہ کیا:

۱۔ مولانا شاہ محی الدین ابن شاہ فضل رسول قادری (م:۱۲۷۰ھ)

۲۔ تاج الفحول مولانا شاہ محمد عبدالقادر محبّ رسول بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری (م:۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)

۳۔ مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی

۲۸۔ ملک العلماء مولانا محمد ظفرالدین بہاری، ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص:۱۹،۲۰

۲۹۔ اس سلسلے میں مقالات سرسید حصہ شانزدہم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے حاشیہ پر شیخ اسماعیل پانی پتی کا نوٹ ص:۲۴۸ تا ۲۵۲ اور ص:۳۱۸ تا ۳۱۹ قابل ملاحظہ ہے۔ نیز سید صاحب کی تحریک کی صحیح پوزیشن سمجھنے کے لئے جناب وحید احمد مسعود بدایونی کی تحقیقی کتاب ''سید احمد شہید کی صحیح تصویر'' مطبوعہ لاہور ملاحظہ کی جائے۔

۴۔ قاضی القضاۃ مولانا مفتی اسداللہ خاں الہ آبادی (م: ۱۳۰۰ھ)
استاد مولوی رحمٰن علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند

۵۔ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی (۳۰)

۶۔ مولانا شاہ احمد سعید دہلوی (م: ۱۳۷۷ھ)

۷۔ مولانا کرامت علی جونپوری (م: ۱۲۹۰ھ) مرید سید احمد بریلوی

۸۔ مولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی

۹۔ مولانا عبدالقادر حیدرآبادی (م: ۱۳۲۹ھ)

۱۰۔ مولانا سید اشفاق حسین (م: ۱۳۲۸ھ)

۱۱۔ مولانا خرم علی بلہوری (م: ۱۲۷۳ھ)

۱۲۔ مولانا حکیم محمد ابراہیم سہارنپوری

۱۳۔ سید بنیاد شاہ سنبھلی

۱۴۔ مولانا سید خادم علی

۱۵۔ مولانا سید ارجمند علی

۱۶۔ مولانا سید اولاد حسن خلف سید آل حسین

۱۷۔ مولانا غلام حیدر

۱۸۔ مولانا جلال الدین رئیس سوتھہ محلّہ

۱۹۔ مولانا فصاحت اللہ متولی

۲۰۔ مولانا امانت حسین دانش مند

۲۱۔ مولانا بہادر شاہ دانش مند وغیرہ وغیرہ

آپ کے مریدین کا سلسلہ عرب وعجم میں پھیلا ہوا تھا، بے شمار لوگ مذاہب باطلہ اور عقائد فاسدہ سے تائب ہو کر آپ کے دست حق پر بیعت ہوئے۔

آپ کے چند مریدین کے نام یہ ہیں:

۳۰۔ نامور فاضل مولانا محمد فاروق چریا کوٹی استاذ شبلی نعمانی، مولانا عنایت رسول کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔

تاج الفحول مولانا شاہ محمد عبدالقادر محبّ رسول بدایونی خلف رشید شاہ فضل رسول قادری، مولانا حکیم سراج الحق ابن مولانا فیض احمد بدایونی (م:۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء)، مولانا سید نبی حسنی حسینی شاہجہاں پوری (م:۱۲۷۸ھ)، مولانا حکیم عبدالعزیز، مولانا عبیداللہ بدایونی مدرس مدرسہ محمدیہ بمبئی (م:۱۳۱۵ھ)، ملا اکبر شاہ افغانی، مولانا عون الحق، حافظ محمد ضیاء الدین حیدرآباد دکن، قاضی حمیدالدین خاں مچھلی بندر، شیخ محمد صدیق متوطن بریلی، شیخ عبدالرحیم رئیس بدایوں، شیخ عبدالہادی ملقب بہ شاہ سالارو غیرہ وغیرہ۔

جب آپ کی عمر شریف ۷۷ برس کی ہوئی تو آپ کے شانوں کے درمیان پشت پر زخم نمودار ہوا ایک دن قاضی شمس الاسلام عباسی جو آپ کے والد ماجد کے مرید تھے، سے آپ نے فرمایا:

> ''قاضی صاحب بمقتضائے 'واما بنعمة ربک فحدث' آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے استیصال فرقہ وہابیہ کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ الحمدللہ! کہ فرقۂ باطلہ اسماعیلیہ واسحاقیہ کا رد پورے طور ہو چکا، دربار نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی میں اس دار فانی سے جانے والا ہوں''۔(۳۱)

آخری دنوں میں کمزوری بہت زیادہ ہوگئی تھی مگر عبادت، ریاضت اور تہجد کے لیے شب بیداری میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ ۲۰/جمادی الاخریٰ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء بروز جمعرات خلف رشید مولانا شاہ محمد عبدالقادر قادری بدایونی کو بلا کر نماز جنازہ کی وصیت کی، ظہر کے وقت اسم ذات کے ذکر خفی میں مصروف تھے کہ اچانک دو دفعہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا ایک نور دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہو کر غائب ہو گیا اور ساتھ ہی روح قفس عنصری سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

رحلت کے وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی پھر بھی ہزار ہا افراد نے جنازہ میں شرکت کی۔ مغرب کے بعد عیدگاہ شمسی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور شب جمعہ والد ماجد کے روضہ میں مدفون

۳۱۔ ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص:۵۳

ہوئے (۳۲)۔مولوی عبدالسلام سنبھلی نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

معدن فضل الٰہی حضرت فضل رسول | پیشوائے اہل عرفاں سرور اہل قبول
واقف اسرار شرع و کاشف استار دیں | ماہر کامل بہرفن از فروعش تا اصول
سطوت تقریر او بگداخت جان منکراں | ہیبت تحریر او انداخت در کنج خمول
جامع علم و ولایت دافع آثار جہل | قامع بنیاد کفر و رافع اوج قبول
رفت از دنیا و دنیا از غم او تیرہ شد | کرد روشن منزل اول بانوار نزول
ایں جہاں را سنگ ماتم برجبین مدعاست | آنجہاں را گوہر مقصود در دست وصول
خاستم تاریخ وصل وے نویسم ناگہاں | شد بمن الہام از روحش ''انا فضل الرسول''

۱۲۸۹ھ(۳۳)

مولانا معین الدین نے درج ذیل تاریخ وصال کہی ہے:

حضرت فضل رسول نامدار | با فضیلت با کرم با افتخار
کان فی عز و فضل کاملا | فضله کالشمس فی نصف النهار
واقف اسرار علم و معرفت | مرشد دیں سر حق را رازدار
دوئم از ماہ جمادی الآخرہ | راہ دار آخرت کرد اختیار
وقت رحلت داشت شغل ذکر حق | بود از دم ضرب اذکار آشکار
ناگہاں آورد با جہر تمام | اسم ذات پاک حق بر لب دو بار
اللہ اللہ گفت و جاں دادہ بحق | کرد برنام خدا جاں را نثار
گشت مفہوم آں زماں از شش جہت | لفظ اللہ از در و دیوار و دار

☆☆☆

۳۲۔ محمد رضی الدین بدایونی تذکرۃ الواصلین،ص:۲۵۴

۳۳۔ ایضاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو مندرجہ ذیل باتیں کہتا ہے:

۱۔ دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے۔

۳۔ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے۔

۴۔ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔

۵۔ قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے۔

۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے۔

۷۔ قصداً تعزیہ کو دیکھنا یا بلا ارادہ دیکھنا کفر ہے۔

۸۔ ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اگر چہ بغیر ارادے کے ہو اور اس سے اس کی بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے۔

۹۔ کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطہ کو کوئی بزرگی حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سرزمین پر ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اس لیے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا اور حضرت امام حسین کو مکہ شریف سے نکال دیا، اس وقت دین محمدی (**علی صاحبہا الصلوۃ والسلام**) کے علماے جو حقیقتاً مہاجرین تھے انھیں نکال کر ہندوستان بھیج دیا حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے والے نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں قائل مذکور کی اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟
مسلمانوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت مطہرہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے نیز اس کے متبعین کا کیا حکم ہے بینوا توجروا
نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ
وفقہ اللّٰہ لما یحبہ ویرضاہ

المستفتی

ابوظفر سراج الدین

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

الـــــجـــــواب

اولاً اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ علماے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں سے ہرامر کے متعلق کیا فرماتے ہیں تا کہ قائل کے حق میں حکم شرعی کا جاننا آسان وسہل ہوجائے۔

(۱) دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا –

علامہ احمد بن محمد قسطلانی علامہ ابن جزری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قال ابن الجزری فاذا کان هذا ابو لهب الکافر نزل القرآن بذمه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ به فما حال المسلم الموحد من امته علیه السلام الذی یسر بمولده ویبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته ﷺ لعمری انما یکون جزاؤه من اللّٰه الکریم أن یدخله بفضله العمیم جنات النعیم. (۱)

ترجمہ: جب ابولہب جیسے کافر کو جس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی رات میں خوش ہونے کے باعث جہنم میں اس کے عذاب میں تخفیف کے ذریعہ بدلہ دیا جائے تو حضور علیہ السلام کے اس موحد ومسلم امتی کا کیا عالم ہوگا جو آپ کی ولادت پر خوش ہوتا ہے اور اپنی طاقت کے بقدر نبی ﷺ کی محبت میں خرچ کرتا ہے، بخدا اللہ رب العزت کی جانب سے ایسے شخص کی جزا یہی ہے کہ خداوند قدوس اسے اپنے فضل عام سے جنت نعیم میں داخل فرمائے۔

---

(۱) المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج:۱/ص:۱۴۷، پوربندر گجرات ۲۰۰۱ء

علامہ قسطلانی آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولا یزال اھل الاسلام یحتفلون بشھر مولدہ علیہ السلام ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات و یظھرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقرأۃ مولدہ الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم ومما جرب من خواصہ انہ أمان فی ذلک العام وبشری عاجلۃ بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللّٰہ امرء اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیادا لیکون أشدعلۃ علی من فی قلبہ مرض واعیاء داء. (۲)

ترجمہ: اہل اسلام حضور علیہ السلام کی ولادت کے مبارک مہینہ میں محفلیں قائم کرتے ہیں اور دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور ماہ مبارک کی راتوں میں صدقات وخیرات کرتے ہیں خوشی ومسرت کا اظہار اور نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مولود شریف سے ان پر فضل عظیم کا ظہور ہوتا ہے، محفل میلاد شریف کے خواص میں یہ بات بھی مجرب ہے کہ اس سال امن وامان رہتا ہے اور جلد آرزؤں وتمناؤں کے حصول کی خوشخبری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم وکرم فرمائے جو اس ماہ مبارک کی راتوں میں عید وخوشی مناتا ہے تاکہ یہ خوشی ومسرت اس شخص پر سخت گراں گزرے جس کے دل میں (بدبختی کی) بیماری ہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی (م:۹۴۲ھ) اپنی کتاب ''سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد'' میں حافظ ابوالخیر سخاوی کا قول نقل فرماتے ہیں:

---

(۲) مرجع سابق

عـمـل المولد الشريف لم ينقل عن احد من السلف الصالح فـي الـقـرون الثـلاثة الفاضلة وانما حدث بعد ثم لازال اهل الاسـلام فـي سـائر الاقطار والمدن الكبار يحتفلون في شهر مـولده ﷺ بعمل الولائم البديعة المشتملة على الامور البهجة الـرفيـعة ويتـصـدقـون في لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السـرور و يزيدون في المبرات ويعتنون بقرأة مولده الكريم ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عميم (۳)

ترجمہ: مولود شریف کا عمل قرون ثلاثہ میں سلف صالحین سے منقول نہیں ہے یہ عمل قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوا پھر اہل اسلام آنحضرت ﷺ کے ولادت کے مہینہ میں ہر جانب بڑے بڑے شہروں میں محفلیں قائم کرنے لگے اور پرتکلف دعوتیں کرتے ہیں جو مسرت آمیز اور بلند امور پر مشتمل ہوتی ہیں اور اہل اسلام اس ماہِ مبارک کی راتوں میں صدقہ کرتے ہیں بہجت وسرور کا اظہار کرتے ہیں نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اس مولود شریف کی برکت سے ان پر فضل عظیم کا ظہور ہوتا ہے۔

پھر صاحبِ سبل الہدیٰ حافظ ابن الجزری کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

مـن خـواصـه انـه امـان في ذلک العام و بشرى عاجلة بنيل البغية والمرام. (۴)

ترجمہ: میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ اس سال امن وامان قائم رہتا ہے اور جلد تر حاصل ہونے والی مراد کی خوشخبری ہوتی ہے۔

---

(۳) سبل الهدىٰ والرشاد في سيرة خير العباد: ج:۱/ص:۴۳۹،الباب الثالث عشر في اقوال العلماء في عمل المولد الشريف واجتماع الناس له وما يحمد من ذلك وما يذم، مطابع الاهرام القاهره۱۴۱۸ھ

(۴) مرجع سابق،نفس الصفحہ

آگے چل کر علامہ ابن کثیر کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

قال الحافظ عماد الدين بن كثير. رحمه الله تعالىٰ فى تاريخه كان يعمل المولد الشريف فى ربيع الاول ويحتفل به احتفالاً هائلاً وكان شهما شجاعا بطلا عاقلا عادلا رحمه الله تعالىٰ واكرم مثواه وقد صنف الشيخ ابو الخطاب بن دحية رحمه الله تعالىٰ كتاباله فى المولد سمّاه "التنوير فى مولد البشير النذير" فاجازه بالف دينار. (٥)

ترجمہ: حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ تاریخ میں فرماتے ہیں کہ (صاحب اربل ملک مظفر) ماہ ربیع الاول شریف میں مولود شریف کرتا تھا اور اس ماہ میں وہ پرتکلف محفل میلاد کرتا تھا وہ جری بہادر، ذہین عدل و انصاف کرنے والا شخص تھا شیخ ابوالخطاب بن دحیہ نے اس کے لیے مولود شریف کی کتاب لکھی جس کا نام "التنوير فى مولد البشير النذير" رکھا تو صاحب اربل نے انہیں ہزار دینار انعام میں دیئے۔

صاحب سبل الہدی والرشاد تحریر فرماتے ہیں:

وقد اثنى عليه الائمة، منهم الحافظ ابو شامه شيخ النووى فى كتابه "الباعث على انكار البدع والحوادث" و قال مثل هذا الحسن يندب اليه ويشكر فاعله ويثنىٰ عليه قال ابن الجوزى لولم يكن فى ذلک إلا ارغام الشيطان وادعام اهل الايمان وقال العلامة ابن مظفر رحمه الله تعالىٰ : بل فى الدرالمنتظم وقد عمل المحبون للنبى ﷺ فرحا بمولده الولائم فمن ذلک ما عمله بالقاهرة المعزية من الولائم

---

(۵) مرجع سابق، نفس الصفحہ

الکبار الشیخ ابو الحسن المعروف بابن قفل قدس اللّٰہ تعالیٰ سرہ شیخ شیخنا ابی عبداللّٰہ محمد بن النعمان وعمل ذلک قبل جمال الدین العجمی الھمذانی و ممن عمل ذلک علی قدر وسعہ یوسف الحجّار بمصر وقد رأی النبی ﷺ وھو یحرض یوسف المذکور علی عمل ذلک. (٦)

ترجمہ: اس عمل پر (یعنی مولود شریف کرنے پر) ائمہ کرام نے تعریف فرمائی ان میں امام نووی کے شیخ حافظ ابوشامہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''الباعث علی انکار البدع والحوادث'' میں فرمایا کہ اس طرح عمل کرنا مستحب ہے اس کے کرنے والے کو اجر دیا جائے گا اور وہ قابل تعریف ہوگا، ابن جوزی نے فرمایا اس محفل میلاد سے شیطان کو ذلت وخواری اور اہل ایمان میں مضبوطی وپختگی پیدا ہوتی ہے، علامہ ابن مظفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''الدر المنتظم'' میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے محبت والفت کرنے والوں نے آپ کے میلاد شریف کی خوشی میں بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کیا ہے، انہیں میں سے وہ دعوتیں ہیں جو شیخ ابوالحسن معروف بہ ابن قفل کرتے ہیں، جو ہمارے شیخ ابو عبداللہ محمد بن النعمان کے شیخ ہیں، ان سے پہلے یہ عمل (عمل مولود) جمال الدین ہمذانی بھی کرتے تھے وہ لوگ جو اپنی وسعت کے بقدر یہ عمل کرتے تھے ان میں یوسف الحجار مصری بھی ہیں انھوں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا حضور علیہ السلام نے یوسف الحجار کو اس عمل پر ابھارا۔

صاحب سبل الہدی والرشاد نے ان اکابرین امت کے واقعات بیان کیے ہیں نیز نبی کریم ﷺ

---

(٦) مرجع سابق، ج:١/ص:٤٤٠

نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور خواب میں ایسا کرنے پر تاکید فرمائی ہے(۷)۔

صاحب سبل الہدی والرشاد اپنی تالیف میں فرماتے ہیں:

وقال الشیخ الامام العلامة نصیر الدین المبارک الشھیر بابن الطباخ فی فتوی بخطه اذا انفق تلک اللیلة و جمع جمعا اطعمهم ما یجوز اطعامه واسمعهم ما یجوز سماعه و دفع للمسمع المشوق للآخرة ملبوسا کل ذلک سرورا بمولده ﷺ فجمع ذلک جائز ویثاب فاعله اذا احسن القصد ولا یختص ذلک بالفقراء دون الاغنیاء إلا ان یقصد مواساة الاحوج فالفقراء اکثر ثوابا. (۸)

ترجمہ: شیخ امام علامہ نصیر الدین مبارک المعروف ابن الطباخ اپنے فتوی میں لکھتے ہیں شب ولادت جب کوئی شخص خرچ کرے لوگوں کو جمع کر کے انہیں جائز کھانے کھلائے اور جائز چیزیں انھیں سنائے نیز سننے والے آخرت کے مشتاق کو کپڑے وغیرہ دے اور یہ سارا عمل اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی خوشی میں کیا ہو تو یہ سب جائز ہے اور اس کے کرنے والے کو اجر وثواب دیا جائے گا جبکہ اس کی نیک نیتی اس میں شامل ہو اور یہ (عمل) فقرا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے الّا یہ کہ وہ زیادہ ضرورت مند سے ہمدردی کا ارادہ کرتا ہو تو فقرا ومساکین میں زیادہ ثواب ہے۔

جمال الدین بن عبد الرحمٰن المعروف بہ المخلص فرماتے ہیں:

مولد رسول الله ﷺ مبجل مکرم قدس یوم ولادته وشرف وعظم وکان وجوده ﷺ مبدأ سبب النجاة لمن اتبعه و

---

(۷) مرجع سابق ج ۱/ص: ۴۴۱

(۸) مرجع سابق، نفس الصفحہ

تقليل حظ جهنّم لمن اعد لها لفرحه بولادته ﷺ و تمت بركاته على من اهتدى به فشابه هذا اليوم يوم الجمعة من حيث ان يوم الجمعة لا تسعر فيه جهنم هكذا ورد عنه ﷺ فمن المناسب اظهار السرور وانفاق الميسور واجابة من دعاه رب الوليمة للحضور. (۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا میلاد شریف مکرم و معظم ہے اللہ نے اپنے حبیب کے یوم ولادت کو مقدس و معظم بنایا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود اس شخص کے لیے نجات کا سبب ہے جس نے آپ کی پیروی و اتباع کی اور جہنم کے عذاب میں کمی ہے، اس شخص کے لیے جس نے حضور کی ولادت پر خوشی منا کر اس کے لیے تیاری کی، اللہ کے رسول علیہ السلام کی برکات اس پر مکمل ہو گئیں جس نے آپ سے رہنمائی حاصل کی، لہٰذا یوم مولود یوم الجمعہ سے مشابہ ہو گیا کیونکہ جمعہ کے دن جہنم نہیں بھڑکائی جاتی ہے ایسا ہی حضور علیہ السلام سے منقول ہے تو (یوم مولود میں) خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بقدر وسعت خرچ کرنا اور کسی داعی کی دعوت قبول کرنا مناسب ہے۔

علامہ ظہیر الدین جعفر فرماتے ہیں:

هذا الفعل لم يقع فى الصدر الاول من السلف الصالح مع تعظيمهم وحبهم له اعظاما ومحبة لا يبلغ جمعنا الواحد منهم ولا ذرة منه وهى بدعة حسنة اذا قصد فاعلها جمع الصالحين والصلوٰة على النبى ﷺ واطعام الطعام للفقراء والمساكين وهذا القدر يثاب. (۱۰)

---

(۹) مرجع سابق ج ا/ص:۴۴۲

(۱۰) مرجع سابق، نفس الصفحہ

ترجمہ: یہ فعل (یعنی مولود شریف منانا) سلف صالحین سے قرن اول میں واقع نہیں ہوا حالانکہ وہ حضرات حضور علیہ السلام سے اس قدر محبت و تعظیم فرمایا کرتے تھے کہ ہماری پوری جماعت (محبت و تعظیم میں) ان میں کسی ایک کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی۔ یہ عمل (محفل مولود) بدعت حسنہ ہے جبکہ اس کا کرنے والا نیک لوگوں کو جمع کرنے کا قصد کرے، حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجے، فقراومساکین کو کھانا کھلائے اتنی بات پر یقیناً ثواب دیا جائے گا۔

شیخ نصیرالدین (محفل میلاد شریف کے متعلق) فرماتے ہیں:

لیس هذا من السنن ولكن اذا انفق فی هذا اليوم واظهر السرور فرحا بدخول النبی ﷺ فی الوجود واتخذ السماع الخالی عن اجتماع المردان وانشاد ما يثير نار الشهوة من العشقيات والمشوقات للشهوات الدنيوية كالقد والخد والعين والحاجب وانشاد مايشوق الى الأخرة ويزهد فی الدنيا فهذا اجتماع حسن يثاب قاصد ذلک وفاعله عليه. (۱۱)

ترجمہ: یہ عمل (محفل میلاد شریف) سنت نہیں ہے لیکن کوئی شخص اس دن خرچ کرے اور نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرے اور (نعت و مناقب کی) محفل سماع قائم کرے جس میں امرد جمع نہ ہوں اور اس محفل میں عشقیہ اشعار نہ پڑھے جائیں جو شہوت کی آگ کو بھڑکاتے ہوں اور دنیوی خواہشات کا شوق دلاتے ہیں جیسے خدوخال، اور چشم وابرو کی باتیں (بلکہ) وہ اشعار ہوں جو آخرت کا شوق پیدا کریں دنیا سے بے رغبتی ہو تو ایسا اجتماع و محفل بہتر و مستحسن ہے اس کے کرنے والے کو اس پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

حضرت ابوشامہ فرماتے ہیں:

---

(۱۱) مرجع سابق، نفس الصفحہ

فالبدعة الحسنة متفق علی جواز فعلها والاستحباب لها و رجاء الثواب لمن حسنت نیته علیها وھی کل مبتدع موافق لقواعد الشریعة غیر مخالف لشئ منها ولا یلزم من فعله محذور شرعی وذلک نحوبناء المنابر والربط والمدارس و خانات السبیل وغیر ذلک من انواع البر التی لم تعهد فی الصدرالاول فانه موافق لما جاء ت به الشریعة من اصطناع المعروف والمعاونة علی البروالتقویٰ ومن احسن ماابتدع فی زماننا ھذا من ھذا القبیل ماکان یفعل بمدینة ''اربل'' جبرھا اللّٰہ تعالٰی کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی ﷺ من الصدقات والمعروف و اظهار الزینة والسرور فان ذلک مع مافیه من الاحسان الی الفقراء مشعربمحبة النبی ﷺ و تعظیمه وجلالته فی قلب فاعله. (۱۲)

ترجمہ: بدعت حسنہ کے جواز اوراس کے استحباب پر اتفاق ہے اور حسن نیت پر ثواب کی امید ہے (بدعت حسنہ) ہر وہ بدعت ہے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو اور کسی بھی اصول شرعی کے مخالف نہ ہو اور اس کے کرنے سے کوئی بھی شرعی محذور لازم نہ آتا ہو جیسے منبر، سرائیں، مدارس، مسافر خانے وغیرہ کی تعمیر جیسے نیک کام کرنا جو عہد نبوی میں نہیں تھے کیونکہ یہ جملہ کام شریعت مطہرہ کے موافق ہیں اس لیے کہ یہ نیکی اور تقویٰ پر معاونت کرنا ہے اور سب سے اچھی بدعت جو ہمارے زمانے میں اس قبیل (بدعت حسنہ کی قبیل سے) سے ایجاد ہوئی وہ وہ ہے جو شہر اربل میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے دن ہوتا ہے جیسے صدقات وخیرات کرنا زینت اور خوشی و

(۱۲) مرجع سابق ج۱/ص:۴۴۳

مسرت کا اظہار کرنا، یہ امور فقرا و مساکین کے واسطے احسان پر مشتمل ہونے کے ساتھ ہی محبت نبی ﷺ اور فاعل کے دل میں آپ کی تعظیم و تکریم کی دلیل ہے۔

صاحب سبل الہدی والرشاد رقم طراز ہیں کہ:

وکان اول من فعل ذلک بالموصل الشیخ عمر بن محمد الملا احد الصالحین المشھورین وبه اقتدی فی ذلک صاحب إربل وغیرھم رحمھم اللّٰہ تعالٰی. (۱۳)

ترجمہ: سب سے پہلے یہ عمل (محفل مولود شریف) شہر موصل میں شیخ عمر بن محمد نے کیا جو مشہور صالحین میں سے تھے پھر ان کی اقتدا اس عمل میں صاحبِ اربل وغیرہم نے کی (اللہ ان پر رحم فرمائے)۔

امام صدر الدین فرماتے ہیں کہ:

ویثاب الانسان بحسب قصدہ فی اظھار السرور والفرح بمولد النبی ﷺ. (۱۴)

ترجمہ: انسان کو اس کی نیت وارادے کے مطابق میلاد نبی ﷺ کے موقع پر مسرت وخوشی کا اظہار کرنے پر اجر وثواب دیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

اصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن احد من السلف الصالح من القرون الثلاثة ولکنھا مع ذلک قد اشتملت علی محاسن وضدھا فمن تحری فی عمله المحاسن وتجنب ضدھا کان بدعة حسنة ومن لا فلا قال وقد ظھرلی

---

(۱۳) مرجع سابق، نفس الصفحہ

(۱۴) مرجع سابق، نفس الصفحہ

تخريجها على اصل ثابت فى الصحيحين من ان رسول اللّٰه ﷺ قدم المدينة فوجد اليهود يصومون عاشوراء فسالهم فقالوا هذا يوم اغرق اللّٰه تعالٰى فيه فرعون وانجى فيه موسى فنحن نصومه شكرا للّٰه تعالٰى فقال انا احق بموسٰى منكم فصامه وامر بصيامه فيستفاد من فعل ذلك شكر اللّٰه تعالٰى على ما منّ به فى يوم معين من اسداء نعمة أودفع نقمة ويعاد ذلك فى نظير ذلك اليوم من كل سنة والشكر للّٰه تعالٰى يحصل بانواع العبادات والسجود والصيام والصدقة والتلاوة واى نعمة اعظم من النعمة ببروز هذا النبى الكريم نبى الرحمة فى ذلك اليوم. (۱۵)

ترجمہ: عمل مولود شریف بدعت ہے جو قرون ثلاثہ کے سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں لیکن اس کے باوجود وہ اچھائی اور بعض خرابیوں پر مشتمل ہے لہٰذا جس شخص نے عمل مولود میں خوبیوں کو اختیار کیا اور خرابیوں سے پرہیز کیا تو یہ بدعت حسنہ ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا (خرابیوں سے اجتناب کرنے کے بجائے اس کا ارتکاب کیا) تو اس کے لئے یہ بدعت سئیہ ہے میرے نزدیک اس کی (محفل مولود شریف کی) اصل بخاری ومسلم سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے (اس کا سبب) ان سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ اس دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو نجات دی اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے زیادہ موسیٰ

---

(۱۵) مرجع سابق ج۱/ص:۴۴۴

کا حق دار ہوں آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا حضور کے اس فعل سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ جس پر اللہ نے کسی معین دن کوئی نعمت عطا فرما کر یا ضرر رساں چیز کو دفع فرما کر احسان کیا تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور ہر سال اس معین دن اس شکر کا اعادہ کرے اور اللہ کا شکر کا عبادت، سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوت قرآن وغیرہ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، اور اس سے بڑی اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن نبی کریم ﷺ کو پیدا فرمایا۔

سبل الہدیٰ کے مصنف حافظ ابن جزری اور حافظ دمشقی سے پیر کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف والے واقعہ سے دلیل نقل کر کے علامہ جلال الدین سیوطی کا قول نقل فرماتے ہیں:

عندی أن اصل المولد الذی هو اجتماع الناس وقرأة ماتیسر من القرآن وروایة الاخبار الواردة فی مبدأ امر النبی ﷺ وما وقع فی مولده من الأیات ثم یمدلهم سِماط یاکلونه و ینصرفون من غیر زیادة علی ذلک من البدع الحسنة التی یثاب علیها صاحبها لما فیه من تعظیم قدر النبی ﷺ واظهار الفرح والاستبشار بمولده الشریف. (١٦)

ترجمہ: میرے نزدیک اصل مولود شریف بدعت حسنہ ہے، جو اس قدر ہے کہ لوگوں کا جمع ہونا اور بقدر وسعت قرآن کی تلاوت کرنا، نیز ان اخبار و آثار کا بیان کرنا جو نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں اور ان نشانیوں کو بیان کرنا جو آپ کے مولود شریف میں واقع ہوئیں ہیں پھر لوگوں کے واسطے دسترخوان آراستہ کرنا کہ لوگ کھائیں اور ان امور کے علاوہ اور کام کیے بغیر واپس چلے جائیں (یہ امور) بدعت حسنہ ہیں اس پر اس کے

---

(١٦) مرجع سابق ج ١/ص: ٤٤٥

کرنے والے کو ثواب دیا جائے گا کیونکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کی تعظیم وتکریم ہے اور حضور کے میلاد پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس عمل کی جو اصل حافظ ابن حجر نے بیان فرمائی اس کے علاوہ ایک اور دلیل مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ فرمایا، پھر امام سیوطی سنن ابن ماجہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

الصواب انه من البدع الحسنة المندوبة اذا خلا عن المنکرات شرعا. (۱۷)

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ (مولود شریف) بدعت حسنہ مستحبہ ہے جبکہ شرعاً منکرات سے خالی ہو۔

پھر اس کے بعد سبل الہدیٰ میں چند شعر ذکر کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے

یا مولداً فاق الموالد کلها – شرفا وساد بسید الأسیاد (۱۸)

ترجمہ: اے مولود جس نے تمام مولودوں پر فوقیت وشرف پایا اور سید السادات (حضور) کے سبب تو بھی صاحب سیادت ہوگیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی علامہ فاکہانی (جنہوں نے میلاد کو بدعت سیئہ کہا ہے) کے کلام پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما احدثه ملک عادل عالم و قصد به التقرب الی اللّٰه تعالیٰ و حضرعنده فیه العلماء والصلحاء من غیر نکیر منهم وارتضاه ابن دحیة رحمه اللّٰه تعالیٰ وصنف له من أجله کتابا فهو لاء علماء متدینون رضوه واقرّوه ولم ینکروه. (۱۹)

---

(۱۷) مرجع سابق ج۱/ص:۴۴۵

(۱۸) مرجع سابق ج۱/ص:۴۴۷

(۱۹) مرجع سابق ج۱/ص:۴۴۹

ترجمہ: میلاد شریف منانے کو ایک عالم عادل بادشاہ نے ایجاد کیا اور اس
نے اس سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اس کے دربار میں علما و صلحا موجود تھے
ان میں سے کس نے اس کا انکار نہیں فرمایا اور اس (مولود مبارک منانے)
کو ابن دحیہ رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور اس کے واسطے انھوں نے ایک
کتاب تصنیف فرمائی تو یہ سب دیندار علمائے کرام ہیں جنھوں نے اس عمل
کو پسند فرمایا اور اس کو برقرار رکھا اور اسکا انکار نہیں فرمایا۔

یہ سبل الہدی والرشاد سے ہم نے اختصاراً نقل کیا ہے اور جو سبل الہدی والرشاد میں (میلاد مبارک کے متعلق) ذکر ہے وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے اس کے مقابلے میں جو دوسرے اکابر نے ذکر کیا ہے، ہم نے اسی قدر پر اکتفا کیا جتنا اس کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ (۲۰)

---

(۲۰) مصنف کے صاحبزادے تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی نے محفل میلاد کے سلسلہ میں ایک ضخیم کتاب ''سیف الاسلام المسلول علی المناع لعمل المولد والقیام'' فارسی زبان میں تالیف فرمائی ہے، اس میں آپ نے بعض علما اور ان کی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے جو محفل میلاد کے جواز و استحسان کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے اکابر علما اور کبار ائمہ نے محفل میلاد شریف کے جائز و مستحسن ہونے کا حکم دیا ہے، ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں: (۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲) ملا علی قاری (۳) صاحب مجمع البحار (۴) علامہ ابن حجر مکی (۵) حافظ جلال الدین سیوطی (۶) امام جزری صاحبِ حصن حصین (۷) علامہ سلیمان برسوی (۸) شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبی (۹) امام حمد اللہ بن شیخ شمس الدین (۱۰) مولانا حسن بحری (۱۱) شیخ برہان ناصحی (۱۲) شیخ شمس الدین احمد بن محمد سیواسی (۱۳) حافظ زین الدین عراقی (۱۴) امام ابو زرعۃ (۱۵) سید عفیف الدین شیرازی (۱۶) علامہ مجد الدین فیروزآبادی صاحبِ قاموس (۱۷) شیخ محمد بن حمزہ الواعظ (۱۸) حافظ ابن ناصرالدین دمشقی (۱۹) علامہ شمس الدین دمیاطی (۲۰) امام برہان الدین ابوالصفا (۲۱) علامہ فخر الدین ابوبکر الدنفلی (۲۲) علامہ شیخ محمد بن عثمان (۲۳) حافظ ابو شامہ (۲۴) حابن حجر عسقلانی (۲۵) صاحب سیرت شامیہ (۲۶) صاحب سیرت حلبیہ (۲۷) علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان اللؤلوی (۲۸) علامہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ البکر ی (۲۹) حافظ ابن رجب حنبلی (۳۰) علامہ ابوالطیب مالکی وغیرہ۔

پھر آپ نے کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو یا تو خاص میلاد شریف کے موضوع پر لکھیں گئی ہیں یا پھر ان میں ضمناً میلاد شریف کے جواز و استحسان کا حکم ہے، مثلاً (۱) انسان العیون فی سیرت الامین المامون (۲) التعریف فی المولد الشریف (۳) حسن المقصد فی عمل المولد (۴) موعد الکرام لمولد النبی علیہ السلام (۵) جامع الاثار فی مولد النبی المختار (۶) المورد الصادی فی مولد الہادی (۷) اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق (۸) عرف التعریف فی المولد الشریف (۹) الدرالمنظم فی المولد الاعظم (۱۰) اللفظ الجمیل بمولد النبی الجمیل (۱۱) فتح اللہ حسبی و کفی فی مولد المصطفی (۱۲) النفحۃ العنبریۃفی مولد خیر البریۃ

خلاصۂ کلام یہ کہ ائمہ کرام کا جم غفیر اور امور مسلمین کے اہل حل وعقد کی بڑی جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ مولود شریف کرنا مستحب و مستحسن ہے، لہٰذا قائل کا یہ کہنا کہ مولود کرنا گناہ کبیرہ ہے یہ قول باطل جہالت پر مبنی ہے، اور سواد اعظم کے مخالف ہے، اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) کے عوام وخواص کو فاسق و کافر کہنا ہے کیونکہ یہ حضرات میلاد شریف کو مستحب و مستحسن سمجھتے ہیں۔

اگر یہ قائل دین کا ذرا بھی علم رکھتا ہے، تو یقیناً اس نے یہ علم دین عادل اور ثقہ علما سے حاصل کیا ہوگا، اور ضرور اس نے اپنے اساتذہ سے لے کر آخر تک سلسلۂ سند کی تحقیق کی ہوگی، اب (ہمارا مطالبہ ہے کہ) اپنی سند سے صحاح کی کوئی بھی ایک ایسی حدیث پیش کردے جس کے سلسلۂ سند میں اس ''گناہ کبیرہ'' کا مرتکب، اور اس کو ''مستحسن'' قرار دینے والا کوئی شخص نہ ہو، بفضلہٖ تعالیٰ اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے، اور اگر دعویٰ رکھتا ہو تو پیش کرے ''ہمی میداں ہمی گوئے'' (ہاتھ کنگن کو آرسی کیا) شاخ پر بیٹھ کر جڑ کاٹنا کسی عقل مند کا کام نہیں ہے۔

(۲) محفل میلاد شریف میں قیام کرنا -

محفل مولود شریف میں قیام کے متعلق امام برزنجی فرماتے ہیں:

قد استحسن القیام عند ذکر مولده الشریف ائمة ذو روایة ورؤیة و طوبی لمن کان تعظیمه ﷺ مرامه و مرماه. (۲۱)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے مولود مبارک کے ذکر پر قیام کرنا صاحب الروایہ اور صاحب الرؤیہ دونوں قسم کے اماموں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ خوشخبری ہے اس شخص کو جس نے حضور ﷺ کی تعظیم کو اپنا مقصد وغایت بنالیا۔

گزشتہ صفحہ کا بقیہ:-

(۱۳) مفتاح السرور والافکار فی مولد النبی المختار (۱۴) سیرت شامیه (۱۵) الضوء اللامع (۱۶) المورد الروی فی المولد النبوی (۱۷) ماثبت بالسنة (۱۸) المواهب اللدنیة (۱۹) مدارج النبوة وغیرہ

دیکھیے: سیف الاسلام المسلول علی المناع لعمل المولد والقیام: ص ۶/۵ مطبع الٰہی دہلی

(۲۱) مولود برزنجی ص: ۵۳ مطبع محمد رضا استنبول ۱۲۹۴ھ

مولانا حسن دمیاطی (مدرس مسجد الحرام) اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کا قیام مذکور کے مستحب و مستحسن ہونے پر اتفاق ہے رسول انورﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی علامہ مدائنی فرماتے ہیں کہ ذکر ولادت کے وقت قیام کی عادت جاری ہے اور یہ قیام بدعت مستحبہ ہے جس میں خوشی ومسرت اور تعظیم کا اظہار ہے۔

اس فتویٰ پر چاروں مذہب کے مفتیان کرام کے دستخط اور مہر ثبت ہیں سب نے کثیر علمائے کرام اور دین اسلام کے پیشواؤں سے قیام کا مستحسن ہونا نقل فرمایا ہے۔

مولانا عبداللہ سراج لکھتے ہیں:

ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا جلیل المرتبت ائمہ کرام سے توارثاً ثابت ہے، (۲۲) حکام اسلام نے اسے بغیر کسی نکیر کے برقرار رکھا ہے لہٰذا یہ عمل مستحسن (بہتر) ہے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **ما راہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن** جس کو مومن اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

صاحبِ سیرت شامیہ نے قیام میلاد کو جو بدعت فرمایا ہے صاحب حلبی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں''۔ پھر صاحب حلبیہ بدعت محمودہ کی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ ''آنحضرتﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کو امت اسلامی کے عالم جلیل قدوۃ العلما امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ نے پسند فرمایا ہے اور اس زمانے کے مشائخ کرام نے اس عمل میں آپ کی متابعت کی'' پھر امام سبکی کا واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ متابعت واقتدا کے لیے اتنا ہی کافی ہے''۔

لہٰذا قائل کا اس قیام کو شرک کہنا سوائے جنون کے اور کچھ نہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک از روئے شرع نفس الوہیت میں کسی کو شریک کرنے کا نام

---

(۲۲) بحر الرائق میں ہے کہ تعامل ناس اجماع کے تابع ہے۔ (مصنف)

شرک ہے جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتا زانی نے شرح عقائد نسفی میں اس کی صراحت فرمائی ہے (۲۳)۔ قیام وقعود کو شرک سے کوئی تعلق نہیں قیام تو عبادت کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے برخلاف سجود کے، اس کی صراحت آیت کریمہ **والرکع السجود** کے تحت تفسیر عزیزی میں موجود ہے۔

سجدہ عبادت کے ساتھ خاص ہونے کے باوجود عبادت کی نیت سے کرنا شرک ہے تعظیماً سجدہ کرنا شرک نہیں یہ سابقہ شریعتوں میں جائز تھا مگر سجدۂ تعظیمی اس شریعت میں حرام قرار دے دیا گیا، اس بات کی صراحت بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں فرمادی ہے۔

تمام باتوں سے قطع نظر منکرین قیام کو ساکت کرنے کے لیے ان کے متقدا کی کتاب مأۃ المسائل (۲۴) کا ذکر کرنا کافی ہوگا اس میں بھی سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیت کے فرق کو

---

(۲۳) شرح عقائد میں ہے: **الاشراک هو اثبات الشريک فی الالوهية بمعنی وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنی العبادة كما لعبدة الاصنام.** (شرح عقائد: علامہ سعدالدین تفتازانی، ص: ۶۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے یعنی کسی کو واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا مذہب ہے یا عبادت میں کسی کو شریک کرنا جیسا کہ بتوں کی پرستش کرنے والے کرتے ہیں۔

علامہ محمد عبدالعزیز فرہاری اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاشراک هو اثبات الشريک فی الا لوهية بمعنی وجوب الوجود كما للمجوس فانهم يعتقدون الهين يزدان خالق الخير واهر من خالق الشراو بمعنی استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام فانهم يعتقدون ان الواجب واحد و يزعمون الاصنام مستحقة للعبادة لرجاء الشفاعة منها. (نبراس)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے یعنی کسی کو واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسی کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دو خالق ہیں خیر کا خالق یزداں ہے اور شر کا خالق اہرمن ہے، یا کسی کو عبادت کا مستحق جاننا جیسا کہ بت پرست، کیونکہ وہ واجب الوجود تو ایک کو جانتے ہیں مگر یہ گمان کرتے ہیں کہ بت عبادت کے مستحق ہیں اس لیے کہ ان کی جانب سے شفاعت کی امید ہے۔

(۲۴) یہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے شاہ اسحاق دہلوی کی کتاب ہے، اس کے رد میں مصنف نے ''تصحیح المسائل'' تالیف کی، جس کے جواب میں مولانا بشیر الدین قنوجی نے ''تفہیم المسائل''، لکھی، تفہیم المسائل کا جواب مصنف کے بھانجے مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی نے ''تعلیم الجاہل'' کے نام سے دیا۔

تسلیم کیا گیا ہے۔(۲۵)

جب سجدہ کا یہ حال ہے (یعنی سجدۂ تعظیمی حرام ہے شرک نہیں) تو محفل میلاد میں قیام کو شرک ٹھہرانا نئے دین کی اختراع کے سوا اور کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔

(۴) کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا -

(۵) دائمی قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا -

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان دونوں امر کے متعلق اپنے مشہور فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر محض بنا بر زیارت واستغفار بروند ایں قدر از روئے روایات ثابت است و در تفسیر ''درمنثور'' نقل نمودہ کہ سرِ ہر سال آنحضرت ﷺ بر مقابر می رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور می نمودند ایں قدر ثابت و مستحب است دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند وفاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں نمایند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا وخلفائے راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء واموات را حاصل می شود سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردمان یک روز معین نمودہ ولباس ہائے فاخرہ مثل روز عید پوشیدہ مثل

---

(۲۵) مأۃ المسائل میں ہے کہ:

۳۳واں سوال: صاحب قبر کی تعظیم کے لیے قبر کو سجدہ کرنا شریعت میں حرام ہے یا کفر وشرک ہے یا گناہ کبیرہ؟
جواب: غیر اللہ کو سجدہ کرنا خواہ قبر ہو یا غیر قبر حرام گناہ کبیرہ ہے اگر کوئی غیر اللہ کو سجدہ عبادت کی غرض سے کرتا ہے تو یہ موجب کفر وشرک ہے اگر کوئی غیر اللہ کو خواہ قبر ہو یا غیر قبر، ایسی حالت میں کرتا ہے کہ وہ (جسے وہ سجدہ کر رہا ہے) سامنے نہیں ہے تو یہ بھی موجب کفر ہے جیسا کہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے اور سجدۂ تعظیمی جو زمانہ سابق میں تھا شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں منسوخ ہو گیا اور اس پر تفسیر و حدیث اور کتب فقہ دلالت کر رہی ہیں۔(ترجمہ ملخصا) مأۃ المسائل: شاہ اسحاق صاحب دہلوی، ص:۵۹، سید الاخیار ۱۲۶۴ھ

روز عید شاد ماں شاد ماں بر قبر ہا جمع می شوند رقص مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف کردن قبر می نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است۔(۲۶)

ترجمہ: سال میں کسی معین دن قبور پر جانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) کسی معین روز ایک شخص یا دو شخص بغیر کثیر لوگوں کے اجتماع کے زیارت اور استغفار کی غرض سے قبور پر جائیں تو یہ احادیث سے ثابت شدہ ہے تفسیر درمنثور میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال قبروں پر تشریف لے جاتے اور اہل قبور کے لیے دعا واستغفار فرماتیا تنی بات ثابت ہے اور مستحب ہے۔

(۲) اجتماعی طور پر کثیر لوگ جمع ہوں اور قرآن کریم کا ختم کریں اور شیرینی یا کھانے پر فاتحہ دے کر حاضرین میں تقسیم کریں تو اگر چہ یہ قسم رسول اکرم ﷺ اور خلفاے راشدین کے زمانۂ مبارک میں موجود نہ تھی، اگر کوئی ایسا کرتا ہے (یعنی مزارات پر جمع ہو کر شیرینی یا کھانے پر فاتحہ دے کر حاضرین میں تقسیم کرتا ہے) تو اس میں (از روئے شرع) کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ طریقہ برا نہیں ہے بلکہ زندوں اور مردوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۳) کسی معین روز لوگ روز عید کی طرح مسرور و شاد ماں بہترین لباس زیب تن کر کے جمع ہوں اور مزامیر کے ساتھ رقص کریں اور دیگر ممنوع بدعتوں کا ارتکاب کریں جیسے قبروں پر سجدے کرنا ان کا طواف کرنا تو یہ طریقہ حرام وممنوع ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب علی محمد خاں صاحب مرحوم رئیس مراد آباد کے جواب میں رقم فرماتے ہیں کہ:

کہ در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد می شود مجلس ذکر وفات شریف و

---

(۲۶) فتاوی عزیزی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ۴۰، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

مجلس ذکرشہادت حسنین کہ مردم روز عاشورا یا یک دو روز پیش قریب چہار پانچ صد کس بلکہ گاہے قریب یک ہزار کس فراہم می آیند و درود می خوانند بعدازاں کہ فقیر می برآید می نشیند ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ درمیان می آید و آنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگاں و تفصیل بعض حالات و بدمآلی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود الی اخر ما قال بعدازاں ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر ہمیں وضع کہ مذکور شد جائز نمی شود اقدام برآن اصلا نمیکرد و بعد ازاں آنچہ نامشروع است حاجت بیان ندارد (ملخصاً)

ترجمہ: پورے سال میں فقیر (شاہ عبدالعزیز صاحب) کے گھر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک ذکر وفات شریف کی مجلس، دوسری ذکر شہادت حسنین کریمین کی مجلس۔ عاشورا سے ایک دو دن پہلے چار پانچ سو لوگ بلکہ کبھی ایک ہزار لوگ جمع ہو کر درود پاک کا ورد کرتے ہیں اس کے بعد فقیر (گھر کے کمرے سے) باہر نکلتا ہے اور فضائل حسنین کریمین کے ذکر کے واسطے بیٹھتا ہے اور جو کچھ احادیث مبارکہ میں ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق خبریں وارد ہوئیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور بعض دیگر احوال کی تفصیل کے ساتھ ان حضرات کے قاتلین کا جو برا انجام (روایات میں) وارد ہوا ہے، بیان کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد ختم قرآن اور پنج آیات پڑھی جاتی ہیں پھر کھانے پر فاتحہ ہوتی ہے، لہذا یہ چیزیں جس طریقہ پر ذکر کی گئیں ہیں اگر فقیر کے نزدیک جائز نہیں ہوتیں تو فقیر اس پر عمل ہرگز نہیں کرتا اور جو چیزیں ناجائز ہیں (وہ ایسی مشہور و معروف ہیں) ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

مولوی عبدالحکیم پنجابی جس نے بزرگان دین کے عرس پر طعن کیا تھا اس کے جواب میں شاہ

صاحب لکھتے ہیں:

> ایں طعن مبنی است بر جہل با حوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض مقررہ را ہیچ کس فرض نمی داند آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بامداد ثواب وتلاوت قرآن ودعاے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علما وتعیین روز برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب۔
>
> ترجمہ: یہ طعن مطعون علیہ (جس پر طعن کیا گیا) کے احوال سے جاہل ہونے پر مبنی ہے کیونکہ کوئی شخص سوائے فرائض مقررہ کے کسی کو فرض نہیں سمجھتا، صالحین کی قبور کی زیارت کرنا، ایصال ثواب، تلاوت قرآن اور دعاے خیر کے ذریعہ ان کی امداد کرنا اور کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا ایک امر مستحسن ہے اس پر علماے کرام کا اتفاق ہے۔
>
> دن کو متعین کرنا اس لیے ہے کہ یہ دن ان کے دار العمل سے دار الثواب کی جانب منتقل ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

آخر میں ہر سال کے شروع میں قبور شہدا پر حضور ﷺ کے تشریف لے جانے والی روایت نقل کی ہے، اور ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے کہ چاروں خلفا کا بھی یہی معمول رہا۔

مولوی رفیع الدین صاحب (۲۷) اپنے مشہور فتویٰ میں عرس کی صحت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر کے دن روزہ رکھنے کی دلیل سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حضرت بلال اس لیے روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز ولادت رسول، ہجرت اور وحی کا نزول نیز حضور علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا۔ وہی دن (وصال کا دن) اہل اللہ کے انتظار کے ختم ہونے کا دن ہے

---

(۲۷) شاہ رفیع الدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند گرامی ہیں، ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء میں ولادت ہوئی، اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ماموں شاہ محمد عاشق پھلتی وغیرہ سے تحصیل علم کی، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ضعیف ہونے کے بعد مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس کو زینت بخشی، خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا، عربی، فارسی، اردو میں ۳۰ سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑیں، ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: حکیم محمود احمد برکاتی ص۱۰۵ تا ۱۰۸، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۹۲

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی روز اللہ والوں کی ارواح کا اجتماع ہوتا ہے اور عالم برزخ کے معاملات منکشف ہوتے ہیں'' پھر یہ تمام تفصیلات ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ'' دعا، ختم قرآن اور کھانے کے ذریعہ ان کی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

> یہیں سے مشائخ کرام کے عرسوں کی محافظت، ان کی قبور کی پابندی سے زیارت، فاتحہ خوانی اور صدقہ کا التزام، ان کے آثار، اولاد اور منتسبین کی تعظیم کی طرف متوجہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شاہ صاحب انفاس العارفین میں اپنے والد گرامی کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' حضور رسالت مآب ﷺ کے یوم وفات میں حضور کی نیاز کے واسطے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی جس سے کھانا پکایا جا سکے صرف بھنے ہوئے چنے اور کالے گڑ پر مَیں نے نیاز کر دی، رات کو خواب میں مَیں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے ہیں اور ان ہی کھانوں میں چنے اور گڑ بھی ہیں۔ حضور نے انتہائی خوشی و مسرت کے ساتھ اسے قبول فرما کر اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا اور باقی کو اپنے اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔(۲۸)

ان اکابرین امت کے کلام نے جن کا ہم نے ذکر کیا ہمارے مدعا کو ظاہر کر دیا لہٰذا اس جاہل کا قول بھی باطل و مردود ہو گیا جو ان مستحسن امور کو حرام اور بدعت سیئہ کہتا ہے۔ ان شہروں میں اکثر اہل علم کے علوم کی اسناد کی انتہا ان ہی بزرگان دین کی جانب ہوتی ہے (یعنی شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ) پھر ان اکابرین کی طرف اس بات کا منسوب کرنا کہ انہوں نے حرام کو حلال قرار دے دیا تھا، اپنے دینی سلسلے کی جڑ کاٹنا ہے۔

(۴) کیا اولیائے کرام سے مدد طلب کرنا شرک ہے ؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ آیت مقدسہ'' امـاتـه فـاقبره ''(۲۹) کی تفسیر میں

---

(۲۸) انفاس العارفین: ترجمہ سید فاروق احمد قادری، ص ۱۰۶ / ۱۰۷، مکتبہ الفلاح دیو بند

(۲۹) عبس آیت ۲۱، ترجمہ: پھر اسے (انسان کو) موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا

فرماتے ہیں:

توجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بسہولت می شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است وآثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا وتلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع می شود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن بنا برایں است کہ از اولیاے مدفونین ودیگر صلحاے مومنین انتفاع واستفادہ جاری است وآنہارا افادہ و اعانت نیز متصور (۳۰)

ترجمہ: روح کی توجہ زائرین، مستفید ہونے والوں کی جانب بآسانی ہوجاتی ہے بدن کی جگہ کے تعین کے سبب گویا روح کا مکان بھی متعین ہوگیا اور اس عالم کے آثار جیسے صدقات، فاتحہ خوانی، تلاوت کلام مجید کا ثواب جب زمین کے اس ٹکڑے کے پاس کیا جاتا ہے جس میں بدن مدفون ہے تو بآسانی نفع بخش ہوتا ہے لہٰذا بدن کو جلانا گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور بدن کو دفن کرنا گویا روح کے واسطے ایک مسکن بنانا ہے اسی بنا پر اولیاے کرام اور دیگر صلحاے مومنین جن کو دفن کیا جاتا ہے ان سے انتفاع واستفادہ جاری ہے اور ان کو بھی فائدہ پہنچنا اور ان کی اعانت کرنا متصور ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سورۂ انشقت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اندریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد و اویسیان تحصیل کمالات باطنی از آنہا می نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از آنہا می طلبند و

(۳۰) تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص:۶۱، پارۂ عم مطبع العلوم دہلی ۱۲۶۷ھ

می یابند وزبان حال آنہا دراں وقت ہم مترنم بایں مقالات است ۔(۳۱)

مصرع - من آیم بجان گرتو آئی بہ تن

ترجمہ: بعض خواص اولیا جو اپنے جوارح کو بنی نوع انسان کی تکمیل اور ارشاد میں لگا چکے ہیں اس حالت میں بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں، جہت کمال کی طرف ان کا استغراق اس جانب توجہ کرنے میں مانع نہیں ہوتا ہے، اور اویسی حضرات اپنے کمالات باطنی کی تحصیل انہیں حضرات سے کرتے ہیں ، اور حاجت منداپنی مشکلوں کا حل انہیں سے طلب کرتے ہیں، اور ان سے پاتے ہیں اور زبان حال سے گویا وہ یہ فرماتہ ہیں کہ اگر تم اپنے بدن کے ساتھ آئے ہوتو میں ش اپنی روح کے ساتھ حاضر ہوں

اس مسئلہ میں وہابیہ پر رد کرتے ہوئے مولوی محمد موسیٰ صاحب (۳۲) خلف الصدق حضرت مولوی رفیع الدین صاحب قدس سرہ رسالہ ''حجۃ العمل'' میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

دریں جا سخنے است واجب التنبیہ کہ استعانت از غیر خدا بوجہے کہ اور اخالق عون ومستقل درتصرف داند حرام است واگراورامظہر عون الٰہی دانستہ استعانت نماید جائز است واین نوع استعانت از صحابہ تا حضرت مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب ومولوی رفیع الدین صاحب در تصحیح المسائل وغیرہ

---

(۳۱) تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص:۱۳۹، تحت سورۂ انشقت، مطبع العلوم دہلی ۱۲۶۷ھ

(۳۲) آپ کی ولادت ۱۱۹۳ھ سے قبل ہوئی، اپنے اسلاف کی شہرۂ آفاق درسگاہ مدرسہ رحیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اپنے چچازاد بھائی شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار ونظریات کے رد میں دو رسالے تالیف فرمائے، حجۃ العمل فی ابطال الجہل ، اور رسالہ در تحقیق استعانت، جامع مسجد دہلی کے مشہور تاریخی مناظرے میں مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کے مقابلے میں علماے اہل سنت کے ساتھ آپ نے بھی سرگرمی سے حصہ لیا، علامہ فضل حق خیرآبادی نے جب شاہ اسماعیل دہلوی کے رد میں تحقیق الفتویٰ لکھی تو اس پر دیگر علماے دیلی کے ساتھ آپ نے بھی تائیدی دستخط فرمائے، ۱۲۵۹/۱۸۴۳ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: حکیم محمود احمد برکاتی ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۹۲

بخوبی ثابت کردیدہ است پس مقصود قائل اگر معنی اول است دراں کلام نیست و نہ کسے مدعی آن واگر معنی دویم ارادہ کردہ است شک نیست در خروج اوازاہل حق ودخول در مذہب نجدیہ کہ کافہ علمائے عرب وعجم خصوص دریں مسئلہ ضلال او بادلہ قطعیہ ثابت کردہ اند۔

ترجمہ: اس جگہ ایک قابل تنبیہ بات یہ ہے کہ غیر خدا سے استعانت اس طریقہ پر کرنا کہ اس کو خالق عون اور تصرف میں مستقل بالذات ماننا تو یہ حرام ہے اور اگر اسے عون الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کی تو یہ جائز ہے اور اس قسم کی استعانت صحابہ کرام کے مقدس گروہ سے لے کر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب تک تصحیح المسائل وغیرہ کتب میں بہت اچھی طرح ثابت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اگر (منکر استعانت) قائل کا مقصد پہلے والے معنی ہیں تو اس (پہلے والے معنی کے حرام وکفر ہونے) میں کوئی کلام نہیں اور اس معنیٰ کا کوئی مدعی بھی نہیں اور اگر قائل نے دوسرے معنیٰ کا ارادہ کیا ہے (یعنی غیر اللہ کو عون الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کو حرام وکفر کہا ہے) تو اس قائل کے اہل حق کی جماعت سے نکلنے اور نجدی فرقہ کے اندر داخل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیوں کہ تمام عرب وعجم کے علمائے کرام نے خاص طور سے اسی مسئلہ میں قطعی دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی ثابت کردی ہے۔ (۳۳)

(۶) حضور انور ﷺ کے نقش پا کا معجزہ -

علامہ احمد بن محمد القسطلانی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المواہب اللدنیہ'' میں حضور علیہ السلام کے نقش پا کے معجزہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

(۳۳) مسئلہ توسل واستعانت پر تحقیقی اور تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب ''احقاق حق''، ترجمہ وتحقیق از راقم الحروف، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں۔

أنـه صـلـى الله عليه وسلم كان إذا مشى فى الصخر غاصت قدماه فيه كما هو مشهور قديماً و حديثا على الألسنة. (۳۴)

ترجمہ: حضور انورﷺ جب پتھر پر چلتے تھے تو آپ کے دونوں قدم مبارک اس پتھر میں اثر فرماتے جیسا کہ زمانۂ قدیم اور موجودہ عہد میں زبانوں پر مشہور ہے۔

حضور کے نقشِ پا کے معجزہ کا ذکر علامہ محمد رہاوی نے کتاب المعجزات میں اور قاضی دیار بکری نے تاریخ خمیس میں علامہ فخر الدین الرازی سے نقل کیا ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے انموذج اللبیب، امام رزین العبدری صاحب صحاح نے خصائص میں، اور علامہ حلبی نے ''انسان العیون'' میں امام سبکی کے استشہاد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس معجزہ کا ذکر امام زبری وتلمسانی نے فتح المتعال میں حافظ متولی، ابن سبع اور نیشاپوری کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ اور امام بوصیری نے قصیدۂ ہمزیہ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ البتہ کتب صحاح ستہ میں حضور کے نقش پا کا معجزہ مذکور نہیں ہے مگر ان میں اور بعض دیگر کتب میں اس کے نہ ہونے اور بعض لوگوں کے اس پر مطلع نہ ہونے کی بنیاد پر اس کا انکار کرنا درست نہیں، جبکہ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے اس معجزہ کو وصف شہرت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسے قبول کر کے اس کے منکر پر نکیر قائم فرمائی ہے۔

اس معجزے کے انکار کی بنا فقط (۳۵) اس پر ہے کہ یہ معجزہ مواہب لدنیہ وغیرہ کتب سیر سے ثابت نہیں ہے اسی وجہ سے صاحب سیرت شامیہ نے لکھ دیا ہے کہ ''اس معجزہ کا وجود حدیث اور کتب تواریخ میں نہیں'' اور جب اہل ایمان نے خود مواہب لدنیہ اور دیگر معتبر کتب سے اس

---

(۳۴) المواهب اللدنية ۲/ص:۶۳۰ پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء

(۳۵) اس معجزے کے رد میں یہ اور اس کے بعد والی دلیل میاں سید نذیر حسین دہلوی صاحب نے دی تھی، انہوں نے اس کے رد میں ایک فارسی رسالہ ''الدلیل المحکم فی نفی اثر القدم'' تصنیف کیا، یہ رسالہ ذی الحجۃ ۱۲۶۶ھ میں تالیف کیا گیا اور ربیع الاول ۱۲۶۷ھ میں فخر المطابع دہلی سے شائع ہوا، اس کے رد میں مولانا محمد کریم اللہ شاہجہان آبادی (م:۱۲۹۱) نے ''برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم'' (مطبع دار السلام دہلی رجب ۱۲۶۷ھ) اور مولانا محمد فرید الدین دہلوی (م:۱۲۷۴) نے ''السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول'' (مطبع اردو اخبار دہلی ۱۲۶۷ھ) تالیف کی۔

معجزہ کو ثابت کر دیا تو منکر کے دعویٰ کی بنیاد جڑ سے اکھڑ گئی۔ صاحب سیرت شامیہ کا اس معجزہ کو کتب حدیث وتاریخ میں نہ پانا ہمارے مطلوب کے لیے ضرر رساں نہیں کیونکہ ان کے استاذ امام جلال الدین سیوطی نے اسے صاحب صحاح امام رزین کی خصائص میں پایا اور اپنی کتاب ''انموذج'' میں ذکر کیا، اور علامہ حلبی وتلمسانی نے حلبی پر تعریض کی اور اس کو حلبی کے معتبر اور مستند (امام سیوطی) ہی سے ثابت کر دیا۔

منکر کی دوسری دلیل یہ کہ امام قاضی بیضاوی، امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر، صاحب مدارک، نیشاپوری، حسینی وجواہر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا پتھر پر اثر اور اس کا زمانۂ دراز تک قائم وباقی رہنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کا خاصہ ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہاں بیضاوی، حسینی اور صاحب جواہر کا نام ذکر کر کے منکر نے ان پر اتہام کیا ہے (کیونکہ ان حضرات نے یہ بات نہیں لکھی) میں عرض کرتا ہوں کہ منکر کے کلام کے سیاق وسباق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کو صرف اسی خصوصیت سے انکار نہیں بلکہ وہ اس قاعدۂ کلیہ (جو جامع معجزات کثیرہ ہے) کا منکر ہے کہ ''جو بھی خصوصیت کسی نبی کو دی گئی اس کا مثل ہمارے حضور ﷺ کو ضرور دیا گیا''۔

مواہب لدنیہ کے چوتھے مقصد کی دوسری فصل میں یہ قاعدہ موجود ہے اور گویا پوری فصل اسی قاعدے کی فروع کے بیان میں ہے، مثلاً لکھتے ہیں:

واما ما اعطیه سلیمان علیه السلام من کلام الطیر وتسخیر الشیاطین والریح والملک الذی لم یعطیه احد من بعده فقد اعطی سیدنا محمد ﷺ مثل ذلک وزیادة(۳۶)

وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت دی گئی مثلاً پرندوں سے کلام کرنا، جنات اور ہوا کی تسخیر اور بادشاہت وغیرہ ان کے بعد کسی اور کو نہیں دی گئی، لیکن وہی خصوصیت بلکہ اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کو عطا کی گئی۔

---

(۳۶) المواهب اللدنیة: ج۲، ص۵۹۲، پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء

اور معجزہ نقش قدم کا حضرت ابراہیم کا خاصہ ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ویسا ہی معجزہ اس ذات گرامی کو دیا جائے کہ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ وہ تمام انبیا علیہم السلام کی خصوصیتوں کی جامع ہے بلکہ حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت تو تقاضا کر رہی ہے کہ آپ بھی حضرت ابراہیم کی مذکورہ خصوصیت کے حامل ہوں، دیکھو صاحب مواہب امام قسطلانی حضرت ابراہیم کے معجزۂ نقش قدم کو حضورﷺ کے معجزۂ قدم کی تائید میں لائے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

اذما خص نبی بشی من المعجزات والکرامات الا ولنبینا ﷺ مثله کما نصوا علیه(۳۷)

اس لیے کہ جو بھی معجزہ یا بزرگی کسی نبی کو ملی اس کی مثل ہمارے نبیﷺ کے لیے ثابت ہے جیسا کہ علما نے بیان کیا ہے۔

منکر اعجاز کی دلیل کا مدار لفظ ''خاصہ'' پر ہے، جو مفسرین کے کلام میں وارد ہوا ہے، مفسرین کے امام امام رازی ہیں اور صاحب تاریخ خمیس نے انہیں امام ہمام (رازی) سے یہ معجزہ نقل کیا ہے۔

(۷) کیا تعزیہ قصداً یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے -

(۸) کیا ہولی دیکھنے یا دسہرہ میں جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے ؟ -

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان وکفر تصدیق وتکذیب کا نام ہے جو دل کا فعل ہے اور زبان سے اقرار کرنا ایک زائد رکن ہے یا زبان سے اقرار کرنا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے اور باطل فرقوں میں سے خوارج کے نزدیک تصدیق مع الطاعت کا نام ایمان ہے لہٰذا ہر گناہ کو وہ کفر بتاتے ہیں اور ہر معصیت ان کے نزدیک شرک ہے خوارج کا یہ گمراہ عقیدہ چونکہ حد شہرت کو پہنچ چکا ہے لہٰذا اس کی سند کی حاجت نہیں ہے۔

قائل نے فقط آنکھ کے فعل یعنی دیکھنے پر کفر کا حکم لگا دیا خواہ دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو قائل کا یہ قول اس کے اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ

---

(۳۷) مرجع سابق: ج ۲، ص ۵۹۲

تعزیہ کے بارے میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قوم اس کی عبادت کرتی ہے اس لیے اس کے دیکھنے سے کفر لازم آئے گا، تو قائل کا یہ حکم لگانا بھی باطل ہے ورنہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ چاند سورج کا دیکھنا، گنگا جمنا کو دیکھنا اور اس کا پانی پینا کفر ہو حالانکہ زمانۂ بعثت سے لے کر فتح مکہ تک ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد بھی حضور اکرم ﷺ کا عمرہ کرنے آنا اور صحابہ کا اس زمانہ میں حج کرنے آنا اور فتح مکہ کے روز حضور اور تمام صحابہ کا ان باطل معبودوں کو دیکھنا ظاہر ہے، حج کی فرضیت کے بعد فتح مکہ سے پہلے جب صحابہ کرام حج کی ادائیگی کے لیے آئے اساف ونائلہ (جو بتوں کے نام ہیں) کی وجہ سے صفا اور مروہ پر سعی کرنے میں کچھ تامل ہوا تو آیت کریمہ **فلا جناح عليه ان يطوف بهما** (۳۸) نازل ہوئی۔

ہاں البتہ فقہ کی کتابوں میں مشرکین کی عیدوں میں بقصد تعظیم جانے اور ان کے افعال میں موافقت کرنے کو کفر لکھا ہے، طحطاوی میں ہے:

ويكفر باتيانه عيد المشركين تعظيما (۳۹)

ترجمہ: آدمی کا مشرکین کی عید میں تعظیماً جانا کفر ہے۔

عالمگیری میں ہے

(يكفر) بخروجه الى نيروز المجوس لموافقته معهم فيما يفعلون فى ذلك اليوم وبشرائه يوم النيروز شيئًا لم يكن يشتريه قبل ذلك تعظيما للنيروز لا للاكل والشرب وباهدائه ذلك اليوم للمشركين ولو بيضة تعظيما لذلك لاباجابة دعوة مجوسى حلق رأس ولده. (۴۰)

ترجمہ: اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو مجوسیوں کے جشن نیروز میں جائے

---

(۳۸) البقرۃ:۱۵۸

(۳۹) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ج:۲/ص:۴۷۹، دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

(۴۰) الفتاوی العالمگیریہ، ج:۲/ص:۲۷۷، الباب التاسع فى احكام المرتدين۔

ان کی ان کاموں میں موافقت کی غرض سے جو وہ اس دن کرتے ہیں اور نیروز کی تعظیم کے قصد سے کوئی ایسی چیز خریدے جو اس نے اس سے پہلے نہیں خریدی نہ کہ اس چیز کو کھانے پینے کے لیے، اسی طرح اس دن مشرکوں کو اس دن کی عظمت کی وجہ سے کوئی ہدیہ وغیرہ دینے سے بھی کفر ہو جائے گا اگر چہ تحفہ میں ایک انڈا ہی دیا ہو، مجوسی کی دعوت جو وہ اپنے لڑکے کے سر منڈانے میں کرے تو اس دعوت میں جانے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح دیگر فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

شام کے شہروں میں یہ رسم تھی کہ مسافر کافروں کے عبادت خانوں میں ٹھہرتے تھے جیسا کہ یہ ابھی تک ہندوستان کے جنوبی شہروں میں رائج ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہاں کے ذمی کافروں سے یہ عہد نامہ لکھوایا کہ وہ مسلمان مسافروں کو اپنے عبادت گھروں میں ٹھہرنے سے منع نہیں کریں گے یہ روایت طحطاوی وغیرہ معتبر کتب میں موجود ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مسلمان کو مجوسی سے اس کی آگ روشن کرنے کے عوض مزدوری لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ خلاصہ میں لکھا ہے، نوادر ہشام میں امام محمد سے مروی ہے کہ: ''گھر یا خیمہ کو تصاویر یا بت سازی کے لیے کرایہ پر دینا مکروہ ہے، لیکن کرایہ پر دینے والا اس کی اجرت کا مستحق ہے''۔ ہشام کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اصباغ اجیر کی جانب سے ہو جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، نیز اگر گھر بت سازی کے لیے کرایہ پر دیا جائے اور اس میں اصباغ مستاجر کی جانب ہو تو اجرت جائز نہیں ہے، جیسا کہ سراجیہ میں ہے اور کسی مسلمان کا کسی ذمی کے یہاں عبادت خانہ اور کلیسہ بنانے کے لیے مزدوری کرنا جائز ہے اور اس کی مزدوری حلال ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب الاسواق التی کانت فی الجاهلية فتبايع بها الناس فی

الاسلام (۴۱)

ترجمہ: یہ باب ان بازاروں کے بیان میں جو زمانۂ جاہلیت میں تھے اور لوگ زمانۂ اسلام میں بھی ان بازاروں میں خرید وفروخت کرتے تھے۔

فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت کے افعال اور گناہوں کی جگہوں میں طاعت وفرماں برداری کے کام کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اور اس باب میں جو حدیث مروی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

کانت عکاظ و مجنة و ذوالمجاز اسواقا فی الجاهلية فلما کان الاسلام تأثموا من التجارة فيها فانزل الله ليس عليکم فی مواسم الحج قرأ ابن عباس کذا. (۴۲)

ترجمہ: عکاظ مجنّہ اور ذوالمجاز زمانۂ جاہلیت میں بازار تھے جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنا برا سمجھا تو اللہ نے حکم نازل فرمایا کہ حج کے موسم میں ان بازاروں میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی پڑھا ہے۔

عینی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ان بازاروں میں جانا اور کپڑا خریدنا ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن جابر بن عبدالله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله و رسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام. (۴۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فتح

---

(۴۱) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب الاسواق التی کانت فی الجاهلية فتبايع بها الناس فی الاسلام۔

(۴۲) مرجع سابق

(۴۳) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بيع الميتة والاصنام۔

مکہ کے سال حضورﷺ کو مکہ مبارکہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اوراس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کوحرام کردیا۔

فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی حدیث مذکور کے تحت لکھتے ہیں:

والعلة فی منع بیع الاصنام عدم المنفعة المباحیة فعلی هذا ان کانت بحیث اذا کسرت ینتفع برضاضها جاز بیعها عند بعض العلماء من الشافعیة وغیرهم والاکثر علی المنع حملا للنهی علی ظاهره والظاهر أن النهی عن بیعها للمبالغة فی التنفیر عنها ویلتحق بها فی الحکم الصلبان التی تعظمها النصاری ویحرم نحت جمیع ذلک وصنعته. (۴۴)

ترجمہ: بیع اصنام کی ممانعت کی وجہ ان سے منفعت مباحیہ کا نہ ہونا ہے، لہذا اس تقدیر پر ایسے بت جوٹوٹنے کے باوجود اپنے ریزوں کے ذریعہ نفع کا سبب بنے تو ان بتوں کی بیع بعض شوافع اور دیگر علما کے نزدیک جائز ہے لیکن اکثر علمائے کرام حدیث میں وارد نہی کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ بیع اصنام میں نہی بتوں سے نفرت دلانے کے باعث بطور مبالغہ مستعمل ہے اور یہی حکم صلیبوں کا ہے جس کی نصاری تعظیم وتکریم کرتے ہیں ان تمام بتوں اور صلیبوں کی صنعت حرام ہے۔

دیکھنا چاہیے کہ بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید وفروخت کے جواز میں اختلاف موجود ہے، بت خانہ بنانے کی مزدوری اور مجوسیوں کے عبادت خانہ کی آگ روشن کرنا تو جائز ہو اور تعزیہ کو قصداً یا بلاقصد دیکھنا کفر ہوجائے؟۔

تعزیہ کو قصداً یا بلا قصد دیکھنے کو کفر کہنے والے قائل کے شریعت محمدیہ کی مخالفت کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

---

(۴۴) فتح الباری شرح صحیح بخاری: ابن حجر عسقلانی ج:۴/ص:۴۲۶، دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ

(۹) کیا کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطہ کو کوئی بزرگی حاصل نہیں ؟ -

کعبہ شریفہ اور مدینہ منورہ کے خطہ کی بزرگی کا انکار کرنا صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظمت کا انکار نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کا انکار اور اس کو ہلکا سمجھنا ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے مخاصمت کرنا ہے، قرآن اور حدیث ان دونوں جگہوں کی بزرگی کے بیان سے پُر ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

(۱) وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً للنّاسِ وَاَمْنًا. (۴۵)

ترجمہ: اور یاد کرو ہم نے گھر کو (خانۂ کعبہ کو) مرجع انام اور جائے امن بنادیا

(۲) وهذا البلد الامین. (۴۶)

ترجمہ: قسم ہے اس امن دینے والے شہر کی۔

(۳) رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرَ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِکَ الْمُحَرَّمِ (۴۷)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو تیرے مقدس گھر کے پاس اس وادی میں بسادیا جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہے۔

(۴) اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ ايٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وَّمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ. (۴۸)

ترجمہ: سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا یقیناً وہ مکہ مکرمہ میں

---

(۴۵) البقرۃ:۱۲۵

(۴۶) التین:۳

(۴۷) ابراہیم:۳۷

(۴۸) آل عمران:۹۷

ہے جو برکت والا اور سارے جہان کے لیے ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں اور مقام ابراہیم ہے تو جو شخص اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ محفوظ ہے اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور جس نے انکار کیا تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

(۵) وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْب. (۴۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم وتکریم کرتا ہے تو یہ تعظیم دلوں کی پرہیزگاری ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی عظمت و فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں :

(۱) قال رسول اللّٰہ ﷺ لمكة ما اطيبک من بلد واحبک الیّ ولو لا ان قومی اخرجونی منک ما اسکنت غیرک. (۵۰)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو ہر شہر سے اچھا اور سب سے زیادہ مجھے پسندیدہ ہے اگر میری قوم مجھے تیری حدود سے باہر نہ کرتی تو میں تیرے علاوہ کہیں سکونت پذیر نہیں ہوتا۔

(۲) قال رسول اللّٰہ ﷺ واللّٰہ انک خیر ارض اللّٰہ ولو لا انی اخرجت منک ما اخرجته. (۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اے مکہ تو اللہ کی بہترین زمین ہے اگر مجھے تجھ سے باہر نہ کیا جاتا تو میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔

(۳) وقال رسول اللّٰہ ﷺ لا تزال هذه الامة بخير ما عظموا

---

(۴۹) الحج:۳۲

(۵۰) سنن الترمذی: کتاب المناقب : باب فی فضل مکة

(۵۱) مسند احمد بن حنبل: ج۴،ص۳۰۵،مؤسسة قرطبه القاهره

هذه الحرمة حق تعظيمها فاذا ضيعوا ذلک هلکوا. (۵۲)
ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا امت جب تک اس حرم کی تعظیم وتکریم کرتی رہے گی خیر و برکت میں رہے گی اور تعظیم نہیں کرے گی تو ہلاکت مقدر بن جائے گی۔

(۴) قال رسول اللّٰہ ﷺ انی احرم ما بین لا بتی المدینة ان یقطع عضاهها اویقتل صیدها وقال المدینة خیر لهم لو کانو یعلمون لایدعها رغبة الا ابدل اللّٰہ فیها من هو خیر منه ولا یثبت احد علی لاوائها وجهدها الا کنت شفیعاله یوم القیمة. (۵۳)
ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مدینے کی دونوں پتھریلی جانبوں کے درمیان کو حرم قرار دیتا ہوں کہ اس میں کوئی درخت کاٹا جائے یا اس کے جانور کا شکار کیا جائے۔لوگ اگر جانتے تو کسی غرض کو خاطر بھی اس کو نہ چھوڑتے مگر یہ کہ اللہ ان کو مدینہ میں اس سے بہتر عطا فرماتا، جوشخص بھی مدینہ کی سختی اور بھوک پر ثابت قدم رہائیں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔

(۵) وعن ابی سعید الخدری قال رسول اللّٰہ ﷺ اللهم ان ابراهیم علیه الصلوة والسلام حرم مکة فجعلها حرما وانی حرمت المدینة حراما مابین مأزمیها ان لا یهراق فیها دم ولا

---

(۵۲) الف: ابن ماجہ: کتاب المناسك ، باب فضل مکة
ب: مصنف ابن ابی شیبہ، ج۳/ص:۲۶۸، مکتبہ الرشد الریاض ۱۴۰۹ھ
(۵۳) الف: صحیح مسلم: کتاب الحج، باب فضل المدینة دعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة
ب: سنن البیہقی الکبری: کتاب الحج : باب ماجاء فی حرم المدینة
ج: مسند احمد بن حنبل: ج۱/ص:۱۸۱، مؤسسة قرطبة القاهره

یحمل فیھا سلاح لقتال ولا یخبط فیھا شجرۃ الا لعلف. (۵۴)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان حرم ہے یہاں خوں ریزی نہ کی جائے، نہ لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں، چارہ کے علاوہ یہاں کے درختوں سے کسی اور غرض کے لیے پتے نہ توڑیں جائیں۔

(۶) قال رسول اللّٰہ ﷺ امرت بقریۃ تاکل القری یقولون یثرب وھی المدینۃ تنفی الناس کما تنفی الکیر خبث الحدید (۵۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بستی کی طرف ہجرت کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب ہوگی جسے لوگ یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے، مدینہ برے لوگوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

(۷) قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعۃ حتی تنفی المدینۃ شرارھا کما ینفی الکیر خبث الحدید. (۵۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مدینہ برائیوں کو دور کردے جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کردیتی ہے۔

(۸) عن عائشۃ بنت سعد قالت سمعت سعدا قال سمعت

---

(۵۴) صحیح مسلم: کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینۃ

(۵۵) بخاری: کتاب الحج، باب فضل المدینۃ وانھا تنفی الناس

(۵۶) مسلم: کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی شرارھا

النبی ﷺ یقول لا یکید اهل المدینة احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء. (۵۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت سعد سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں نے حضرت سعد کوفرماتے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ حضور نے فرمایا جوبھی مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے وہ ایسے گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

(۹) من استطاع ان یموت فی المدینة فلیمت بها فانی اشفع لمن یموت بها(۵۸)

ترجمہ:تم میں سے جواس کی استطاعت رکھتا ہو کہ مدینہ میں اس کوموت آئے تواس کومدینہ میں مرنا چاہیے،اس لیے کہ جومدینہ میں مرے گا میں اس کاشفیع ہوں گا۔

(۱۰) وعن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ انّ الایمان لیأرز الی المدینة کما تا رزالحیة الی حجرها. (۵۹)

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان مدینہ میں سمٹ جائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں سمٹ جاتا ہے۔

(۱۱) قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه سمعت رسول اللّٰہ ﷺ وهو بواد العتیق یقول اتانی اللیلة آت من ربی فقال

---

(۵۷) بخاری:کتاب الحج،باب اثم من کاد اهل المدینة

(۵۸) ترمذی:کتاب المناقب،باب فی فضل المدینة

(۵۹) الف:صحیح بخاری : کتاب الحج،باب الایمان یأرزالی المدینة

ب:صحیح مسلم:کتاب الایمان : باب بیان أن الاسلام غریبا و سیعود غریباً وإنه یأرزبین المسجدین

ج:ابن ماجہ: کتاب المناسك، باب فضل المدینة

د:مسنداحمد بن حنبل:ج۲/ص:۲۸۶،مؤسسة قرطبة القاهره

صل فی هذا الوادی المبارک . (۶۰)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس وقت آپ وادیٔ عتیق میں تھے، کہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا آیا اور مجھ سے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے۔

یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں مروی ہیں۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے عناد رکھنے والے شخص نے جو دلیل پیش کی ہے کہ ''اس سرزمین پر ظلم ہوتا ہے'' بالفرض محال اگر وہاں ظلم ہوتا بھی ہو تو یہ مدینہ و مکہ کی عظمت و بزرگی کے انکار کی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ ساکنین مکہ کی جانب سے عہد رسول انور ﷺ میں وہ ظلم و ستم وقوع پذیر ہوا جو وجود آدم سے اب تک نہیں ہوا اور اس کی صراحت تفسیر عزیزی میں **لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد.** آیت کے تحت مذکور ہے، اس ظلم و جور کے باوجود بھی مکہ معظّمہ کی بزرگی و عظمت ختم نہیں ہوئی جیسا کہ تفسیر عزیزی میں آیت مقدسہ **انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ** کے تحت ذکر کیا گیا۔ خانۂ کعبہ اس وقت بھی قبلہ و مطاف تھا جبکہ وہ کفار کے غلبہ کے باعث بت کدہ بنا ہوا تھا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ **ما بالذات لایزول بما بالغیر** یعنی ذاتی فضیلت غیر کے باعث زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر مکہ کے جاہلوں نے اساف و نائلہ نامی دو بتوں کو رکھ کر پوجنا شروع کر دیا تو ان کے اس شرک سے ان پہاڑیوں کے شعائر اللہ ہونے میں کچھ فرق نہ آیا اور ان پہاڑیوں کی عظمت زائل نہیں ہوئی اس لیے کہ جو ہر ذاتی وہ ہے جو غیر کے سبب زائل نہ ہو۔

مدینہ منورہ کو ظلم و ستم کی سرزمیں کہنے والے جاہل بے دین شخص نے مصر و عراق کے بلوائیوں کو مدینہ منورہ کا رہنے والا سمجھ لیا ہے حالانکہ مدینہ میں مہاجر و انصار تھے ان کی جانب

---

(۶۰) الف: صحیح بخاری: کتاب الحج، باب قول النبی ﷺ العتیق واد مبارک

ب: صحیح ابن خزیمہ: کتاب المناسک، باب استحباب الاستقبال بالراحة

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی نسبت کرنا رافضیوں کا شیوہ ہے۔تحفۂ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے رافضیوں کے وہ طعن نقل کیے ہیں جو وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کرتے ہیں،ان میں دسواں طعن یہ ہے کہ ''تمام صحابہ ان کے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے) قتل پر راضی تھے''،اس کے جواب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ ایسا صریح جھوٹ اور بہتان ہے کہ جو بچوں پر بھی مخفی نہیں''۔(۶۱)

ساکنان مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی،اور آپ کا قتل حجاج بن یوسف ثقفی نے کیا جو شام کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی درخواست اور طلب پر وہاں تشریف لے گئے تھے اور اہل مکہ نے اس وقت از روئے مشورہ اور مصلحتاً کوفہ جانے سے روکا تھا ہر عام و خاص ان واقعات کو جانتا ہے مگر ان ظاہری و باطنی اندھے حرمین شریفین کی عظمت و بزرگی کے شامتِ انکار کے باعث اس راہ پر لگا دیا۔حرمین شریفین کی بزرگی وعظمت کے منکرین،ساکنینِ حرمین کے دشمن،جھوٹے،جاہل،باطل پرست،بدعتی،دین میں تحریف کرنے والے،مسلمانوں کے سواد اعظم کی تکفیر کرنے والے،قرآن وحدیث کے مقابل ایک نیا مذہب گڑھنے والے ہرگز دین محمدی کے عالم نہیں بلکہ دین محمدی کے دشمن اور شریعت احمدی کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

سبحان اللہ تعجب کا مقام ہے کہ کفار نے حضور ﷺ کو مکہ سے نکال دیا تو بھی اس کی بزرگی میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا بلکہ اسی زمانے میں کعبہ کو اعلیٰ درجہ کی بزرگی یہ حاصل ہوئی کہ اسے قبلہ بنا دیا گیا،اللہ رب العالمین کی طرف سے اکثر آیات کا نزول اسی زمانے میں ہوا،عین اسی زمانے میں کعبہ شریف کی فضیلت و بزرگی پر حضور سید المرسلین کے پاکیزہ ارشادات ظاہر ہوئے۔دین میں فساد برپا کرنے والے ملحدین نے خانۂ کعبہ کو بزرگی سے معزول کر دیا ایسے لوگوں کی گمراہی پر ہر زمانہ کے ائمہ کرام اور اہل حل وعقد کا اتفاق ہے اور چاروں مذاہب کے افتا و قضا کی رو سے ان لوگوں کی گمراہی پر مسلمانوں کے سواد اعظم خیر الامم کا اجماع ہے۔

---

(۶۱) تحفۂ اثنا عشریہ: ۵۲۰،مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

خلاصۂ کلام - اب جاننا چاہیے کہ ان مذکورہ باتوں کا قائل اہل سنت و جماعت کا مخالف اور جماعت اہل سنت سے خارج ہے اور فرق باطلہ جیسے خوارج، روافض وغیرہ اہل بدعت کے فرقوں میں داخل ہے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کسی خارجی یا کسی رافضی کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مثل ہے۔ **واللّٰہ اعلم بالصواب.**

کتبہ

فضل الرسول

اهب الله عليه قبول القبول

اصل فتوی پر جن معتبر و معتمد علما کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں ان کے اسمائے گرامی یہاں نقل کیے جاتے ہیں تا کہ عام مومنین اور دین متین کے متبعین کے واسطے جواب کی حقیقت و درستگی ظاہر ہو جائے۔

۱۔ جناب مولانا مفتی محمد صدر الدین صاحب صدر الصدور شہر شاہجہاں باد **دام اجلاله**

۲۔ جناب مولانا مولوی سید محمد صاحب مدرس مدرسۂ عربی دہلی دام فیوضہ

۳۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحب

۴۔ جناب مولوی محمد مظہر صاحب

۵۔ جناب مولوی محمد عمر صاحب

۶۔ جناب مولوی کریم اللہ صاحب

۷۔ مولوی محمد فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد

۸۔ حکیم محمد امام الدین خاں صاحب

۹۔ جناب حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب

۱۰۔ قاضی احمد الدین صاحب

۱۱۔ قاضی محمد علی صاحب

۱۲۔ مولوی محمد عزیز الدین صاحب

۱۳۔ مولوی تفضّل حسین خاں صاحب نواسۂ حضرت مولوی رشید الدین خاں صاحب مرحوم

۱۴۔ سید بشیر علی صاحب امروہوی

۱۵۔ جناب مولوی حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام

یقیناً وہابیہ کے واعظین نے اپنا قدم دائرۂ اہل سنت و جماعت سے نکال کر وادئ اعتزال و رفض وخروج میں رکھا ہے اور کیا اچھا یہ کہا گیا ہے کہ واعظ شہر کو کبھی لوگ اپنا بادشاہ جانتے ہیں اور ہمارا قول یہ ہے کہ وہ آدمی بھی نہیں ہے بحمد اللہ مذہب حق میں ابھی ایسے علما ہیں جو احقاق حق میں مشغول ہیں

حیدر علی عفی عنہ

۱۶۔ مولانا دلدار بخش صاحب

جواب کی حقیقت اظہر من الشّمس ہے اور ہمیشہ سے یہی مشرق و مغرب میں اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

دلدار بخش عفی عنہ

۱۷۔ مولانا حسن الزماں صاحب

تمام جواب صحیح و درست ہیں اور اس کے منکرین ذلیل وخوار مردود الخطاب اور عتاب کے مستحق ہیں۔

حررہ العبد المفتاق الی رحمۃ اللہ الصمد

حسن الزماں محمد عفی عنہ

☆☆☆

بسلسلۂ جشنِ زرّیں

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

۱۔ احقاق حق (فارسی)

سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی　　ترجمہ وتخریج، تحقیق: مولانا اسیدالحق قادری

۲۔ عقیدۂ شفاعت کتاب وسنت کی روشنی میں

سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی　　تسہیل وتخریج: مولانا اسیدالحق قادری

۳۔ سنت مصافحہ (عربی)

تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی　　ترجمہ وتخریج: مولانا اسیدالحق قادری

۴۔ الکلام السدید (عربی)

تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی　　ترجمہ: مولانا اسیدالحق قادری

۵۔ طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول)

مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی　　تسہیل وترتیب: مولانا اسیدالحق قادری

۶۔ مردے سنتے ہیں

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی،　　ترتیب وتخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۷۔ مضامین شہید

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی　　ترتیب وتخریج: صاحبزادہ مولانا عطیف قادری بدایونی

۸۔ ملت اسلامیہ کا ماضی حال مستقبل

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی　　ترتیب وتقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

۹۔ عرس کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی　　ترتیب وتخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۰۔ فلاح دارین

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی،　　ترتیب وتخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۱۔ خطبات صدارت

عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی　　ترتیب وتقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

۱۲۔ مثنوی غوثیہ

عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی　　ترتیب وتقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

۱۳۔ عقائد اهل سنت

مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی　　تخریج وتحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۴۔ دعوت عمل مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی

۱۵۔ احکام قبور

مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی　　تخریج وتحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۶۔ ریاض القرأت

مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی　　ترتیب: قاری شان رضا قادری

۱۷۔ تذکار محبوب

(تذکرۂ عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی)

مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی

۱۸۔ مدینے میں (مجموعۂ کلام) تاجدارِ اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی

۱۹۔ مولانا فیض احمد بدایونی

پروفیسر محمد ایوب قادری،　　تقدیم وترتیب: مولانا اسید الحق قادری

۲۰۔ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ　مولانا اسید الحق قادری

۲۱۔ حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں　مولانا اسید الحق قادری

۲۲۔ احادیث قدسیه　　مولانا اسید الحق قادری

۲۳۔ تذکرۂ ماجد　　مولانا اسید الحق قادری

۲۴۔ عقیدۂ شفاعت(ہندی)　　سیدنا شاہ فضل رسول قادری

۲۵۔ عقیدۂ شفاعت(گجراتی)　　سیدنا شاہ فضل رسول قادری

۲۶۔ دعوتِ عمل (گجراتی)　　مولانا عبدالحامد قادری بدایونی

۲۷۔ احکام قبور (تمل)　　مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی

۲۸۔ معراجِ تخیل(ہندی)(مجموعۂ نعت ومناقب)

تاجدارِ اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی

۲۹۔ مولانا فیض احمد بدایونی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء(ہندی)

محمد تنویر خان قادری بدایونی

۳۰۔ سیرت مصطفیٰ(ﷺ) **کی جھلکیاں**(ہندی) محمد تنویر خان قادری بدایونی

۳۱۔ پیغمبرِ اسلام کا مہان ویکتتو(ہندی) محمد تنویر خان قادری بدایونی

عنقریب منظر عام پر آنے والی کتابیں

سیف الجبار

سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تخریج وتحقیق: مولانا اسید الحق قادری

المقامة البغدادية (عربی دیوان)

مولانا فیض احمد قادری بدایونی

الدرر السنية

شیخ احمد بن زینی دحلان مکی

ترجمہ: مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

نگارشات محب احمد

علامہ محبّ احمد قادری بدایونی

ترتیب وتحقیق: مولانا اسید الحق قادری

احوال و مقامات

مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی

ترتیب وتلخیص: مولانا اسید الحق قادری